مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاںؒ

جلد ششم

مرتب

مولوی محمد رضوان مکتبہ ندوی

دارالاشاعت

Copyright Regd. No

جملہ حقوق باقاعدہ معاہدے کے تحت محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔

ضخامت : 424 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 بھاٹی روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو، پشاوت بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی فیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
ادارہ صدیق جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ پی پی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۰ اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات سمن چوک اردو بازار کراچی

نیپال میں ملنے کے پتے

مکتبۃ الحرمین، مدرسۃ الحرمین لالت پور (کاٹھمنڈو) نیپال
سرحدی بک شاپ بیرونی جامع مسجد دربار مارگ کاٹھمنڈو
دارالعلوم ہدایت الاسلام وانروپ بازار بٹہری نیپال

فہرست عنوانات

انتساب	۱۹
خطبات کی اہمیت	۲۰
خامہ فرسائی	۲۱
بہائی ازم اور مصالحتی زندگی	۲۳
سوالنامہ	۵۷
علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں	۷۳
عبادت اور اخلاص ضروری ہے	۷۳
معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے	۷۴
استغراق کی ترقی کا راز	۷۵
علم کا عشق	۷۵
ماضی قریب کی علمی شخصیتیں	۷۷
علم محنت بھی ہے اور انعام بھی	۷۸
دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو	۷۹
علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں	۷۹
عربی زبان کی اہمیت	۸۰
اختصار انگیزی سے احتراز کیجئے	۸۱
ملک وملت کی نوجوانوں سے توقعات	۸۳
ٹھوس کردار پیش کرنے کا انداز اور ہے	۹۵
"الاصلاح" کا قیام ایک جرأت مندانہ اقدام تھا	۹۵

عنوان	صفحہ
آج زمانہ بہت بدل چکا ہے	۹۲
متوسط درجہ کی لیاقت کافی نہیں	۹۷
زمانہ کا دامن سمٹتا اور چھوٹا ہوتا ہے	۹۸
آج پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے	۹۸
تحقیق و مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہے	۹۸
بہت سے قدیم مباحث آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں	۹۹
زمانہ آسانی کے ساتھ کسی کو تسلیم نہیں کرتا	۹۹
یقین کی طاقت	۱۰۰
سب سے بڑا محرک اور مؤثر	۱۰
آج کا تجدیدی کام	۱۰۲
یہ چیلنج قبول کیجئے	۱۰۲
آج زمانہ زیادہ اہم چیزوں کا طالب ہے	۱۰۲
علم کا تہذیب کا اخلاق کا مقاصد کا حرم ہے	۱۰۳
بغیر زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کیجئے	۱۰۵
ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے!	۱۰۵
اردو زبان میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت	۱۰۶
اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے	۱۰۸
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کام اور پیغام	۱۱۱
مسلم یونیورسٹی کی حیثیت	۱۲
ذاتی تعلق، ذاتی محنت اور جذبہ خدا داد ظلی	۱۲۲
قدیم رسم	۱۲۱

عنوان	صفحہ
...ی تحقیق	۱۲۲
...ی محبت	۱۲۳
جذبۂ اطلبی	۱۲۴
آج نبوت محمدی پر انکار و ہجرت کا حملہ ہے	۱۲۶
کوئی شاہین ہے جو اس کے مقابلہ کی عادت حاصل کرے؟	۱۲۷
طلب کی دو قسمیں	۱۲۸
دوسری قسم	۱۲۹
مصر جانے کے لئے	۱۳۱
آپ کا میدان	۱۳۲
ہجرت محمدی ﷺ پر انکار و ہجرت کا حملہ	۱۳۲
...وئی کی ضرورت	۱۳۳
ایک لطیفہ	۱۳۵
پہلا ذریعہ علم و مطالعہ کی کمی ہے	۱۳۷
نصاب تعلیم کا ناقص ہونا	۱۳۷
...ل کیسے پیدا ہوتا ہے؟	۱۳۸
ایک مثال	۱۳۸
...ل اور تقلید	۱۴۰
...ہ کیا ہے؟	۱۴۱
...ان کا ایک واقعہ	۱۴۱
...ں رسیدہ بود بلائے ...	۱۴۲
...ل اور ...ی کے درمیان فرق	۱۴۳

عنوان	صفحہ
صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے	۱۲۳
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی	۱۲۵
علماء ہند کی علمی خدمات	۱۲۷
مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟	۱۲۹
مدرسہ کا شجرۂ نسب	۱۵۰
یہ ہے مدرسہ کی شان	۱۵۳
دوسرا نمونہ دیکھئے	۱۵۳
جامعہ ہدایت کے طلبہ اور فضلاء کو ہدایت	۱۵۵
عالم ہر زمانہ میں قبلہ نما رہے	۱۵۷
مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا	۱۵۸
دارارقم جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا	۱۵۹
وقت کا سب سے بڑا جہاد	۱۶۹
چراغ زندگی اور دستور العمل	۱۷۷
کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا	۱۷۸
درس نظامی اور ملا نظام الدین سہالوی	۱۷۹
علم اور کمال	۱۸۰
زبان کی حساسیت اور خاصہ لسانی سے واقف ہونا ضروری ہے	۱۸۲
مسائل کا استحضار	۱۸۳
مادر علمی سے محبت	۱۸۵
تقید و تنقید اور اتباع سنت	۱۸۶
بیعت کر لیجئے	۱۸۷

عنوان	صفحہ
ہدایت اور کتاب	۱۸۷
رحمت اور شفاء	۱۸۹
نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریاں	۱۹
منصب نبوت اور اس کا کام	۱۹۰
آیات آیات	۹۲
نزول قرآن	۹۳
نزول قرآن کا اصل مقصد	۱۹۴
تعلیم کتاب	۱۹۴
تزکیہ و تربیت	۱۹۶
تجدید و احیاء	۱۹۶
حاملین قرآن کی ذمہ داریاں	۱۹۶
عبرت آموز واقعہ	۱۹۸
قرآن کی دعوت سب سے پہلے ذات ہے	۱۹۹
داعی بننے کے لئے حکمت اور اکتساب ضروری ہے	۲۰۱
قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے	۲۰۲
قرآن کو محور پیشہ بنانا کامیابی ہے	۲۰۳
قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے محبت اور لگن ضروری ہے	۲۰۳
متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت	۲۰۵
عالم اسلام میں موجود مصروفیات	۲۰۵
کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں میں فرق	۲۰۵
اسلام کے بارے میں موجود دو انتہا پسند طبقے کے خیالات	۲۰۷

عنوان	صفحہ
کتاب کے اندر علمی دلائل کا رنگ	۲۰۷
نظریت شناسی بھی ضروری ہے	۲۰۹
مذہبی تجدید کا سوفیصدی امکان نہیں ہے	۲۰۹
چند بنیادی کتب جن کا مطالعہ ضروری ہے	۲۱۱
کلیت قبل ظہور پڑھیے	۲۱۳
دیباچہ الہامی ہدایت	۲۱۳
مدرسہ دینیہ سے فارغ ہونے والے علما کے نام	۲۱۵
اپنا وقت ضائع نہ کریں	۲۱۶
زبدۃ الاستدلال کی مثال قائم کریں	۲۱۷
اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں	۲۱۸
اپنی ماورائی سے رشتہ نہ توڑیں	۲۱۹
علمائے حق نے وراثت نبوت کا حق کس طرح ادا کیا؟	۲۲۱
دین خالص	۲۲۱
دین خالص سے دوری	۲۲۱
علما کی اصل ذمہ داریاں	۲۲۳
اپنے کو پہچانیے	۲۲۴
بے یقینی کی نفسیات	۲۲۸
علمائے دین کا منصب	۲۲۹
اتباع سنت اور حقیقت پسندی کا جامع	۲۲۹
علامہ سید سلیمان ندوی	۲۳۰
امت مسلمہ کا فرض	۲۳۲

عنوان	صفحہ
ملک کو تباہی سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے!	۲۳۴
بے مثال استاد ..... بے مثال شاگرد	۲۳۷
استاد اور شاگرد کا تعلق	۲۳۷
خوش نصیب طالب علم	۲۳۸
ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے	۲۴۰
یتیم خلیل عرب سے ہمارا تعلق	۲۴۰
حضرات! جامعات و کالج کی سب سے بڑی کوتاہی	۲۴۲
دنیا کی تین بڑی جامعات	۲۴۲
استاد اور طالب علم کے درمیان رابطہ	۲۴۳
استاد ایسا ہو جو اپنا ذوق طالب علم میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو	۲۴۷
قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب	۲۴۹
قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے	۲۴۹
قرآن مجید کی حکمت دعوت	۲۵۰
دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے	۲۵۱
مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز	۲۵۱
قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے	۲۵۲
مولانا سید سلیمان ندوی اور عوام قرآن	۲۵۳
اجتباء خاص، ہدایت عام	۲۵۳
قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہو سکتا	۲۵۵
عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے	۲۵۵

عنوان	صفحہ
ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے	۲۵۶
افادہ اللہ کی طرف سے	۲۵۷
میری آلی کتاب	۲۵۸
عالم اسلام میں اسی تعلیم کا مقصد و منتج	۲۶۱
علم ایک صداقت ہے	۲۶۱
تعلیم کا اصل مقصد	۲۶۲
خاص ہدایت جس کو رسول پاکؐ	۲۶۳
اصحاب ملت کا وہ خاص ہدایت ہے	۲۶۵
قرآن مجید کی ملک کی جو مقدار میں ہے	۲۶۶
قلب اور دماغ دونوں کا ایمان ضروری ہے	۲۶۷
علم کی تین قسمیں ہیں	۲۶۸
یہ تین علم سے الگ نہیں ہوتا	۲۶۹
سبب کا خلاصہ علم الانسان مالم یعلم	۲۷۰
سیرت سازی	۲۷۳
مقصود بالذات سورۂ حیات ابدی ہے	۲۷۴
زرخیز زمین مردم خیز خطہ	۲۷۷
ملک کی عظمت کا حقیقی معیار	۲۷۷
یہاں آزادی حاصل ہوئی	۲۷۸
اپنی بہترین صلاحیت اس ملک پر نثار کریں	۲۷۸
تقریبات قلوب و ہمی تحقیقات و علمیات کا کلیہ یاری ہے	۲۷۹
مخلص مخلص پر آتا ہے	۲۸۰

عنوان	صفحہ
کاش یہ کام اسلامی حکومت میں ہوتا	۲۸۱
آپ کو بل پر انرجی حاصل کریں	۲۸۲
مسلم اقوام کے دل کی زرخیز زمین	۲۸۳
زرخیز زمین میں مردم خیز خطہ	۲۸۴
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے	
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند	۲۸۵
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے	۲۸۵
صراط مستقیم پل صراط ہے	۲۸۵
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے	۲۸۶
آپ کا رب آپ سے مخاطب ہے	۲۸۶
مسئلہ ربوبیت کا تھا	۲۸۷
نوجوانوں کا جذبہ عمل	۲۸۸
ہم نے ان کے دلوں کو تھام لیا	۲۸۹
وادیٔ گلزار ہو وادیٔ پرخار	۲۸۹
تیشہ بکف	۲۹۱
مسلح دہریت کا مقابلہ	۲۹۲
اسلام کے ہاتھ میں رہنمائی	۲۹۳
اپنی فکر کیجئے	۲۹۳
متقی حصہ ثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے	۲۹۳
اپنا محاسبہ وسیع کیجئے	۲۹۴
میرے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے	۲۹۵

عنوان	صفحہ
اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہر ذاتی	۲۹۷
قراءت کا غلط تخیل:	۲۹۸
اخلاص	۲۹۸
جذبۂ قربانی	۲۹۹
جوہر ذاتی:	۲۹۹
آخری بات	۳۰۰
علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں	۳۰۱
علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں:	۳۰۱
مسلم مملکتوں میں علماء کا کارنامہ:	۳۰۲
مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح	۳۰۲
یہ دین جہالت سے نہیں بلکہ علم سے پھیلا ہے	۳۰۳
عیسائیت مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی	۳۰۴
اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے	۳۰۵
اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہنما ہے	۳۰۵
اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجئے	۳۰۶
ایثار و قربانی	۳۰۸
اسلام اور علم کا دائمی رشتہ	۳۱۱
اسلام اور علم کا رابطہ	۳۱۱
پہلی وحی میں علم و قلم کا تذکرہ	۳۱۲
تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا انتظام	۳۱۳
حفاظت قرآن کا مفہوم	۳۱۳

عنوان	صفحہ
خطبات مدارس کا تذکرہ	۳۱۴
مدارس کی ذمہ داری	۳۱۵
مدارس اسلامیہ کے قیام و ارتقاء کے اسباب	۳۱۶
اس فکری و ذہنی کشمکش سے آگاہ رہنا ضروری ہے	۳۱۷
مدارس اسلامیہ کی خدمات	۳۱۸
مدارس کی تعلیمی تاریخ	۳۱۹
مدارس کا دائرہ پیشہ ور پیدا کرنا ہے، علماء اور مفکرین پیدا کرنا مدارس کا مقصد نہیں	۳۲۱
مدارس کی ۴ قسمیں	۳۲۱
مدارس کے تین طبقے	۳۲۲
مدارس کی تعلیم کا تدریجی نظام	۳۲۳
پہلے دن دورہ پھر ابتدائیں	۳۲۴
فتح مکہ کے وقت الٰہی نظام	۳۲۵
دوائی نظام	۳۲۵
مخصوص قانون، میزان عدل	۳۲۵
دلائل سے بے نیاز	۳۲۶
دوسرا نظام	۳۲۶
طبعی نظام کی شکست	۳۲۷
انبیاء کی بے سروسامانی اور بے اسبابی	۳۲۸
نبی کا تنہا اور اسباب	۳۳۰
کامیابی کا معیار	۳۳۰
انبیاء کرام علیہم السلام کا اصل نمونہ	۳۳۱
فرعون اور حضرت موسیٰ کی کشمکش	۳۳۱

عنوان	صفحہ
مشعل راہ	۳۳۳
تاریخ ساز واقعہ	۳۳۳
دعا کا پیغام	۳۳۴
''فیصلہ غیبی تیر سے ہاتھوں میں ہے'' یا شکر؟	۳۳۵
بخود بے خبر انگریزی	۳۳۵
موہنا نہ فراست	۳۳۶
ایمان وعقیدہ کا نظام	۳۳۷
موجودہ عربوں کی دونوں نظاموں سے بغاوت	۳۳۷
نسل ونسب	۳۳۸
۱۵ جون کی جنگ	۳۳۸
جنگ کے زمانہ میں معرکی اخلاقی ودینی حالت	۳۳۹
ایک غیر عرب بادشاہ کا عمل	۳۴۰
شکست تعجب خیز نہیں	۳۴۰
یمن کی داستان غم	۳۴۱
''نفس بندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری''	۳۴۲
عرب قومیت کے علم برداروں نے کیا دیا؟	۳۴۳
عرب قومیت میں غیر عربوں کے لئے کوئی کشش نہیں	۳۴۴
قومیت عربیہ اور عالم انسانیت	۳۴۴
دنیا تمہاری منتظر ہے	۳۴۵
اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء	۳۴۶
(۱) اسلام کی دوگانہ حیثیت:	۳۴۶
(۲) امت مسلمہ، شریعت اسلامیہ اور انسانی زندگی:	۳۴۷

عنوان	صفحہ
دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ارتداد اور مجتہدین	۳۴۷
امت اسلامیہ کی زندگی میں اجتہاد کی فضیلت	۳۴۹
چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت	۳۵۲
تبع رسول ﷺ کی اجتہادی فکر	۳۵۳
مذاہب اربعہ کی خصوصیات	۳۵۵
اجتہاد کی ضرورت: جدید نسل کی کوتاہی	۳۵۷
بعض علاقوں اور دور میں اجتہاد کے معطل ہونے کے اسباب	۳۵۷
اجتہاد کی حدود	۳۵۸
دین ہی زندگی کا صحیح قانون ہے	۳۵۹
مغربی تعلیم اور اس کے تباہ کن اثرات	۳۶۱
ایک اہم مسئلہ	۳۶۱
انسانی معاشرے کا مزاج	۳۶۱
معاشرہ میں کمزوری	۳۶۳
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام فیصل ایوارڈ کمیٹی کے نام	۳۷۳
مردوہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں	۳۷۶
فقہ وقضا کی صلاحیت میں علماء گجرات کا امتیاز و اختصاص	۳۸۴
عام اسلام میں احساس کمتری کا مرض	
اور اس کے اثرات ونتائج	۳۹۸
علم کا بھی ایک قانون ہے	۴۰۸
صحیح رہنمائی کی ضرورت	۴۰۸
حروف تہجی کی اہمیت	۴۰۹

عنوان	صفحہ
[illegible]	۳۱۰
[illegible]	۳۱۱
[illegible]	۳۱۲
[illegible]	۳۱۳
اصل مسئلہ ترجیح کا ہے	۳۱۵
[illegible]	۳۱۵
[illegible]	۳۱۵
[illegible]	۳۱۷
[illegible]	۳۱۸
[illegible]	۳۱۹
[illegible]	۳۲۰

انتساب

خطبات علی میاں جلد ششم کو اپنے ان تمام مہربان اساتذہ کے نذر کرتا ہوں جن کی شفقت اور خصوصی توجہ کے سایہ عاطفت تلے یہ علوم نبوت کی پیاس بجھاتا رہا، میں تو باد سموم کا شکار تھا انہی قابل احترام شخصیات نے مجھے انتباہی سنت کے نسیم بانفر کے جھونکوں سے نوازا کیا!

ے اک توشہ امید کرم لے کے چلا ہوں
کچھ اس کے سوا پاس نہیں زاد سفر اور

محمد رمضان میمن غفرلہ

خطبات کی اہمیت

قال رسول اللہ ﷺ :

علیکم بمجالسة العلماء واستماع کلام الحکماء ، فان اللہ تعالی یحی القلب المیت بنور الحکمة کما یحی الارض المیتة بماء المطر۔ (الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلب مردہ کو نور حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ مناہیات ابن حجر عسقلانی

خامہ فرسائی

سراپا شکر و امتنان ہوں اس ذات بابرکات کا جس نے اس ناچیز کو اپنے ایک محبوب بندے کے ارشادات و ملفوظات جمع کرنے کی توفیق بخشی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت مولانا میاں کی مجلسی بیٹھک (علم و ادب) آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جس قدر روحانی اور قلبی اطمینان ہو رہا ہے بجز اس کے اللہ تعالیٰ کا فضل ذکر نہ ہے۔

مولانا علی میاں کی زندگی پہلی ثلث میں سے سب سے نمایاں اور واضح پہلو ان کا ایک داعی اور مبلغ ہونا ہے۔ حضرت مولانا کی مربی زندگی اس بیسویں کی سیڑھی میں لڑکی ہے جس برس کی عمر سے شروع ہونے والا سلسلہ حیات عارضی کے آخری لمحے تک جاری رہا۔ انہوں نے اس بے تکلفی، سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ علماء و طلبہ کے مجمع میں تقریریں فرمائی ہیں شاید ہی کوئی دوسرا شخص ہو۔ اس وقت میں ان کا جملہ جو خود مولانا علی میاں کے ان الفاظ میں ہو وہ اکثر طلبہ کے سامنے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "آپ سے مجھے کسی قسم کا تکلف نہیں اس لئے کسی رسمی یا تصنع آمیز بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں"

ان مجلسی بیٹھکوں کا سلسلہ برسہا برس ہندوستان کے مختلف مقامات میں قائم رہا۔ ان مجالس میں بھی ان کے مخاطب یوں تو ندوی برادری کے اہل علم و اہل قلم اور خاندان علم و نبوت میں دینی مدارس کے طلباء و اساتذہ ہوتے تھے لیکن ان کے مخاطبین میں ان مدارس کے خیر خواہ، محسن اور معاونین بھی حضرت مولانا کو نور اللہ مرقدہ کے مخاطب ہیں اس مجلس میں طلبہ و علماء کی علمی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا کی علمی و مخالعاتی زندگی سے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ تعلیم سے متعلق چند مفید تحقیق والوں کے خطوط بھی شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔

آخر میں مجھے پچھلی جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی اپنے سابقہ معاونین کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ ان حضرات کی توجہ اور محبت کے بغیر اس مجموعہ کا شائع ہونا بہت مشکل تھا۔ ان حضرات کی تمام عمر ترقیوں اور کامیابیوں میں یہ صدقہ جاریہ بنے رہے۔

خصوصاً مولوی سید عدنان کاکاخیل (۱) سلمہ اللہ کہ موصوف نے کتاب کی ترتیب میں وہ قابل قدر معاونت فرمائی جس کا بندہ صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ زادہ اللہ علما وشرفا۔ اسی طرح ادارۃ تحقیقات اسلامی (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی) اسلام آباد کے کتب خانہ (۲) کے ناظم اور ان کا تمام عملہ جو خلاش بسیار کے دشوار کام میں مخلصانہ معاونت کرتے رہے اور سب سے اخیر میں سب سے زیادہ سپاس گزار ہوں اپنے محترم استاذ جناب علاء الدین خلاجی حفظہ اللہ کا جن کی رہنمائی واصابت رائے ہر قدم پر دستگیر رہی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

راقم عزیز محمد رمضان میاں (نیپالی) عفا اللہ عنہ

کے لئے کفش بردار مولانا علی میاں رحمہ اللہ

۱۵ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

۱۰ دسمبر ۲۰۰۲ء بروز منگل

(۱) نبیرہ حضرت مولانا عبدالحق نافع گل رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ، سابق شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

(۲) المرحومہ اللہ لائبریری شعبہ مجلات

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

۱۹۴۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تعلیمی تحریک نے برصغیر کے مشاہیر اہل علم و دانش کو دعوت دی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل ذوق کے لئے ان کتابوں کی نشاندہی کریں جنہوں نے ان کی سوچ اور اخلاق و کردار کی تعمیر میں خاص حصہ لیا ہے۔ مولانا علی میاں نے بھی (جب ان کی عمر ۳۳ برس تھی) اپنے تاثرات و تجربات قلم بند کئے۔ یہ مضمون دوسرے مضامین کی ساتھ مولانا محمد عمران خان نے مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں (اعظم گڑھ مطبع معارف بس۔ن) میں شامل کرلیا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں ماہنامہ الحق (اکوڑہ خٹک) کے مدیر کی فرمائش پر مولانا علی میاں نے ۱۹۴۵ء میں لکھے گئے مضمون پر نظر ثانی کی اور اس میں جا بجا اضافے کئے تاہم ان کتابوں کا تذکرہ پہلی بار کیا گیا تھا، کم بیش وہی رہیں، بعد میں انہوں نے اپنی علمی و تصنیفی اور تدریسی زندگی میں بلاشبہ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا جن پر تبصرہ کیا جانا مشکل تھا مضمون پر نظر ثانی کرتے ہوئے مولانا علی میاں نے بجا طور پر لکھا تھا اس کا طرز واقعاتی اور سوانحی ہے تنقیدی اور تحقیقی نہیں، اس لئے ذہن پر مطالعہ کے جو اثرات پڑے ان کو بے تکلفی اور بے ساختگی کے ساتھ بیان کردیا ہے مصنفین کے خیالات، مسلک اور طرز فکر کی پوری ذمہ داری نہیں لی گئی اور نہ کسی ایسی کتاب اور مصنف کا ذکر محض اس کے مفید یا بلند پایہ ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے جس کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی یا ذہن و شعور نے اس سے کوئی گہرا اور دیرپا اثر قبول نہیں کیا۔ اس لئے ہر فہرست میں سے کسی کتاب یا مصنف کے نظر انداز ہو جانے کے معنی اس کی عدم افادیت یا تنقیص نہیں ہے۔ مولانا نے نظر ثانی کرتے ہوئے جو چند حواشی لکھے تھے۔ وہ ان کے نام کے اظہار کے ساتھ باقی حواشی سے الگ کردیے گئے ہیں۔ (مرتب)(۱)

خاکسار کا خاندان ایک خزاں رسیدہ دینی خانوادہ ہے جس کے بزرگوں نے کبھی فصل خزاں میں بھی دنیا کو پیام بہار سنایا تھا، ہندوستان میں جب دین کی بہار آخر ہوئی تو اس

(۱) حیات نکات سے بعد چند مضمون جناب نیر الحق صاحب

خاندان پر بھی حزن آیا، ہوش کی آنکھیں کھولیں تو دین داری جوانوں سے زیادہ بوڑھوں میں، اور مردوں سے زیادہ عورتوں میں تھی۔

میرے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی نے ۱۹۲۳ء کے شروع میں انتقال کیا۔ میری عمر اس وقت دس سال کی تھی، میرے بڑے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب لکھنؤ میں میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور میں اپنے وطن رائے بریلی میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ رہتا تھا، اور بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق خاندان کے بعض بزرگوں سے درسی کتابیں پڑھتا تھا اور لکھنؤ بھائی صاحب کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔

خاندان میں دستور تھا کہ تقریباً روزانہ اور ان دنوں میں خاص طور پر جب کسی حادثہ کی وجہ سے تسکین و تسلی کی ضرورت ہوتی، ایک گھر کی تمام بیبیاں ایک جگہ جمع ہو جاتیں اور ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ (سید عبدالرزاق صاحب کلامی م ۱۳۳۴ھ۔ ۱۹۱۶ء) کی منظوم "فتوح الشام" پڑھی جاتی۔

سید عبدالرزاق صاحب کلامی مرحوم، حضرت سید احمد شہید کے ہمشیرزادہ سید شہید الدین صاحب کے پوتے اور ان کے حقیقی بھائی سید عبدالرحمن صاحب کے نواسے تھے۔ واقدی کی عربی "فتوح الشام" کو کلامی صاحب نے بڑی قادرالکلامی اور جوش و ولولہ جذبہ کے ساتھ پچیس ہزار شعروں میں اردو میں نظم کیا ہے چونکہ ان کو اس کا طبعی ذوق تھا، اور جہاد و شجاعت ایمانی کی چنگاری ہی تو ہے منتقل ہوئی تھی جس نے ایک وقت میں سارے ہندوستان کو گرما دیا تھا اس لئے نظم میں جوش و اثر اور کلام میں آمد ہے۔ حضرت خالد سے شاعر کو عشق تھا، اور خواب میں بار بار ان کی زیارتیں ہوئی تھیں، اس سے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور اشعار میں خاص روح اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔ میری بڑی خالہ سیدہ صاحبہ مرحومہ جو قرآن مجید کی بھی حافظہ تھیں، یہ منظوم "فتوح الشام" بڑے پرسوز و خشوع لہجہ میں پڑھتی تھیں اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہو گئی تھی۔ عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی۔ بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام لے آجاتے، مرد بے واسطہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے کبھی بار بار دہرواتے اور بھی، کہیں اپنے پاس بٹھا کر سنانے کا موقع دیتیں، پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کہیں چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے۔

میری خالہ مرحومہ جب سادہ بے تکلف، لیکن پر تاثر لہجہ میں یہ اشعار پڑھتیں تو جیسے کا ایک سماں بندھ جاتا، دل امنڈ آتے، حضرت خالدؓ، حضرت ضرارؓ اور ان کی بہن حضرت خولہؓ بنت الازور اور دوسرے صحابہ کرامؓ مجاہدین شام کی جاں بازی اور شجاعت کا ذکر آتا تو آنکھوں پر ایک کیف و سرور اور نشہ سا طاری ہو جاتا، کسی سخت معرکہ میں مسلمانوں کے گھر جانے اور کسی بہادر کے شہید ہونے کا تذکرہ ہوتا تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، آنسوؤں کے یہ طوفان اٹھتے اور برستے تو ان کا پھیلنا ہمارے معصوم دلوں پر بھی پڑ جاتا، اور اس نرم مٹی کو تر کر جاتا "فتوح الشام" کی ان زندہ تجسموں نے دل پر یہ اثر چھوڑا کہ مجاہدین کی محبت، عظمت اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی قیمت کو کوئی نئی سی تحقیق، اور بیہار کو مداحانہ بیت کرنے کی کوئی کوشش کم نہیں کر سکی خون کے نقش کو سیاہی کے وہ نقش بھی نہیں مٹا سکے جو لیلے سینے پر آلام سے میلے جیلے کاغذ پر ثبت کیے جائیں، پھر وہ نقش جس کو بچپن کے پاک آنسوؤں نے پائیداری بخشی ہو۔

ثانی ھو ! ھاقبل ان اعترف الھوی
فصلوف قلباً حالیاً فتسکا

دوسرا اثر یہ ہوا کہ اس قوم و مذہب (عیسائیوں) کے خلاف جس کے مقدر میں قیامت تک کے لئے اسلام کا عالم گیر حریف و مدمقابل بننا لکھ دیا گیا ہے، اور جس کی قائم مقامی اور وراثت موجودہ یورپ کے حصہ میں آئی ہے، ایک حریفانہ جذبہ اور عناد پیدا ہو گیا جس پر کسی ملک کے متقی مسائل و سیاسات بھی غالب نہیں آ سکتے۔

اس وقت شرفاء کے خاندانوں میں "مسدس حالی" کا عام رواج تھا۔ اس کے اشعار لوگوں کے زبان تھے، تقریروں اور مواعظ میں جا بجا اس کے شعر سے مانیہ جاتا، مضامین میں نقل کیے جاتے۔ میں نے بھی "مسدس" کو بڑے جوش و لطف سے بار بار پڑھا۔ اس کے اشعار اپنی تقریروں میں جو بچوں کے جلسوں میں کی جاتیں، اور ان انعامی مقامات میں جو مقابلہ کے لئے لکھے جاتے، بار بار نقل کیے۔ اس کا بہت سا حصہ زبانی یاد تھا۔ دل و دماغ پر "مسدس" کا اچھا خاصا اثر رہ چکا ہے۔ سوانح، استعداد و معلومات میں اضافہ کے علاوہ اس کا ایک احسان یہ تھا کہ برسوں بعد مغربی مورخین و مصنفین کی یہ کوشش بالکل بے اثر رہی کہ جاہلیت عرب کی اتنی مدح سرائی کی جائے اور اس میں اگر غلو کی کچھ ذمہ داری تھی تو ان کو خود دین نے

دیکھ کر پہچان لیا کرتی طرح پیش کیا جائے کہ معلوم ہو کہ عربوں میں اخلاقی انقلاب کی پوری تیاری تھی، اور گویا آتش فشاں پھٹنے کو تھا کہ موقع شناسی سے بروقت اس کو چنگاری دکھادی گئی۔ اسلامی انقلاب کی یہ تعبیر انہ عظمت اور رسول اللہ ﷺ کے تجزیہ کی اہمیت کو گھٹانے کی یہ علمی سازش مولانا حالی کے ان پر اثر اور سادے چند بندوں پر غالب نہ آ سکی جس میں انہوں نے جاہلیت کا نقشہ اور اس کی اخلاقی پستی کی تصویر کھینچی ہے۔ بعض قوم پرست عربوں نے مضامین اور تالیفات متاثر کر نہیں جو اپنی قومیت کے جوش میں کبھی بھی جاہلیت کی طرف سے مدافعت کرنے لگتے ہیں، اور اس کے روشن پہلو تلاشنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

میرے گھر کا ماحول دادا صاحب (مولوی سید فخر الدین صاحب مرحوم) اور والد صاحب کی وجہ سے جو علمی اور عربی کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کے ادیب و شاعر بھی تھے، دینی کے ساتھ ادبی بھی تھا۔ بہت بچپن ہی سے اردو نثر و نظم کی درسی و غیر درسی کتابیں ہم بھائی بہنوں کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری کی بہت سے کتابیں اس زمانہ میں پڑھ لیں۔ اس زمانہ میں عام طور پر مولوی اسماعیل صاحب میرٹھی کا اردو نصاب "کتاب اردو" "سوا اردو" اور "خلیفہ اردو" مدرج تھا۔ ہندوستان کا سررشتہ تعلیم ان کتابوں سے بہتر کتابیں مرتب نہیں کرا سکا۔ ان میں خلیفہ اردو کا اثر آج تک دل و دماغ پر باقی ہے۔ تیرہا نصف صدی گزر جانے کے بعد اور ذہنی بلوغ و ارتقاء کی بہت سی منازل طے کر لینے کے بعد بھی اب بھی اردو کتاب ہاتھ آ جائے (یہ افسوس ہے کہ اب بالکل نایاب ہے) تو شاید سب کام چھوڑ کر اسی کو پڑھنے لگوں اور بچپن کی یاد تازہ کروں اور تم سے کم اپنی چند پسندیدہ نظمیں اور مضامین، مولوی ظفر علی خاں بی اے کی نظم "رابعہ و مسرت کی کہانی" "اور سیدہ بادہ کے طوفان پر ان کی نظم" "اوما مراد ندی" "سید تبو حمید بلیدرم کا مضمون" "مجھ کو میرے دوستوں سے بچاؤ" کو ایک بار پڑھے بغیر کتاب ہاتھ سے رکھنی مشکل ہو جائے۔ اس غیر شعوری مطالعہ کا یہ فائدہ ہوا کہ زبان کا لطف اور ذوق زندگی کے ہر دور میں ساتھ رہا اور تحریر و انشاء میں کبھی مولویانہ ثقیل پیوند ہونے پائی۔ میرے خیال میں ابتدائے عمر میں سلیس و شگفتہ زبان اور اچھے مصنفین کی کتابوں کا پڑھنا جو سلیس و شیریں زبان میں اپنے خیالات ادا کرنے کے عادی ہیں، بہت مفید اور ایک حد تک ضروری ہے۔ ورنہ نئی نسل اور نئے عہد سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور مصنفین و مکلمین کا

پورا فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

اردو کے ابتدائی مطالعہ اور طالب علمی کے اس ابتدائی دور میں جس کتاب کو اپنے شوق سے پڑھا اور جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم کی سیرت رحمۃ للعالمین کا پہلا حصہ ہے۔ مجھے یہ کبھی نہیں بھولے گا کہ جب اسکی دونوں جلدوں کا بعض دوسری کتابوں کے ساتھ ولی۔ پی رائے بریلی آیا ہے اور اس کے چھڑانے کے لئے اس وقت روپیہ نہ تھا، تو میں نے بے اختیار رونا شروع کیا، یہاں تک کہ کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کیا گیا اور کتاب میرے ہاتھ میں آئی، بار بار پڑھی گئی جلد اور کئی بار اپنے دل اور آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ بعض خاص مقامات کا ہمیشہ خاص اثر پڑتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی مبلغین کے واقعات حضرت مصعب بن عمیر کی مکی و مدنی زندگی کا مقابلہ، ان کی والہانہ کیفیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری اور حضرات انصار کی مسرت استقبال اور جان نثاری، انصار کا ایثار اور مہاجرین کے ساتھ ان کی دینی محبت آنحضرت ﷺ کی وفات کے واقعات و حالات کا دل پر خاص اثر پڑتا تھا، بہل بہل کر کر ان کو پڑھتا تھا، لوگوں کو سناتا تھا اور اسی زندگی کی تمنائیں دل میں پیدا ہوتی تھیں قاضی سلیمان صاحب کے درجات اللہ بلند فرمائے، اس عالم میں ہوتے تو کہتا کہ آپ کی کتاب کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اس نے سب سے پہلے سرور کائنات ﷺ کی محبت کے اس مزہ سے آشنا کیا جس کے بغیر یہ زندگی اور عالم خس و خاشاک ہے۔

در خرمن کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

انہی دنوں کے کچھ بعد میرے ہاتھ میں مولانا شبلی مرحوم کی الفاروق آگئی۔ مطبع نامی۔ کانپور کی چھپی ہوئی سراپا تصویر پڑھی اور کئی بار پڑھی۔ عراق کی جنگوں یرموک، جسر، قادسیہ وغیرہ کے میدان جنگ کی تصویر مولانا نے جن چھوٹے چھوٹے پے ساختہ و برجستہ جملوں میں کھینچی ہے، شاید اس سے زیادہ فردوسی "شاہنامہ" میں مسلسل اشعار اور پرشکوہ الفاظ اور مبالغہ سے پیدا نہیں کر سکا "الفاروق" کے جامد اور گرم جملے اور لفظ شمشیر و سناں کا کام کرتے ہیں۔ مولانا نے بنی امیہ کی خلافت پر جو کاوش کی ہے، اس کے سمجھنے کی اس وقت صلاحیت نہ تھی، اور اب اس سے کوئی

دلچسپی اور علمی تاثر نہیں ہے لیکن واقعات کے حصہ کا اثر اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔

مولانا کی دوسری کتاب جو اس دور میں پڑھی، سفرنامہ روم و مصر و شام تھی۔ اتفاق سے یہی دو کتابیں ہمارے گاؤں کے محدود ذخیرہ کتب میں تھیں۔ آخر الذکر کتاب سے معلومات میں بڑا اضافہ ہوا، ذہن میں وسعت پیدا ہوئی، اور کیا عجیب ہے کہ اول الذکر کتاب سے دنیائے اسلام کی سیاست کا شوق پیدا ہوا جو حسن کی نوبت بدروں اجد آئی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا کی سوانحی تصنیفات "الفاروق" "سوانح مولانا روم" اور "الغزالی" پڑھیں۔ غالباً اسی وقت سے ذہن نے یہ اثر قبول کیا کہ سوانح حیات اور تذکرہ و نگاری کے لئے اس سے بہتر اسلوب اور زبان جدید اردو میں پائی نہیں جاتی، اور غیر ارادی طریقہ پر ان تذکروں اور تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلہ میں جو اثر کے قلم سے نکلا، اس کو اختیار کیا گیا۔ افسوس ہے کہ شعر العجم کے پڑھنے کی نوبت بہت بعد میں آئی جس کو میں اپنے موضوع پر مفید اور مولانا کا شاہکار سمجھتا ہوں۔ اس تاخیر میں غالباً میری فارسی کی کم لیاقتی کو دخل تھا۔

محترم مولانا سید طلحہ صاحب حسنی مرحوم ایم۔ اے، استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ لاہور کی صحبت اور مجلسوں میں "آب حیات" سے تعارف ہوا تھا اور بار بار پڑھی۔ یہاں تک کہ اس کے بہت سے مضامین مستحضر ہو گئے۔ اشخاص، شعراء اور ان کا کلام دماغ پر اس طرح نقش ہو گیا جس طرح بچپن کی دیکھی ہوئی چیزیں اور سنی ہوئی باتیں ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہیں، اور ان کا دماغ پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ کل رعنا، گھر کی کتاب تھی، اس کو اتنی بار پڑھا کہ اردو شاعری کی تاریخ اور شعراء کے متعلق اتنی معلومات ہو گئی کہ اس موضوع پر مجلس میں گفتگو کرنے اور گفتگو میں حصہ لینے کی استعداد پیدا ہو گئی۔

میرے حقیقی ماموں زاد بھائی مولوی سید ابو الخیر صاحب برق لکھنوی نہایت شائستہ زبان لکھتے اور بولتے تھے۔ لکھنؤ کے محاورات اور صحت و صفائی زبان میں وہ سند کا درجہ رکھتے تھے۔ سخن شناس بھی تھے اور سخن سنج بھی۔ ابتداء میں شمس لکھنوی کو کلام دکھاتے تھے۔ پھر آغا شاعر قزلباش لکھنوی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے اور انہیں کے رنگ کی پیروی کی۔ ان کی صحبت میں زبان کا ذوق اور اچھے برے کی تمیز پیدا ہوئی۔ ان کے چھوٹے بھائی حافظ سید حبیب الرحمٰن جو معہ میں پڑھتے تھے، ان کو اردو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا۔ ان کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ بچوں

سے اساتذہ کے اشعار کا مطالب پوچھتے اور اردو میں تقریر تحریر کے مقابلے کرواتے۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر مومن غالب، ذوق اور لکھنؤ کے شعراء میں سے آتش اور امیر مینائی کے کلام سے ان کو خاص ذوق تھا، چنانچہ ان کے اشعار سنتے اور ان کا مطلب بیان کرنے کے سلسلہ میں دماغ پر زور ڈالنے اور مشکل اشعار کے سمجھنے کی عادت پڑی۔ اس زمانہ میں اودھ میں مشاعروں کا بڑا زور تھا، ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں کئی مشاعرے ہوئے، دیکھا دیکھی میں نے بھی چھوٹوں کو لے کر کئی کوششیں کیں مگر اللہ تعالیٰ بڑے بھائی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بہت سختی سے روک دیا اور یہ شغل بے اصل جاری نہ رہ سکا۔

رائے بریلی میں گھر میں بعض عزیزوں کا ذخیرۂ کتب تھا، اس میں مولوی محمد حسین آزاد کی نیرنگ خیال بھی تھی، عمر کے اس ابتدائی دور اور زبان و ادب کے اس ابتدائی ذوق میں آزاد کی نثر کا جو نثر اردو کا ایک مرصع نمونہ ہے، بہت اثر پڑا، بہت دنوں تک نیرنگ خیال اور آب حیات کی تقلید میں بہت سے صفحے سیاہ کیے، جو اپنی کم سوادی کے باوجود فائدہ سے خالی نہیں رہے، یہ زمانہ ہر چھپی ہوئی چیز کے پڑھنے کے مرغوب کا تھا، ہر قسم کی چیزیں پڑھیں، شرر مرحوم اور رتن ناتھ سرشار کی بھی چند کتابیں پڑھیں، کہتے ہیں کہ کوئی پڑھی ہوئی چیز خواہ بھلا دینے سے بے کار ہے اثر نہیں رہتی، اپنا اچھا برا اثر ضرور کرتی ہے، اس لئے اس کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نقش آنکھوں سے اوجھل ہو جانے پائے، لیکن ان کا کوئی خاص اثر یاد نہیں آتا۔

اردو مضمون نویسی میں ابتدائی اثر والد مرحوم کی کتاب یادگار سخن کا تھا جو سنجیدہ زبان کا ایک شگفتہ نمونہ ہے، اور جس میں تدریج کی سہولت کے ساتھ زبان و انشاء بھی موجود ہے جو میرے علم میں مصنف "اقبال رعنا" اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی تحریر کا مشترک جوہر ہے اس طرز پر میرا مضمون جواب یاد آتا ہے ندوہ پر تھا۔

عربی تعلیم شروع ہو جانے کے بعد میرے استاد شیخ خلیل عرب بن محمد بن شیخ حسین (محدث بھوپال) نے ہمیشہ کے لئے دل پر توحید کا نقش قائم کر دینے کے لئے سورۂ زمر زبانی تو حید اور ذوق و شوق سے پڑھائی، عربی ادب اور بالخصوص عربی شعر کا عرب صاحب مرحوم کو لطف نے ایسا ستھرا ذوق بخشا تھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ وہ اس قوم کے فرد تھے جس کے متعلق زبان نبوت نے شہادت دی ہے کہ ایمان (کا ایمان یمان) علم کا

حسن طبیعت تخیل سے اور عرب کا سوز دروں انہوں نے وجدان سے پایا تھا۔ قرآن تجوید پڑھتے تھے تو آنسو بھی رواں ہوتے تھے اور وجد میں آ جاتے تھے۔ قصائد پڑھتے تھے تو سوق مفاخرہ کا نقشہ کھینچ دیتے تھے۔ تصوف کا ذوقی مضمون تھا، دل کھول کر پڑھا یا دل کو چیر کے کھول دیا دونوں ہے اور آج کا ان اللہ تعالیٰ کا بڑا پرزور شعر ہے۔ الا للہ الدین الخالص (سورہ زمر) کا نقش قائم ہے اور اس کے مدمقابل ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا (زمر) (مشرکین کہتے ہیں کہ ہم اپنے معبودوں کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں) کا جلی اور جلوی، توحید کے اظہار شرک کا سب سے بڑا فلسفہ، یہ مخلوط معلوم ہوتے ہیں۔ ادب میں شیخ نجل عرب کا ایک مجتہد انہ منصب تھا جو ہندوستان میں بالکل نیا تھا، ان کو اپنے ذوق تلامذہ کی صرف مقفل کرنے میں خاص کمال حاصل تھا۔ انہوں نے مبادی صرف اور تحریر و انشاء کی مشق کے ساتھ مسرہ میرت کے سلسلہ قرأت (ریڈرس) الطریقہ العربیہ المختصر ۲ (۱۲۸۵ھ) مدارج القراءۃ ۳ (۱۲۸۶ھ) کے بعد من المجتبع کی "علیہ ودستہ" "نخبۃ من النظم والنثر" "حصۃ النثر" کا ایک مصفا انتخاب اور حصۃ النظم" کا ایک مختصر کتاب اور علم میں "تاریخ" اور جغرافیہ کی "مختصر الحکمۃ" اور "تاریخ الاسلام للخضری" سے ذوق شوق سے تیار کیا۔ مختصر تاریخ آداب اللغۃ العربیہ" چھاپی، عربی کے قواعد زبان کی مشق میں سب سے بڑا احسان اس گمنام کے نام ہے جس کا نام حسن علی الخضری نے رسالہ "الضروری" کا ہے، جو چھوٹا اور رائج کی کتاب ہے۔ عرب صاحب نے اس کی عملی مشق کرائی، اور یہی مشق اس وقت تک کام آ رہی ہے۔ اس تعلیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ایک وقت میں مختلف علوم فنون اور زبانوں کی تعلیم تھی صرف عربی زبان و ادب کی تعلیم تھی اور دن اور رات کا بیشتر حصہ ادبیات اور ادبی ذوق تھا۔

عرب صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اپنے محبوب و منتخب متعلمین اور ان کی محبوب و منتخب تصنیفات کو اس طرح طلبہ کے سامنے پیش کرتے تھے، گویا ادبی زبان و ادب اور طرز ادا کا واحد نمونہ اور ادب و ذوق کا معیار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ متعلمین طلبہ کے دماغ اور تخیل پر حاوی ہو جاتے تھے، اور طالب علم ان کا رنگ اختیار کرنے لگتے تھے۔ لہٰذا المقنع اور جاحظ عصر میں، عبدالقاہر جرجانی ذوق، نقد ادب اور حسن فہمی میں متنبی و بحتری شعر میں ان کے منتخب لوٹ تھے، اس لئے ان کے طلبہ اپنی بڑی سعادت اور کمال سمجھتے تھے کہ ان میں ان کا رنگ اور انداز پیدا

ہو جائے۔ راقم الحروف نے ابن الشفع اور صاحب نتائج الافکار بھی کبھی کبھی جرجانی کی تقلید میں لکھنے کی کوشش کی اور اس کا بڑا نمونہ ہوا۔ عرب صاحب کا ایک تعلیمی نکتہ یہ بھی تھا کہ وہ طلبہ کے دماغ پر یہ نقش قائم کر دیتے تھے کہ ادب و نثر کا کہ صاحب ذوق طلبہ کی میراث ہے جس کے استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں انہیں باک نہیں ہونی چاہیے، چنانچہ ان کی ہمت افزائی سے کبھی کبھی ان صاحب طرز انشاء پردازوں کے بعض بعض جملے اور تعبیریں اپنی تحریر میں تخمینہ کی طرح جزو لاینفک کے طور پر حاصل کیا۔

اس تعلیم کے انتہائی مرحلہ پر مصر کے مشہور صاحب طرز نثار سید مصطفیٰ لطفی المنفلوطی کی کتاب "النظرات" عرب صاحب نے دیکھنے کو دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس صدی کا یہ ساحر دیباچہ دماغ اور تخیل پر چھا گیا اور دل میں سما گیا، اس کے خوانوں پر اپنے مضامین سجانے اور تیز رفتار ہوا کے پیچھے دوڑ کر دور تک خاک اڑائی۔

میری فکر خوش قسمتی تھی کہ حدیث میں مولانا سید حسن خاں صاحب جیسا تبحر استاد نصیب ہوا، جو مولانا غلام احمد صاحب امروہی، مولانا لطف اللہ صاحب کوئلی، مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور شیخ الاسلام شیخ حسین یمنی کے شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مجاز تھے۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ حدیث کی تعلیم شروع ہوئی تو کوئی دوسرا فن اور موضوع مزاحم نہ تھا، صرف حدیث کے اسباق تھے، مولانا کی صحبت تھی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ تھے، ندوۃ العلماء کا نادر علمی ذخیرہ اور مولانا کے علمی مآخذ تھے۔

مولانا کے یہاں تعلیم کی دوسری خصوصیتیں تھیں جن کی وجہ سے فن کا ذوق اور اس کا کچھ بہ قدر استعداد و توفیق) عملی ملکہ حاصل ہو جاتا تھا، ایک یہ کہ تعلیم بالکل ناقدانہ اور محققانہ اصول پر تھی، مولانا کو مذہب حنفی پر کامل اطمینان تھا اور وہ اس کے زبردست وکیل و ترجمان تھے، لیکن ان کا درس حدیث محدثانہ طرز اور نقد حدیث اصول حدیث و رجال کے بحثوں پر مبنی تھا اور اس میں ہندوستانی طرز تدریس حدیث سے زیادہ یمنی طرز حدیث، اور شوکانی کے طرز تالیف کا اثر تھا۔ شوکانی کی تالیف نیل الاوطار اس کا ایک نمونہ ہے۔ محدثین میں خصوصاً محمد بن ابراہیم الوزیر اور محمد بن اسمٰعیل الامیر اور علامہ مقبلی کی تالیف اور اصول حدیث کے بعض نو اور ان کے خاص مآخذ تھے جن میں تنقیح الانظار اور توضیح الافکار کے قلمی و شرح کے مسودات خاص طور پر

تو اس ذکر میں۔ دوسری چیز وہ ہے۔ مقابلہ میں علامہ ابن قتیبہ کی اہمیت اور اہلِ رسالی کی نصب الرائے سے بہت مدد لیتے تھے اور حدیث صحیح کا جواب حدیث صحیح سے اور اقتدہ حدیث سے ہم استدلال کے ساتھ شریک قبل ہوتے تھے۔ مولانا طالب نے آدمیوں کے قول نہ ہب کے دلائل رجال پر نقد و جرح کی تحقیق نکلواتے تھے اس طرح تدریس اتنا یف کا سبق ملتا تھا۔

درس حدیث میں عملی طور پر سب سے زیادہ فائدہ مولانا سعودی کی "شرح" سے ہوا جو ایک مبتدی طالب علم کے لئے بڑا اچھا ہے۔ شرح حدیث سے فائدہ اٹھانے اور ذہن پر زور ڈالنے کا ملکہ اسی سے پیدا ہوا جو آج اپنی کی استطاعت کی اصل وجہ تدریس کے زمانہ میں آئی۔ اس وقت مولانا ابن تیمیہ کی وسعت نظر نے حدیث پر ان کی قدرت نے اس کے صحیح اخذ و رد ان کو استاد بنا دیا کہ ہر مسئلہ حل کر لیتے تھے۔ یہ کتاب مسلم کی ایک علمی کاوش ہے جس کی نظیر سے دوسری ملکوں کی لائبریریاں خالی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے کتنی وجد و سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے "کتاب الام" اور ترمذی کی "کتاب البر و الصلۃ" پڑھی ہے۔

اسی زمانہ میں اپنی العلوم دیکھنے کا شوق ہوا اس نے اس پر نکلی کا سا اثر کیا مگر یہ مطالعہ جاری نہیں رہ سکا۔ اس میں بڑے بڑے علمی مباحث کی اصلیت کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی اس کے مطالعہ کے شغف سے بعض غیر معتدل رجحانات کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

۱۹۳۰ء میں شیخ خلیل عرب کی تجویز اور بھائی صاحب کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس عرب کے لئے ایک فاضل محقق مصاحب زبان مراکشی عالم تشریف لائے۔ یہ علامہ شیخ تقی الدین ہلالی تھے۔ جن کو اردو کا لفظ بھی نہ آتا تھا عربی زبان و ادب کے بہت سے مباحث و جزئیات حدیث کی تعلیم کے بہت سے حقائق و اصول نظر سے ہوئے اور حل رہتے اور تحقیق و حدیث کے اثر سے ایک آزاد اور غیر متعصب ذہن ہوتی۔ ان کو گہرائی دیکھا ہوا تو ان علمی و تحقیقی زبان کے مدد اور سہ فی تاکید کے نقش و نگار کھنچے ہیں ایک شخص میں سلف کی اتباع اور غلو کی تردید عدم تحقیق کی سماعت میں ہے لکھنے (اردو کی تعریف) مغرب (جس خصوص اہل مخطوطہ کا مطالعہ تحقیق اس لغت کا تقن علمائے عربی دانی اور اہل زبان کی تعریف نوائی اور خوش تقدیری جمع تھی بات کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے ہر جملہ ادب کی چاشنی ہوتا تھا۔ اس کو آدمی

ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی تحریریں ان لوگوں کی ہوتی تھیں جو ان کے مادری زبان نہیں ہوتی تھی اور جو لوگ اس زبان کو بولتے تھے وہ ان تحریروں کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ ان کو پڑھتے تھے اور جو بولتے تھے وہ اس عربی زبان کو جو عوام کی زبان تھی۔

جاپانی صاحب نے عربی ادب کو مختلف زمانوں پر جانچنے کی بھی بہت اچھی کوشش کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ادب زبان سے زیادہ وسیع ہے ان کی بحث اور قیاس آرائی بڑی دلچسپ تھی۔ ان کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کافی مطالعہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زبان اور ادب میں فرق ہے۔ زبان وہ ہے جو ادب کی بنیاد ہے۔ ادب زبان کی بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ ادب زبان پر ہی انحصار کرتا ہے۔ ادب زبان کی ترقی سے ہی ترقی کرتا ہے۔ زبان کی تعلیم تربیت ادب کی تعلیم پر مقدم ہے۔ اگر زبان نہیں آتی تو ادب نہیں آ سکتا اور اس کی تعلیم کا وقت تعلیم ضائع وقت ہے۔ ہندوستان میں زبان کے دعوے میں اور عربی زبان کے ساتھ اہل عربی ادب کی تعلیم دی جاری ہے۔ جو اکثر اوقات بے بنیاد اور بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے۔ جاپانی صاحب کہتے تھے کہ عربی اور مصری وغیرہ سے ادب عربی کی اعلیٰ کتابیں ہیں۔ وہ بلاشبہ عربی میں زبان کی تکمیل اور مسلسل تعلیم اور زبان کی مشق کے بعد پڑھائی جاتی ہیں۔ اور عربی ادب کی تکمیل کرنے والے فضلاء ان کو پڑھتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں کیسی کتابیں ادب کا کامل سرمایہ اور جمع خرچ ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان سے پہلے زبان کو ایک زندہ زبان کی طرح پڑھا جائے۔ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ زبان کو انسانی زبان کی طرح بغیر ترجمہ کی مدد کے پڑھنا چاہئے۔ اس پر شیخ نے دارالعلوم میں مسلسل تقریریں کیں۔ اور اپنے مدعا کو دلائل سے ثابت کیا۔

دوسری حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ صرف و نحو کے قواعد زبان کی کنجیوں کے اصول ہیں۔ ان کا درجہ زبان کے بعد ہے۔ زبان کا ذخیرہ الفاظ ہے۔ زبان کا علم اصول تعمیر کے قواعد اور انجینئری کا فن۔ مرمت کے اینٹیں نہ ہوں تو کاریگر کتنے اور اصول تعمیر کا جاننے سے بڑا علم کا کار دار نضول ہے۔

جاپانی صاحب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زبان کا بہترین نمونہ تاریخ کی مستند کتابیں اور عہد جاہلیت کے ادباء کی غیر مصنوعی تصنیفات ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس قضیہ کی

[illegible] رسائل کی اشاعت کی۔

یہ زمانہ [illegible] کا تھا۔ [illegible] کی [illegible] کا [illegible] کا [illegible] کا

ہے۔ اس کی فرمائش پر مولانا نے یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نام "امام القرآن" ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے امام کے اوصاف بیان کیے ہیں۔ امام کے لیے کن باتوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ امام کے لیے کن باتوں سے بچنا ضروری ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر امام بننے کے خواہش مند لوگ بہت سی غلطیوں سے بچ جاتے ہیں۔ اس کتاب کی اب تک [illegible] بار اشاعت ہو چکی ہے۔

۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک کا زمانہ مولانا کی زندگی کا بہت اہم زمانہ ہے۔ اس زمانے میں مولانا نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کا نام ہندوستان کے بڑے بڑے علماء میں شمار ہونے لگا۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ جاننے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کی عزت بہت بڑھ گئی۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ خط لکھنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ ملنے آنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ دعوت دینے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ تحفے بھیجنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ چندہ دینے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ مدد کرنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ مشورہ دینے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ نصیحت کرنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ ڈانٹنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ سمجھانے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ روکنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ ٹوکنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ برا بھلا کہنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ گالی دینے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ مارنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ قتل کرنے لگے۔ ان کتابوں کی وجہ سے مولانا کو بہت سے لوگ شہید

ان تحریکی "اجتماعی" کوششوں میں جن کا تعلق عمران اور اخلاق سے ہے، ان کی تعلیم کے لیے "شعور" میں جس کتاب سے تعلیم سے اور معلمین سے نفع اٹھایا ہے اور ان کے اخلاق اور صاحب علم کے آداب کا اظہار کرنے کا خیال پیدا کیا وہ صاحب جادہ کے ایک نئے اور چھوٹی سی کتاب "تعلیم المتعلم" ہے۔ اس فن تحصیل علم میں علوم نے ہمت، حریت اور ذوق علم پیدا کرنے میں نواب صدیق حسن خان شاہ جہانی کی کتاب "علمائے سلف" نے بہت کام دیا اور اس دور پر علمائے سلف کی عظمت و حریت کا نقش ثبت ہو گیا۔ میں نے ان تینوں کتابوں کو ہر نئے طالب علم کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس کو ہر زبان پر رکھنا چاہیے۔

والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی ناظم ندوۃ العلماء کی تصنیفات نوائے پلتے۔ ان کا ایک مسودہ ارمغان اسحاق ۳ کے نام سے ہاتھ آ گیا جو انہوں نے اپنی ۲۲ سال کی عمر میں لکھا ہے، اور ۱۳۱۲ھ کے طالب علم کے قلم کا نمونہ ہے، زبان بہت سادہ اور بے تکلف۔ لیکن اسلوب میرے دل پر یہ اثر کیا، مرحوم ان خدائی محبت اور دین کی چاشنی محسوس ہوئی، حضرت سید احمد شہید سے اصل قلبی تعلق اس رسالہ سے پیدا ہوا، جہاں والد مرحوم حضرت سید کا تذکرہ کرتے ہیں، وہاں دل جھوم جاتا تھا، اور دل ایک خاص کیف محسوس کرتا تھا۔

دوسری چیز جس نے حضرات اہل اللہ کی محبت و عقیدت پیدا کی وہ دین کا ایک خاص مزہ معلوم ہوا جس کو الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے، حضرت مولانا محمد علی بانی ندوۃ العلماء کا چھوٹا سا رسالہ ارشاد رحمانی ہے جس میں شیخ وقت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے کچھ حالات، حکایات و ملفوظات اور سلوک و طریقت کے کچھ نکات ہیں۔ حضرت مولانا گنج مراد آبادی میرے والد مرحوم کے شیخ تھے اور انہیں سے گھر میں آپ کا ذکر خیر سنا تھا۔ اس روحانی تعلق اور ذہنی ربط سے کتاب ذوق و شوق سے پڑھی، محبت کے شعور اور عاشقانہ کلمات دل میں چبھ گئے اور تڑپ و تشنگی کی حس دل میں اتر گئی، اس سے کچھ عرصہ بعد والد مرحوم کا ایک مختصر سا رسالہ یا مقالہ جو استفادہ کے نام سے شائع ہوا تھا بار بار پڑھا تھا، اس میں انہوں نے اپنے شیخ مراد آباد کی حاضری کے حالات، اور وہاں کے مشاہدات، اور مولانا کے الطاف و عنایات کے واقعات قلم بند کئے تھے، اس نے مولانا کی محبت و عقیدت، اور اہل اللہ

ے دلچسپی اور انہماک کے ساتھ مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

مولانا کی ذہانت اور ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ان کے حواشی سے ہوتا ہے۔ ان کے حواشی میں علمی نکتہ سنجی اور تحقیق کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے۔ ان کے حواشی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مطالعہ کے دوران جو نئی معلومات حاصل کرتے تھے، ان کو بھی حاشیہ میں درج کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کے حواشی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ ان کے حواشی کا مطالعہ کرنے سے ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے حواشی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مطالعہ کے دوران جو نئی معلومات حاصل کرتے تھے، ان کو بھی حاشیہ میں درج کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کے حواشی کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ ان کے حواشی کا مطالعہ کرنے سے ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا کی ذہانت اور ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ان کے حواشی سے ہوتا ہے۔ ان کے حواشی میں علمی نکتہ سنجی اور تحقیق کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی ہوتی

ا ا ا

ہے۔ یہ اداریہ ان کے اپنے مضامین کا تسلسل تھا۔ اس میں بہت کام مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے نظریات کی تشریح تھی۔ قرآن اور ان کی کتاب کی تحریکات نے اور زیادہ وضاحت کی۔ ترجمان القرآن کے مضامین نے طرز استدلال اور طرز تحریر پر بھی اثر ڈالا اور ان کی تحریروں سے ذہنی فکر متاثر کیا۔

مغربی تہذیب کے مزاج اور اس نے مشرقی تقاضوں اور اسلامی تہذیب سے اس کے ٹکراؤ کے اصولی تضادات پر مولانا کے متعدد مضامین سے متعلق سب سے زیادہ اہم چیز جو مجھ کو مولانا کی کتاب معلوم ہوئی اس کا نام "الجہاد فی الاسلام" ہے۔ مولانا کے بعد ان کی دوسری فکر انگیز کتاب شائع ہوئی جس کا عربی ترجمہ "حقیقۃ الجہاد" کے نام سے انہوں نے ازراہ عنایت مجھے خود بھیجا۔ یہ اس کتاب کی تفصیل اور اس نظریہ کی عملی تطبیق تھی جو انہوں نے اپنی پہلی کتاب میں پیش کیا تھا۔ میں نے ان کی اجازت سے اس کا ترجمہ اور تلخیص "طوفان سے ساحل تک" کے نام سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب بھی مولانا صاحب موصوف کے نام سے منسوب ہے۔

۱۹۳۹ء-۱۹۴۰ء میں مصر کے فاضل دانش ور احمد امین نے "فجر الاسلام" (جلد ۱) اور "ضحی الاسلام" (جلد ۳) کے مطالعہ کا موقع دیا۔ یہ عہد نبوی اور عہد اموی (امیہ) کی فکری، دینی، اخلاقی، سیاسی، علمی تاریخ ہے جس میں واقعات سے نتائج اخذ کیے ہیں۔ جزئیات سے کلیات قائم کیے ہیں اور زبردست ادبی صلاحیت کے ساتھ مشرقی شعوں پر تحقیقی نگاہ ڈالی ہے۔ کتاب مصنف کی محنت، مطالعہ اور حسن انتخاب کا اچھا نمونہ ہے، اور اس پر موجودہ عصری مغربی اثرات سے بھی پاک نہیں، اور اس کے مطالعہ سے اخیر عمر میں پہنچ کر دنیا کی مختلف متعارل سوچ بچار ہے اور اس کی بعض بنیادی شخصیتوں کے بارے میں وہ عظمت اور عقیدت قائم نہیں رہتی جو کمسنی کے دور میں قائم ہو گئی تھی۔ مگر میں نے مولانا سے کہا کہ کتاب کے مصنف کی اس تحریری کاوش کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا میں علم اور اس سے زیادہ اس وقت اخلاق سمجھتا تھا۔ میں نے مولانا سے کہا کہ "مطلق العنانی فی الاسلام" کتاب "الاسلام وحکامنا" فی التشریع الاسلامی" (جس کا میں نے مطالعہ کیا۔ خلاف الرشد حدیث کے مطابق ہم نے اس کے باوجود اسلام امین ... ہے) میں بڑا تو اور معصوم ہونے کی بنا پر خلفاء یا بادشاہوں پر ایسی تنقید کی ہے جو اس سے زیادہ فاضلانہ دانش

[illegible] کے مطالعہ سے حاصل ہوا، وہ شاہ صاحب کی اور اپنی نظر کے مطابق [illegible] میں [illegible] کے [illegible] میں [illegible] کے [illegible] میں [illegible] کے

اور حقیقت اور تعلیمی قرآنی نسبہ شجرہ دانیس پر تحریر ہے۔

شاہ صاحب کے کارنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید صاحب تحریر فرماتے ہیں "شاہ صاحب کی تصنیفات خاندانی ورثہ ہے، لیکن ان کی شہرہ آفاق اور علمی کمالات اور علوم کا انداز صرف "شاہ صاحب" سے ہوتا ہے اس موضوع پر میرے مضمون میں پوری تفصیل سے آئے گی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مختصر تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" (جس کو میں شاہ صاحب کی قرآنی پیش بینی بتاتا ہوں) نے بعض علمی اشاروں اور مختصر کلیوں نے قرآن فہمی کے طالب و تفسیر میں بڑی رہنمائی کی، اور شاہ صاحب کے بعض مختصر جملوں اور تصورے لفظوں نے پورے پورے مضامین کے راستے اور مطالعہ قرآن میں ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئیں۔

حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات کے مجموعہ "صراط مستقیم" (مرتب مولانا اسماعیل شہید، مولانا عبدالحی) کو بہت دیر میں دیکھا، فکر تصوف کے اچھے ذخیرے ہیں، اس تصوف نے ملفوظات خصوصاً حضرات چشت کے پورے سلسلہ ملفوظات کے مطالعہ کے بعد دیکھا اور معلوم ہوا کہ تصوف کے لٹریچر میں یہ بالکل ایک انقلابی کتاب ہے، سلوک راہ نبوت اور تقرب بالفرائض کے موضوع کے علاوہ جس کے سید صاحب امام تھے، اور جو اس عصر کے لئے تزکیہ نفس اور قرب الی اللہ کی سب سے آسان، بے خطر اور وسیع شاہراہ ہے، طریقت و حقیقت اور سلوک و تربیت کے متعلق جو نکتے اور حقائق لکھے ہیں، وہ خداداد ہدایت، علوم نبوت سے فطری مناسبت، اعلیٰ روحانیت اور وقت نظر کی دلیل ہیں، اعلیٰ ظاہر و باطل معرفت کے مختلف فیہ مسائل میں جو حکم کیا ہے، اور جو فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، وہ ان کی اعلیٰ سلامت طبع، روحانی توازن و اعتدال اور میانہ روی کی شاہد ہیں۔ کاش اس کتاب کی شایان شان خدمت ہوتی اور نئے طرز پر مرتب کر کے پیش کی جاتی۔

ان کتابوں کا ایک فیض یہ تھا کہ علم نبوت سے وحشت اور اجنبیت جو وضعی اور صناعی علوم، اور تصنیفات سے پیدا ہو جاتی ہیں، دور ہوئی۔ اس کی بڑی بھلی تمیز پیدا ہوئی کہ علمی اصطلاحات اور زمانہ کی زبان کے بغیر بھی علوم و حقائق ادا کئے جا سکتے ہیں، اور کتابوں کے راستہ کے علاوہ کچھ اور بھی راستے ہیں، جن سے وہ علوم آتے ہیں، جو کتابوں کے صفحات میں مقید نہیں کئے جا سکتے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ مغز ہو اور چھلکے نہ ہوں، روحانی ہوں اور زیادہ الفاظ نہ ہوں، متن

ہو اور خوشی نہ ہوں۔

اس عصر کے عارف باللہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء) سے بارہا ان کی بالمشافہ اور ان کے معارف کتب میں جتنا استفادہ ہوا، اس کا احاطہ اور اس کا خیال، مادی زبان اور اس اصطلاحات میں ناممکن تھا، اس کے لکھنے میں جواب شرمندگی ہے۔ میں نے ایک دفعہ یہ عرض کیا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا احمد علی صاحب کے حالات لکھے ہوئے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات پڑھے ہوئے تو مجھے آپ کی باتوں سے بڑی وحشت ہوئی، مولانا نے اس پر تبسم فرمایا اور دوسروں سے نقل کیا۔

میرے قرآن مجید کے مطالعہ میں مولانا احمد علی صاحب کی تفسیر اور ان کا فیض اور ان کی توجہ کے بڑی دخل ہے، بڑی دقیق اور مشکل آیتیں جن پر متقدمین خصوصاً مفسرین بالقرآن بالحدیث بھی بحث کرتے ہیں، ان کا اصل نمبر متن قرآن نے سمجھا اور بارہا دیکھا ہے، اور اس سلسلہ میں ان کا انتباہ بڑا ہوا ہے کہ قرآن مجید سے اپنا حصہ لینے میں بڑی علمی وسائل واقفیت کے بعد وہ چیزیں سب سے زیادہ کفایت ہوتی ہیں، جو علوم نبوت، مزاج نبوت سے مناسبت رکھنے والے اشخاص کی صحبت ان کی معاشرت و زندگی کا ان حلقہ القرآن کا پتہ ہو، اور جنہوں نے فقہ القرآن لداطہ (حضرت ہی کا لفظ) سینے سے لگایا ہو، اس قلبی و ذوقی وراثت میں حصہ پایا ہو، ان حضرات کے علوم بڑی تازگی، شگفتگی، بے آمیزی اور خلوص اور علم کی وسعت و گہرائی سے قرآن مجید کے الفاظ کی وسعت و دقت کا قیاس آسانی اندازہ ہوتا ہے، کئی الفاظ جو "لسان العرب" اور "مفردات غریب القرآن" سے اور کئی آیات جو بڑی بڑی اردو تفسیر "کشاف" امام رازی کی "قلمی تفسیر" "فتوح الغیب" اور ابن کثیر کی نقلی تفسیر سے حل نہیں ہوتیں، وہاں باتوں باتوں میں حل ہو جاتی ہیں۔ الفاظ و معانی میں کتنی وسعت اور قوت سے نظر آتی ہے جو پہلے نظر سے اوجھل تھی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن راستوں پر چلے، ان پر چلنے سے قرآن مجید کھلتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی جو کیفیات بیان کی گئی ہیں، ان کا احساس ہوتا ہے۔ قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جو جواب دیئے ہیں، کان اسی آواز میں سنتے ہیں، اور آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں۔ جو اعتراضات اور شبہات علم کلام کی کتابوں نے اور کتابی مطالعہ نے فرضی طریقہ پر پیدا کر دیئے ہیں، وہ وہاں پر حقیقت ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کے سمجھنے کے یہ دو طبعی طریقے ہیں۔

[illegible] کی ہے کہ قرآن مجید میں آدمی کا ذکر کتنے مقامات پر ہے؟ اس کی تشریح [illegible] سے کی جائے تو [illegible] انسانی تاریخ، انسانی تہذیب، انسانی تمدن، انسانی [illegible] کے [illegible] ہے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] اور [illegible] کی باتیں [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہوتی ہیں [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] نہیں معلوم ہوتی۔ [illegible] کا [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ہوتے ہیں [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] انسان کا [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] میں [illegible] پر [illegible] اور [illegible] کا [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] صرف [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] ہوئے [illegible] ہوئی ہے۔ [illegible] اور [illegible] کے [illegible] [illegible] میں [illegible] قرآن مجید میں [illegible] کی زبان میں [illegible] میں کہتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] میں [illegible] ۱۹ اکتوبر [illegible] کو [illegible] کی [illegible] پر [illegible] کے [illegible] میں [illegible] کے [illegible] میں [illegible] کے [illegible] میں

ہوئی؟ میں کہتا یہ کتاب دیکھ لیجئے۔ مصر بھی ایسی کتاب نہیں پیش کرسکتا، اور میں بتاتا ہوں عالم عربی کے ایک سیاح کی حیثیت سے بھی، اور وہاں کی جامعات میں جانے والے اور وہاں خطاب کرنے والے کی حیثیت سے بھی کہ ایک کتاب بھی عالم عربی میں ایسی نہیں ملتی جو پہلی صدی سے چودھویں صدی پر محیط ہو، وہ یا تو ایک صدی پر کتابیں ہیں یا پھر ایک ایک فن پر ہیں، مثلاً کوئی کتاب صرف نحو پر ہے، کوئی شاعر پر ہے، کوئی طب پر ہے، لیکن انہوں نے ہندوستان کی تاریخ لکھی، پہلی صدی جب سے یہاں عرب آئے اور اسلام آیا اس وقت سے لے کر ابھی وفات تک کے کارناموں کا اس میں ذکر ہے۔

دوسری کتاب لکھی جو ان کا بڑا کارنامہ ہے اور ہندوستان کے لئے ایک شاہکار چیز ہے، وہ ہے ہندوستان کے علماء کی تصنیفات کی ڈائریکٹری۔ پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک کسی فن میں بھی کسی عالم نے کوئی کتاب لکھی ہے تو اس میں اس کا ذکر ہے۔ پوری ڈائریکٹری ہندوستان کی تیرہ سو برس، چودہ سو برس کی جس میں سینکڑوں کتابوں کے نام ہیں، اس فن میں یہ کتاب ہے، اس کی یہ خصوصیت ہے۔ عالم عربی کی سب سے بڑی اکیڈمی، دمشق کی "المجمع العلمی العربی" جس کا نام تھا، اب "مجمع اللغۃ العربیۃ" ہوگیا ہے، اس نے اس کو شائع کیا، وہ ایڈیشن وہاں سے شائع ہوئے ہیں، ہندوستان میں اس کا ترجمہ ہوا اور "اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں" کے نام سے دارالمصنفین کی طرف سے شائع ہوا جو سب سے مقتدر ادارہ ہے۔ عام طور پر ہوا یہی ہے کہ لوگوں نے پورا اعتماد نہیں کیا، اب اس کی ضرورت ہے کہ ایسی کتابیں لکھی جائیں جن میں ان کتابوں کا تذکرہ ہو جو متفرد ہیں، ان کی مثال عالم اسلام اور عالم عربی میں نہیں ملتی اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں، پھر اس کے بعد ضرورت ہے کہ ان چیزوں سے متاثر ہوئے اور انقلاب ہوا، ان کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔

تو سب سے پہلے جو مجھے یاد ہے میری زندگی پر اثر "مسدس حالی" کا پڑا، انہوں نے صحابہ کرام کا جس تذکرہ کیا ہے، پھر اسلام کی خدمت اور اس کی انقلاب انگیزی کا جہاں ذکر کیا ہے، اس کا بڑا حصہ زبانی یاد تھا، اس زمانہ میں مسلمانوں کے اکثر گھروں میں "مسدس حالی" پڑھی جاتی تھی، اس کے بہت سے شعر خواتین، بچیوں اور لڑکیوں کی زبان پر بھی تھے۔

اس کے بعد پھر جس کتاب کا اثر پڑا، وہ ہمارے خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق

صاحب کاوی کی کتاب "حسام الاسلام" ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے اطراف میں مشہور و معروف ہیں اور محترم شخصیت ہیں، صادق پور ان کا گھر تھا اور اس نے ہندوستان کی آزادی میں انگریزوں کے مقابلہ میں وہ کردار ادا کیا جو (میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے بھی اور ایک محب وطن کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں) ہندوستان میں شاید ہی کسی خاندان نے ادا کیا ہو، انہیں کیا، سید عبدالرزاق صاحب کاوی سید احمد شہیدؒ کے نواسے ہوتے تھے اور میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا تھے، انہوں نے "حسام الاسلام" کے نام سے پچیس ہزار اشعار میں واقدی کی فتوح الشام کو منتقل کیا، ۱۰۰ مثنوی عرانہ حیثیت سے بھی بڑے بلند کلام ہیں۔ اس کتاب میں پچیس ہزار اشعار ہیں، خاندان میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا، کوئی غمی ہو جاتی تھی تو اس کے ترحم کرنے کے لئے مستورات جمع ہوتی تھیں اور "حسام الاسلام" پڑھی جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے میں اس میں شریک ہوتا تھا، اپنی عمر کے باوجود، کیونکہ میری خالہ صاحب یا میری بھتیجہ وغیرہ پڑھتی تھیں تو حالت یہ ہوتی تھی کہ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں اور چہروں کا رنگ بدل جاتا تھا، اور بالکل معصوم ہوتا تھا کہ اپنا غم بھول گیا ہے، کسی کی شہادت کا ذکر آتا (خاص طور سے خواتین کی شہادت اور قربانیوں کا ذکر آتا) تو اپنا غم بھول جاتی تھیں، یہ بہت اچھے رواج تھا، اس وقت اس حادثہ کا اثر ختم ہو جاتا تھا اور کسی کا کوئی وعظ یا تلقین یہ کوئی کتاب اتنی موثر نہیں ہوتی تھی جتنی کہ "حسام الاسلام" ہوتی تھی۔

پھر "حسام الاسلام" کے بعد مجھے جس چیز نے متاثر کیا، وہ ڈپٹی نذیر احمد کا دینی مزمون یا کلام ہے، ملک میں مغربی تہذیب کا دور آیا اور میں چونکہ علمی شعبہ کا رہنے والا ہوں جو تحریک خلافت اور تحریک آزادی کا بنیادی مرکز ہے، لیکن اس وقت انگریزی تہذیب کا اور انگریزی دانش کا مغربی ثقافت کا اتنا اثر تھا کہ کوئی شخص اس سے بچا نہیں تھا، اس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اس وقت ایک لفظ چلا ہوا تھا "ہدایت"، اس سے آپ سمجھ جائیے کہ یہ کس ذہن کی نمائندگی کرتا ہے، جب کسی چیز کی برائی بیان کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے، یہ ہدایت سے آئی ہے، میں ہدایت سے آیا ہوں، اس وقت دو چیزیں میرے بڑے کام آئیں، ایک اکبر الہ آبادی کا کلام، اس نے اس طلسم کو توڑا اور اس کی اصل کمزوریوں کو دکھایا اور وہ کام کیا جو بڑے بڑے دانش کدوں نے نہ کی بڑی بھی، دقیق اور عمیق اور بلند مرتبہ کتابوں نے کیا ہوگا۔ ان کا کلام جب پھیلا تو ان سے

مغربی تہذیب کا تسلط، اس کی sovereignty کم ہوئی، ان کے چند شعر پڑھتا ہوں، جن سے آپ سمجھ جائیں گے کہ کتنی بڑی حقیقت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں

نکلے گا کلک مست اقبال کی بستی میں
اندھیر اجالا تھا نکلے گی روشنی میں

علوم مغربی کے بحر میں غوطہ لگانے سے
زباں کو صاف ہو جاتی ہے ان کی ہر نہ ہوتا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

کہتے ہیں آبادی کا بہت اثر ہوا، ایک اعتراف بالحق کے طور پر یہ بھی کہہ دوں کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا رسالہ "سچ" (بعد میں "صدق" کے نام سے نکلنے لگا) آبرالہ آبادی کا بھی بڑا قدردان تھا، میں جب تک رائے (ہریانہ) میں رہتا تھا، وہ بھی "سچ" کا پرچہ آتا تھا، پھر وہ "صدق" کے نام سے نکلنے لگا اور برابر آتا رہا، اس سے ذاتی تعلق اور رابطہ قائم ہوا، اس وقت اس سے "ذمیندار" آتا تھا، اس میں مولانا ظفر علی خاں کی نظمیں شوق سے پڑھتا تھا، وہ نظمیں ایسی زلزلہ انگیز ہوتی تھیں اور جذبات پر کیسی اثر انداز (ذہن کے لحاظ سے بھی اور زور بیان کے لحاظ سے بھی) کہ اس کی مثال ہی مشکل سے ہے۔

اس کے بعد اقبال کے کلام نے دل و دماغ کو متاثر کیا، یہ عرض کر دوں کہ اقبال کے کلام میں "بانگ درا" نے اتنا کچھ پر اثر نہیں ڈالا، اس وقت تو یہ بیزار تھی، اور آپ کو معلوم ہے اقبال کا کلام وقت کے فاصلے سے شائع ہوتا رہتا تھا، شروع میں "بانگ درا" آئی ہے، پھر "ضرب کلیم" آئی ہے، "بال جبریل" آئی ہے اور ان تینوں مجموعوں میں سب سے زیادہ اثر "بال جبریل" کا پڑا ہے، ان کے اشعار پڑھتا تھا اور لطف لیتا تھا، پھر خدا نے اپنی توفیق دی کہ میں

نے ان کا عالم عربی سے تعارف کرایا۔ میں جب مصر گیا ۱۹۵۱ء میں تو میں نے دیکھا کہ مصر میں بہت زیادہ غیر ممتاز شخصیتوں پر لکھا گیا ہے اور لوگ ان سے واقف ہیں، میں وہاں کے چوٹی کے لکھنے والوں سے ملا، جن میں ڈاکٹر احمد امین، عباس محمود العقاد، احمد حسن الزیات اور سید قطب وغیرہ تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ سارا مصر اقبال سے ناآشنا ہے اور عالم عربی بھی ناآشنا ہے تو میں نے وہاں سے آنے کے بعد اس کا بیڑا اٹھایا، ہمت کی کہ میں اقبال کو عربی میں پیش کروں، چنانچہ پہلے میں نے مضامین کی شکل میں یہ کام کیا، پھر پوری کتاب "روائع اقبال" کے نام سے لکھی اور مصر ہی نہیں، عالم عربی میں پہلی مرتبہ ان کا تعارف ہوا اور مجھے حیرت ہوئی کہ بعض عرب ادیبوں، دانشوروں کو اس کے صفحے کے صفحے یاد ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ امیر حسن نے جو اردن کے ولی ہیں، وہاں "موسسہ آل البیت" کے نام سے ایک اکیڈمی ہے، میں اس کا ممبر ہوں، انہوں نے ایک زنکا انتظام کیا، اپنی طرف سے اعزاز کا، اس وقت میں تھا اور میرے جانے سے سو یا سوا سو محمد واضح حسنی ندوی اور مفتی خلیل صاحب تھے جو مسقط کے بہت بڑے عالم، بڑے مفتی ہیں تو مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے "روائع اقبال" کے صفحے کے صفحے زبانی سنانا شروع کر دیے اور پھر اس کے بعد وہاں بہت سے لوگوں کو اس سے بڑی دلچسپی ہوئی اور اس کتاب کا بڑا اثر پڑا اور اقبال سے لوگوں کا تعارف ہوا اور انہیں حیرت ہوئی کہ ایسے شاعر سے ہم ناواقف تھے جو اسلام کا صحیح ترجمان ہے اور اس نے طاقت کا پیغام، خود اعتمادی کا پیغام اور انقلاب انگیزی کا پیغام جو اب تک کسی شاعر نے نہیں دیا تھا، دنیا نے اسلام کو دیا۔

پھر اس کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر مجھ پر پڑا، وہ سید احمد شہید کی تحریک کا تھا، وہ ہمارے گھر کی چیز تھی، خاندان کی چیز تھی، لیکن اس کا تذکرہ بہت کم ہو گیا تھا، کہیں کہیں مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا لیکن اسی زمانہ میں مولوی محی الدین صاحب قصوری نے جو مولانا آزاد کے خاص لوگوں میں تھے، امرتسر کے ایک پریس "توحید" میں جو مولانا داؤد صاحب غزنوی کی ادارت میں نکلتا تھا "عصر حاضر کا عظیم مجاہد سید احمد شہید" کے نام سے مقالہ لکھا، میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے کہا کہ تم اس کا ترجمہ عربی میں کرو، اس وقت میری عمر ۱۶۔۱۷ سال تھی، میں نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اسی زمانہ میں عالم عربی کے بہت بڑے محقق، ادیب اور دانشور استاد علامہ تقی الدین الہلالی مراکشی، جن کا حال یہ تھا کہ جب وہ بولتے

دونوں میں جو بڑے کہنہ مشق اور مورخ لکھنے والوں میں تھے، کسی لفظ کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا کہ لفظ صحیح ہے یا نہیں تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ امیر شکیب ارسلان جو "حاضر العالم اسلامی" کی چار جلدوں کے مصنف ہیں اور مصر میں سید رشید رضا میں شیخ محمد عبدہ کے شاگرد ہیں اور وہ جمال الدین افغانی کے شاگرد و ترجمان تھے، جب ان کا لکھنے میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور وہ جو فیصلہ کرتے تھے مان لیا جاتا تھا، اس کے شواہد موجود ہیں۔ امیر شکیب ارسلان کی خود نوشت کتاب "السید رشید رضا واخبار یومین" میں لکھا ہے، کہیں لفظ میں ذرا اختلاف ہوا، اس نے شیخ تقی الدین کی طرف رجوع کیا، انہوں نے یہ فیصلہ کیا، وہ لکھنؤ آئے تھے اور ندوۃ العلماء میں اس کو قلمبند کیا جانے والا تھا، انہوں نے جو یہ مضمون دیکھا تو کہا کہ اگر تم کہو تو اسے علامہ سید رشید رضا کے پاس بھیج دوں، اب کہاں بھیجتے، ۱۹۳۵ء کا سال تھا، یہ مضمون علامہ سید رشید رضا ہی شیخ محمد عبدہ کے شاگرد اور مصر میں "المنار" کے ایڈیٹر تھے، انہوں نے اس مضمون کو رسالہ میں شائع کیا اور اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ اگر مضمون بھیجا ہے تو ہم اس کو الگ رسالہ کی شکل میں بھی شائع کر سکتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں کہتا ہوں کہ شاید ہندوستان میں بہت کم ایسے ہوا ہوگا کہ ۱۹۳۵ء کے سال کے تو ہوا میں کی کتاب مصر میں شائع ہوئی ہو اور مسئلہ کھلی ہو، چنانچہ "ترجمۃ الامام السید احمد بن عرفان الشہید" کے نام سے وہ رسالہ وہاں شائع ہوا اور پھر ہندوستان میں بھی بھیجا۔

مجھ پر سب سے زیادہ جس کا اثر پڑا وہ حضرت سید احمد شہید کے واقعات تھے، میں بلا کسی مبالغہ کے اور بغیر کسی غلو و ستائش کے کہتا ہوں کہ مجھ خاندانی تعلق بھی ہے کہ جب ان کے حالات پڑھتا تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک گوشہ میں (جس زمانہ میں وہاں بجلی بھی نہیں آئی تھی چراغ جلا کر) میں یہ کتاب پڑھتا تھا، "وقائع احمدی" جو ان کے حالات میں لکھی گئی ہے، دوسری کتاب "مخزن واقعات احمدی" جو فارسی میں ہے سو وہ مولانا سید ظفر علی صاحب بلگرامی کی، وہ جب پڑھتا تھا تو ایک درد سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ رحمت کی گھٹا آگئی ہے اور وہ کرم کا وقت ہے اور آنکھ بھر آتی ہے اور دعا کرتا، وہ اثر میں نے سید صاحب شہید کے بعد کسی چیز میں نہیں دیکھا، مجھ پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے سید احمد شہید کا اور پھر اس کے بعد میں نے تیسرے

میں، میں نے "سیرت سید احمد شہید" لکھی، پہلے ایک جلد تھی، اس پر علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا، بڑا طاقتور مقدمہ ہے، پھر دو جلدوں میں، میں نے کتاب لکھی اور اس وقت تک بحمد اللہ ۶، ۷ ایڈیشن نکل چکے ہوں گے اور پاکستان، ہندوستان میں بہت پھیلی، پھر اس کے بعد چودھری غلام رسول صاحب مہر (جو ایک بہت بڑے صحافی اور جرنلسٹ تھے) کہتے تھے کہ میں تیرہ چودہ سال سے یہی کام کر رہا ہوں اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا نہ کی ہو، انہوں نے کتاب لکھی "سیرت سید احمد شہید" چار جلدوں میں، ان کی کتاب کافی مقبول ہوئی۔ اس کتاب نے ہزاروں انسانوں پر اثر ڈالا، ان کے عقائد میں بھی اصلاح ہوئی، ان کے جذبات میں بھی ایمانی طاقت پیدا ہوئی جو بہت کم چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔

ابھی تک بہت کم لوگوں نے اس پر کوئی کتاب لکھی ہے کہ کس کتاب نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، اگر کسی کتاب کا ذکر آتا ہے تو وہ "مثنوی مولانا روم" ہے۔ خود اقبال مرحوم اس سے بڑے متاثر ہیں، وہ کہتے ہیں

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر

اور اردو میں کہتے ہیں

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

مولانا روم کے کلام کا بہت سے آدمیوں کے ذہنوں پر بڑا اثر پڑا ہے، مگر ان لوگوں نے تحریری شکل میں کوئی شہادت نہیں دی لیکن اگر پوچھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پورے اس برصغیر میں اور پھر ایران میں سینکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس سے متاثر ہوئے ہیں، یہ تو عربی، فارسی، اردو کا ذکر کیا گیا۔

میں نے جب مغربی تہذیب کی تنقید کے مطالعہ کا ارادہ کیا، میرے بڑے بھائی صاحب نے جو بڑے مبصر تھے، مجھے انگریزی بھی پڑھوائی تھی، جہاں تک تاریخ، اخلاقیات اور دین کا تعلق ہے، اس میں، میں نے مسلمانوں کے انحطاط، مسلمانوں کے مسند قیادت سے دست کش ہو جانے یا پیچھے ہو جانے سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، اس کا بھی میں نے بالکل ایک

تاریخی، غیر جانبدارانہ، ایک بصیرت اور نقد و تبصرہ کیا جو عربی زبان میں "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے نام سے چھپی، جس کا اردو ترجمہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کے نام سے شائع ہوا۔ عالم عربی میں میری جو کتاب سب سے زیادہ پڑھی گئی اور مقبول ہوئی، وہ یہی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" تھی، اس کے تقریباً پچیس ایڈیشن نکل چکے ہیں، قاہرہ اور دمشق اور کویت میں اور مختلف جگہوں پر اور اردو میں جس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، بعض اردو والوں نے اس کا ذکر کیا کہ جب مجھے کوئی زوردار چیز لکھنی پڑتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ تحریر میں جوش ہو تو پہلے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے چند صفحے پڑھ لیتا ہوں، پھر قلم اٹھاتا ہوں، یہ تاثر اور اثر انگیزی کا معاملہ ہے، جو اس وقت مصر کے اچھے ادبا کو اس وقت نظر آئی، اس بات کی ضرورت ہوئی کہ غیر جانبدارانہ، علمی طریقہ پر اور غیر جذباتی طریقہ پر میں مغربی تہذیب کی کمزوریوں کو دیکھوں اور کیا اس کا Donation ہے، اس نے کیا دنیا کو دیا اور کیا نقصان پہنچایا، اخلاقیات کے پہلو سے، دینیات کے پہلو سے، انسانیت کے پہلو سے، تو میں نے اس وقت فکر یہ کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اس میں مجھے سب سے زیادہ جن کتابوں سے فائدہ ہوا ان میں Collict betweeen Religion- and Science ہے، یہ ڈریپر کی کتاب ہے، اسے میں نے غور سے پڑھا اور اس کے نوٹس لئے، جس میں (مصنف نے) بتایا کہ کلیسا اور سائنس دونوں کے درمیان کشمکش ہوئی، جو کشمکش اور تقابل ہوا اس سے کیا فائدہ پہنچا، کیا نقصان پہنچا اور اس نے کیا اثرات ڈالے مغرب، معاشرہ، مغربی ذہن پر۔ پھر کتاب پڑھی History of European Morals، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یونان کا کیا اثر ہے یورپ پر، یونان نے کیا دیا اور اس میں کیا افراط و تفریط تھی، ان نے دو بہت بڑے Schools of thought تھے، ایک کو رواقی کہتے ہیں اور ایک لذتی، میں جس میں آدمی کو جو اچھا لگے وہی چیز لینی چاہئے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے، یہ لذتی مکتب خیال ہے، رواقی مکتب خیال ہے کہ نہیں جذبات سے کام نہیں لینا چاہئے، وہ کتاب میں اس نے ثابت کیا ہے کہ لذتی انظول نے یورپ پر زیادہ اثر ڈالا ہے، اس وقت یورپ فلسفہ لذتیت کا کاربند نہیں، بلکہ پابند ہے۔

امام ابن تیمیہ کی کتاب میں نے پہلے پڑھی تھی، اس لئے بہت چیزوں کی مجھے تصدیق

ہوئی، انہوں نے ایک بڑے کام کی بات کہی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ایک چیز ہے "نفی" اور ایک ہے "اثبات"۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یونان کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان کے یہاں نفی زیادہ ہے، اثبات کم ہے، حالانکہ ساری عمل، جوش عمل، طاقت اور زندگی ساری دین، عملی محرکات، فعالیت پیدا ہوتی ہے اثبات سے، نفی سے پیدا نہیں ہوتی، قرآن نیا آیا ہے "لیس کمثلہ شئی" "وھو السمیع البصیر" اللہ تعالیٰ کی صریح کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے، لیکن جب اس کی صفت بیان کرتا ہے تو کہتا ہے ھو الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔ اور پھر اس سے پہلے کی جو آیتیں ہیں ۲۲، ۲۳ میں صفتیں بیان کی ہیں کہ القدیر ہے، القدیر ہے اور ان صفتوں کا تعلق انسانی زندگی سے بھی ہے اور کائنات سے بھی ہے، اس سے آدمی میں ایک جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے، جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے، جذبہ عبادت بھی پیدا ہوتا ہے، ایک اطمینان اور سکون قلب پیدا ہوتا ہے کہ میں جس خدا کا پرستار ہوں، وہ بڑا رحمن و رحیم ہے، وہ بڑا حکیم، خبیر ہے، وہ خالق ہے کائنات کا اور قادر ہے ہر چیز پر۔

پھر جس سے فائدہ پہنچا، وہ گبن کی مشہور کتاب ہے Decline and Fall of the Roman Empire اس سے معلوم ہوا کہ رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے کیا غلطیاں ہوئیں، کیا اس میں بیماریاں پیش آئیں اور اس میں ضعف کے سرچشمے کیا تھے، کیوں اتنی بڑی رومۃ الکبریٰ جو دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہی تھی، اس کو زوال ہوا، پھر اس کتاب Makin of Humanity پڑھی، اس میں انسانیت کی تعمیر اور تخریب کی تاریخ پر بحث کی گئی۔

آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ کوئی ان کتابوں کی طرف توجہ کریں، وہاں پر خود فرمائی کریں، جنہوں نے ان کے اندر انقلاب (پیدا) کیا اور کس طرح سے انقلاب (پیدا) کیا؟ اور پھر ایسی منتخب اور مفید کتابوں کے چننے کا مشورہ دیں۔

(ماہنامہ "سیارہ" (لاہور) نے مختلف ارباب علم و ادب سے ان کے ذوق مطالعہ، تصنیف و تالیف اور ذاتی مشاغل و ارتقاء کے حوالے سے ایک مخصوص سوال نامے کے جواب حاصل کئے تھے۔ ذیل میں سوالنامہ اور حوالہ علی میاں کا جواب، جو سیارہ کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۶۵ء سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرتب [1])

سوالنامہ

۱۔ آپ کے اندر ذوق مطالعہ کب، کہاں اور کیونکر متحرک ہوا؟ آغاز کیسے ہوا؟ اس کا نشو و نما کس طرح ہوا؟ کیسا ذہنی ماحول اس میں آپ کیلئے معاون ہوا؟ فطری صلاحیت کا اثر کہاں تک ہوا؟ کون سی شخصیتیں تھیں جنہوں نے آپ کے ذوق مطالعہ کو مہمیز کیا اور اس سفر میں رہنمائی کی؟ آپ کے مطالعہ کے مختلف دور؟ ذوق میں ارتقائی تبدیلیاں؟

۲۔ آپ کے پسندیدہ موضوعات مطالعہ کیا رہے؟

۳۔ آپ اردو کے علاوہ اور کن زبانوں میں مطالعہ کرتے ہیں (انگریزی؟ عربی؟ فارسی؟ بنگلہ؟ ہندی؟ تیلگو؟ سندھی؟ پشتو؟ ہو چی منہ؟ دیگر زبانیں؟)

۴۔ اردو اور انگریزی کو سامنے رکھ کر فرمائیے کہ دونوں میں کس زبان میں آپ کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے؟

۵۔ آپ کے پسندیدہ مصنفین؟ آپ کے پسندیدہ کتابیں؟ آپ کے پسندیدہ رسائل؟ پسندیدہ شعراء؟ پسندیدہ افسانہ نگار؟ پسندیدہ مزاح نویس اور طنز نگار؟

۶۔ آپ اپنی دنیائے مطالعہ میں کسی ایک مصنف کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہیں جس کا آپ کی ذہنی نشوونما پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہو؟ (خصوصاً اردو لکھنے والوں سے)

۷۔ آپ کی نگاہ میں وہ بہترین کتاب یا تحریر جس نے آپ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہو؟ (خصوصاً اردو زبان میں)

---

(۱) حیات و افکار کے چند پہلو، مرتبہ ڈاکٹر غلام نبی خیال صاحب

۹۔ ایسے دو چار مقالات، نظموں یا افسانوں کا ذکر جن سے آپ کی فکری یا عملی زندگی متاثر ہوئی ہو؟

۱۰۔ اردو رسائل کے اب تک چھپنے والے خاص نمبر آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔ آپ کو ان میں سے بہت زیادہ پسند کون سے رہے؟ خصوصاً اگر کسی ایک کو بہترین قرار دینا ہو تو کس کو بھی اچھا ہے۔

۱۱۔ یہ بھی فرمایئے کہ مطالعہ میں آپ کی پسند کے بالمقابل آپ کی "ناپسند" کیا ہے؟ کن چیزوں کے مطالعہ سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہوتی ہے؟ آپ کوئی ایسی نگارش بتائیں جس سے آپ کو نفرت محسوس ہوئی ہو؟

۱۲۔ بالخصوص آپ کے مطالعہ کے اوقات کیا ہوتے ہیں؟ یہ دن رات میں کس طرح بٹتا ہے؟ مطالعہ کی نشست کس طرح کی آپ کو پسند ہے؟ رفتارِ مطالعہ کیا ہوتی ہے؟

۱۳۔ تنہائی اور خموشی آپ کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے یا آپ ہجوم اور شور و شغب میں بھی پڑھ لیتے ہیں؟

۱۴۔ سفر میں آپ نے مطالعہ کا کیا تجربہ کیا؟

۱۵۔ کیا مطالعہ کے دوران آپ کتاب پر نشانات لگاتے ہیں؟ کیا آپ انگ لوٹ یا خلاصہ لکھتے ہیں؟

۱۶۔ آپ کا حافظہ آپ کی وسعت مطالعہ کا ساتھ کہاں تک دیتا ہے؟ کیا آپ کو پڑھی ہوئی کتابوں اور مضامین کے مطالب اور ان کے مصنفین کے نام پوری طرح یاد رہتے ہیں؟

۱۷۔ آپ اپنے مطالعہ، عمل مطالعہ اور وقت مطالعہ میں کیا اپنے گھر کے لوگوں بالخصوص بچوں کو (اگر وہ ہوں) بھی حصہ دار بناتے ہیں؟ بچوں کی تربیت و شوق کیلئے آپ کے تجربات کیا ہیں؟

۱۸۔ کیا آپ کی ذاتی لائبریری ہے؟ اس کا حصہ دار ہو گیا ہے؟ اس میں اہم ترین کتابیں کون سی ہیں؟ خاص خاص کتابوں کو حاصل کرنے کیلئے اگر آپ کو کوئی خاص معرکہ سر کرنا پڑا ہو تو درج فرمایئے۔ نمایاں شخصیتوں کی طرف سے ہدیہ میں آئی

ہوئی کتابیں؟

۱۸۔ کتابیں مستعار دینے اور لینے کے متعلق آپ کے تجربات کیا ہیں اور اس معاملے میں نظریہ و مسلک کیا ہے؟ کیا کچھ واقعات ایسے ہیں کہ بعض اہم کتابوں سے آپ ہاتھ دھو بیٹھے ہوں؟

۱۹۔ آپ ایک اوسط درجہ کے عام تعلیم یافتہ آدمی کو مشورہ دیں کہ وہ موجودہ مصروف زندگی میں مطالعہ کا پروگرام کیسے بنائے اور کتابیں کیسے فراہم کرے؟

۲۰۔ خاص طور پر ادبی مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ عام آدمی کے لئے؟ طلبہ کے لئے؟

۲۱۔ ادبی مطالعہ کیلئے نوجوانوں کو آپ کیا رہنمائی دیتے ہیں کہ وہ کن مصنفین اور کتابوں کو لازماً پڑھیں؟ نیز آپ اردو کے ایسے موجودہ رسائل کی نشاندہی کریں جن کا مطالعہ صحت مند فکر کی نشوونما میں مدد ہو۔

۲۲۔ کیا آپ کسی بہتر اور موثر اسلوب سے لوگوں کو یہ بتا سکتے ہیں کہ صرف تفریحی مطالعہ کافی نہیں، اس کے ساتھ علمی، ادبی اور معلوماتی چیزوں کا مطالعہ ضروری ہے اور پروگرام میں توازن ہونا چاہئے؟

۲۳۔ ڈائجسٹوں کا جو دور ہمارے یہاں شروع ہوا ہے، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ ایک رائے یہ ہے کہ اس طرز کے رسائل انگریزی رسائل کی جگہ لے کر اردو کے حق میں مفید پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ادبی مطالعہ کے راستے میں حائل ہو رہے ہیں۔

۲۴۔ آپ کے سامنے ایک مسلمان معاشرہ ہے اور یہ واضح ہے کہ نوجوانوں کی بڑی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے انقلاب آفریں نظریہ حیات، اس کے ضابطہ و نظام، اس کے تہذیب و تمدن اور اس کی شاندار تاریخ کو جانیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟ کن مصنفین اور کن کتابوں کی طرف رہنمائی دیتے ہیں؟

۲۵۔ کچھ لوگوں کی رائے میں قرآن ناظرہ پڑھنے کے بجائے سمجھ کر پڑھنا چاہئے، طوطے کی طرح رٹنے کا کیا فائدہ؟ آپ کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟

جواب

اس وقت اس حال میں یہاں (نہیں) ہوں کہ دماغ پر زیادہ زور ڈال سکوں یا کوئی مضمون پوری توجہ سے لکھوا سکوں، زیادہ وقت بستر پر پڑے ہوئے گزرتا ہے۔ اس وقت اتفاق آپ کے سوال نامے کا کاغذ نکل آیا اور ایک عزیز نے پڑھ کر سنایا۔ سوالات بڑی زیادتی سے مرتب کیے گئے ہیں اور طبیعت کو اکساتے ہیں۔ دل میں ان کے جواب دینے کی تحریک پیدا ہوئی، طبیعت کے مشورہ کو جو پاسبان عقل ہے، ذرا دبا کر دل کو تھپتھپا کر سونے پر مجبور کرنے کو جی چاہا۔ آپ نے انتخاب کی آزادی دے دی ہے، اس لئے ہلکے پھلکے سوالات کا جواب دے دیتا ہوں وہ بھی مختصر۔

نمبر ۱۔ قدیم شرفاء اور علماء کے دستور کے مطابق اور بعض خاص اسباب کی بناء پر اس سے کچھ زیادہ ہمارے گھر میں وسیع موروثی کتب خانہ تھا۔ دادا صاحب اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہم (حکیم سید فخر الدین مصنف "مہر جہاں تاب" اور سید عبدالحئی مصنف "گل رعنا" و "نزہۃ الخواطر") دونوں بڑے مصنف تھے۔ یہ کتب خانہ کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا جن میں عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کی کتابیں تھیں۔ میرے بڑے بھائی صاحب (ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب مرحوم) بڑے اچھے مربی و ماہر نفسیات تھے، انہوں نے کتابوں سے مانوس کرنے کیلئے اور اس موروثی دولت کی قدر کرنے کیلئے کتابوں کو دھوپ دکھانے اور ان کی حفاظت و پرداخت کے کام میں پہلے شریک کیا، پھر اس کی ذمہ داری ڈالی۔ پرانی کہاوت "کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے" کے مطابق پہلے کتاب و مصنف کا نام پڑھنے، پھر اس کو کہیں کہیں سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس سے کتاب بینی کا جو بہت حد تک موروثی اور فطری تھی، چسکا پڑ گیا اور یہ شوق الت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا۔

نمبر ۲۔ میرے لئے سب سے زیادہ ذوقی اور تفریحی موضوع جس میں کبھی طبیعت پر بار نہیں پڑتا اور جس سے میری نہیں ہوتی تذکرے، تراجم اور سوانح حیات کا موضوع ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دادا صاحب اور والد صاحب بڑے

مؤرخ اور سوانح نگار تھے، اور ان کی زندگی کا بڑا حصہ اس مشغلے میں صرف ہوا۔ اس کے بعد دوسرے درجہ میں ادبیات، خاص طور پر وہ ادبی کتابیں جن میں تکلف، آورد اور صنائع وبدائع نہ ہوں، لیکن کم سے زیادہ نثر کی کتابیں پڑھنے کا ذوق ہے، اور وہ عربی، اردو دونوں میں یکساں ہے۔

نمبر ۳۔ سب سے زیادہ عربی میں، دوسری نمبر پر اردو اور بہت کم انگریزی میں مطالعہ کا اتفاق ہوتا ہے۔ سب سے نظر کمزور ہوئی، انگریزی کا مطالعہ برائے نام سا رہ گیا۔

نمبر ۴۔۵۔ پسندیدہ مصنفین، پسندیدہ تصانیف اور مصنفین کے متعلق میرے مضمون "میری محسن کتابیں" میں خاصا مواد آ گیا ہے۔ مزاحیہ لکھنے والوں میں مجھے پرانے لکھنے والے مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی سب سے زیادہ پسند ہیں، اپٹرس کے بعض اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کے دو مضامین جن میں زیادہ علمیت اور تکلف نہیں ہے، پسند آتے ہیں، تاہم ان کے مضامین کے مجموعوں میں سے "گنج ہائے گراں مایہ" بہت کامیاب اور دل آویز ہے۔

طنز نگار میں مولانا عبدالماجد دریابادی خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر جہاں زیادہ تلخی اور تیزی نہیں ہوتی۔ یہ احتیاط مولانا آزاد کے یہاں زیادہ ہے اور ان کے ادب کے وہ حصے اگرچہ کم ہیں لیکن (میں) بہت لطیف اور سبک۔

نمبر ۶۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس کی ابتداء میں ندوۃ العلماء کی تحریک سے تعلق رکھنے والوں کی تصنیفات و تحریریں زیادہ پڑھیں، اس لئے ان کا اثر زیادہ ہے۔ اردو انشاء اور نثر نگاری میں شاید سب سے زیادہ براہ راست اثر خود اپنے والد صاحب کا پڑا، خصوصاً ان کی کتاب "یادایام" اور "گل رعنا" کا، دوسرے نمبر پر مولانا شبلی کا۔

نمبر ۷۔۸۔ کے جوابات بھی میرے مذکورہ بالا مضمون سے مل سکتے ہیں۔

نمبر ۹۔ اردو رسائل کے خاص نمبر تو بہت زیادہ دیکھے اور نہ اس وقت ذہن میں محفوظ ہیں لیکن اپنے ذوق اور حالات کے لحاظ سے "الفرقان" کا "عید نمبر" اور "شاہ ولی اللہ نمبر" زیادہ دلچسپی سے پڑھے۔

نمبر ۱۰۔ وہ کتابیں جن کو پڑھنے کا اعادہ ہے، ان کی تعداد بہت کم ہے، ان کے بعض اجزاء کے چند صفحات

کا پڑھنا بھی میرے لیے دشوار ہے، وہ تین طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک مناظرہ اور تردید کی کتابیں، دوسرے خشک فلسفیانہ مباحث یا وحدۃ الوجود و غیرہ اور فلسفہ اخلاق کی مسموم کتابیں، تیسرے قادیانی لٹریچر جو حسن انشاء، حلاوت تحریر اور مغز فکر سے یکسر خالی ہے۔

نمبر ۱۱۔ چوں کہ میری تحریر و تصنیف کا وقت صبح کو ناشتہ کرا دینے کے بعد سے ظہر تک ہے، میں اس وقت تک کوئی شدید ذہنی مشغولیت اور معاصرہ میں ظہر کے وقت تک نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ سیاسیات میں سے کسی دوسرے وقت میں تصنیفی کام نہیں لیا گیا، اس لئے پڑھنے کا وقت ظہر سے عصر تک اور مغرب میں تقریباً ان گھنٹے اور آرام کرنے کے علاوہ رات کا پڑھنا نظر کی کمزوری کی وجہ سے تقریباً بند ہے، بالکل بند ہے سوائے اس زمانہ کے جس میں دارالعلوم کے اندر حدیث کا کوئی درس اپنے ذمہ لے لیتا تھا، اس کے لیے بہت مطالعہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ لکھنے کا کام نہیں ہوتا، پڑھنے کیلئے مراجعت ضرورت ہوتی ہے تو ظہر کے بعد یا عشاء کا وقت بھی مطالعہ ہی میں صرف ہو جاتا ہے۔

میں میز کرسی پر بیٹھ کر لکھنے کا کبھی عادی نہیں رہا، ہمیشہ زمین پر اس طرح لکھتا ہوں جس طرح آپ نے کاپی لی ہے، اس کو لکھتے رہنا چاہیے۔

رفتار مطالعہ عام طور پر سست ہے، بصیرت و ذہانت کے ساتھ پڑھنے پر قوت نہیں ہوتی لیکن وہ کتابیں یا وہ اقتصار مضمون اور مضمون کی نوعیت پر ہے، ذہنی اور تاریخی چیزیں تیز رفتاری سے پڑھتا ہوں اور بعض مباحث میں بہت رفتار کی وجہ سے فکر کرتا ہوں۔

نمبر ۱۲۔ عدم تعاون پر شورش اور فسادات دونوں کی موجودگی میں میرے مطالعہ میں بعض اوقات نکھٹے میں بھی کوئی خلل نہیں پڑتا اور شاید بعض لوگوں کیلئے یہ بات ہو، البتہ جب وہ بعض اوقات اس سے ہو جاتی ہے میں نے بعض اہم مضامین اور کتابیں تحریک کے مسافروں سے بھرے ہوئے ترین کے ڈبے میں لکھی ہیں جب

طبیعت میں روانی پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے آپ لکھنے کا لطف اور مضامین وخیالات کی چوٹیاں ریلنگتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں تو شور و ہنگامہ اس میں حائل نہیں ہوتا لیکن جب ایسی کیفیت نہ ہو اور طبعی بندوبست علامہ ہوتی ہو تو تنہائی اور خاموشی کی تلاش ہوتی ہے۔

نمبر ۱۳ جب سے زمانہ قدیم اور دور حاضر کی مشغولیتیں اور ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں کسی کی کتاب کے مطالعہ کا زیادہ تر موقع سفر ہی میں ملتا ہے جو ہمیشہ پیش آتے ہیں اور اس حالت سے سفر میں بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ صحت کی لئاہیں اکثر سفر میں ہی ختم ہوتی ہیں۔

نمبر ۱۴ کتابوں پر نشان لگانے کی عادت بہت پرانی ہے اور میں نے اپنے استاد اور بزرگ مولانا مظہر صاحب اپنے سابق استاد اور فضل کریم سے سیکھی ہے لیکن نشان ہوئی عیادت سے سرخ پنسل سے لگاتا ہوں اگر کاغذ کی رقت زیادہ تیز ہوتی ہے تو اس کے ظہور کے لئے روشنائی ہوں تاکہ نشان کتاب میں بدنمائی پیدا نہ کرے۔ حاشیے میں اپنی رائے بہت خوش خط لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بعض اوقات وہ قلم اپنے نوائی چھپے ہوئے نظر آتی ہیں ان نشانوں اور حواشی سے کتاب کے دوبارہ پڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور اس کے بہترین حصے تصویر کی طرح سامنے آجاتے ہیں۔

نمبر ۱۵ میرا حافظہ خاندانی طور پر کمزور ہے لیکن اپنے ذوقی مضامین میں حافظہ زیادہ رفاقت اور وفاداری کا ثبوت دیتا ہے۔ غیر ذوقی مضامین میں سے بہت کم میرے خیال میں حافظہ کا یہ تعلق ذوق پسندیدگی سے بھی ہے۔

نمبر ۱۶ اپنی پسندیدہ چیزوں میں دوستوں اور عزیزوں کو شریک کرنا ایک فطری امر ہے اور شاید یہ میرے اندر بہت سے لوگوں سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ مجھے اپنے بزرگوں کی اس عادت سے خود بھی فائدہ پہنچا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے عزیزوں اور اہل مجلس کے لئے بھی یہ بات کسی قدر مفید ہوگی۔

نمبر ۷ ہم دونوں بھائیوں کا ایک بڑا وسیع اور متنوع کتب خانہ وراثت میں مل گیا

پشتوں اور ایک علمی زندان کا اندوختہ ورثہ کر گیا ہے۔ لیکن نئی موجودگی میں بھی اپنے ذاتی و ضروریات کی کتابیں خریدنے کا شوق بچپن سے ہے۔ اور اس سلسلے میں بچپن کے واقعات کسی حد تک مضحک اور کسی حد تک سبق آموز ہیں۔ اس شوق کا آغاز اس عمر سے ہوتا ہے جس عمر میں عام طور پر بچوں کو کھلونوں اور مٹھائیوں کے خریدنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ ذوق اور رقبت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس شوق میں بھی اصلاح و ترقی ہوتی گئی چنانچہ خود اپنی خریدی ہوئی اور صبح و شام سے منگوائی ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو اگرچہ زیادہ وسیع نہیں ہے مگر منتخب ہے۔ اس میں زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جن کی حیثیت کسی موضوع پر چھوٹے سے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جو اپنے موضوع پر خود ایک چھوٹے سے کتب خانے کا کام دیتی ہے۔ چونکہ شروع سے میرا دل ادب اور انشاء کا دلدادہ ہے اس لئے ان میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن کی کوئی علمی و فکری اہمیت نہیں ہے مثلاً غالب کا خلاصہ اور اردو کے مضامین کے مجموعے۔ اس منتخب ذخیرے میں "دیوان غالب" مثنوی، کی کلیہ "مرآۃ الحیرت" کلام اقبال اور "گلستان بوستان" بھی ہے۔

بعض دفعہ مصر و شام کی کسی نئی چھپی ہوئی کتاب کے حصول کیلئے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو لکھنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایک کتاب جس کی قیمت آٹھ دس روپے سے زائد نہیں کسی تصنیف کے سلسلے میں ہوائی ڈاک سے منگوانی پڑتی ہے اور وہ بیچارہ سر دھنتا رہ جاتا ہے۔

اسلامی فکر عرب مصنفین اکثر اپنی تصنیفات از راہ کرم ہدیہ بھیجتے ہیں اکثر سفروں میں علمی ہدیایا اور مصنفین کی تحفوں سے مزید ہو کر لوٹے ہیں جو اس ذاتی کتب خانہ کی زینت ہیں۔

نمبر ۱۸۔ کتابیں مستعار دینے میں بڑے تلخ تجربے ہوئے ہیں اس سلسلے میں اچھے اچھے اہل علم کی بے احتیاطی تشویش و صدمہ کا موجب ہوئی ہے بعض مرتبہ مستعار لینے والے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور مستعار دینے والا نہیں جانتا ہے کہ کتاب کس کو دی

تھی۔ میرے ساتھ یہ المیہ بہت پیش آیا ہے اس سے کتاب لیا ہے کہ مستعار لینے والا کتاب بے احتیاطی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کتاب پر دھبے اور نشان پڑ جاتے ہیں ورق پھٹ جاتے ہیں۔ بعض اوقات ستم ظریف اس پر اپنے حواشی اور تاثرات ثبت کر دیتے ہیں اور کتاب کی صورت سے اتنا پائی ہے، لگتے دو صورتیں ایک کتاب سے اس لئے دلچسپی ہوا پڑھ کر اس پر دھبے پڑ گئے تھے یا حواشی نے اس کی رونق اور وقعت ختم کر دی تھی۔ اس سلسلے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں شروع سے کتاب کے بارے میں بہت زیادہ حساس پسند اور دقیق اس واقع ہوں ہوں کتاب پڑھنے کے دھبے یا کسی پڑھنے والے کا حاشیہ آرائی تھے کتاب سے زیادہ سے محروم کر دیتی ہے۔ اور بعض اوقات مستعار دینے والے بھی دلفگار ہو جاتے ہیں کہ کتاب بھی سے واپس نہیں آتی۔

نمبر ۱۹۔ میرے نزدیک بنیادی مطالعہ کی اہمیت بہت ہے نوش قسمتی سے جن لوگوں کو ابتدا میں اچھی ادبی کتابوں کے مطالعہ کا موقع مل جاتا ہے۔ ان کا ادبی ذوق کی حد تک بن جاتا ہے۔ یا ان کے تعدد ادبیت نے بڑا شعور پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ خواہ فلسفہ کا موضوع اختیار کریں یا ادبیات کا میدان۔ ان کی تحریر میں شگفتگی اور شیرینی پائی جاتی ہے۔ اور وہ زیادہ کامیاب مصنف ثابت ہوتے ہیں میرے نزدیک ہر شعبے میں کسی نہ کسی قدر ادبی مطالعے کا عنصر شامل رہنا چاہئے۔

نمبر ۲۰-۲۱۔ ادبی مطالعہ اور تحریروں کی مشق کیلئے اس وقت دو ان دو مولانا شبلی مولانا ابوالکلام آزاد مولانا سلیمان ندوی مولانا آزاد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مولانا عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر سید عابد حسین۔ چودھری محمد حسن صاحب مرزا مشاہد حسین عبدالرحمن ندوی کی کتابوں کی تحریر میں ضرور پڑھنا چاہئے۔ اس سے زیادہ ادبی ذوق اور زبان کی واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہو تو پھر کچھ تجدید نہیں۔ مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور خاص اودھ کی بھی پڑھنا چاہئے۔ یہ نامور تحریر کی پختگی، شگفتگی اور زبان کی صحت کے لحاظ سے پیش کئے گئے ہیں۔ کسی مخصوص خیال

والنکار یہاں بحث نہیں ہے یہاں بحث نہیں۔

نمبر ۲۲- محض تقریظی ادب کے مطالعہ سے ذہن میں سطحیت، علم اور فکر میں پستی، فکری اور معلومات میں تنگی مائیگی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور ایسا آدمی کوئی وقیع اور موثر کام نہیں کرسکتا۔ تقریظی ادب کا بھی حصہ ہونا چاہئے جو تکمیلیات اور اکتسابی ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس سے کہیں زیادہ فلسفیانہ اور تحلیلی مباحث کا مطالعہ بھی ذہن میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ اور اس کا کچھ نہ کچھ حصہ بھی شامل رہنا چاہئے۔

نمبر ۲۳- اردو انجمنوں کا سلسلہ مفید اور ہمت افزائی کا مستحق ہے لیکن اس میں سخت محنت اور حسن انتخاب کی ضرورت ہے۔ اردو کی ترقی و ترقی کیلئے یہ سلسلہ یقیناً مفید ثابت ہوتا۔ ان میں اگر ادبی عنصر کا اضافہ اور ادبی شخصیات اور کلاسیکل ادب کے تعارف کا سلسلہ بھی شروع کردیا جاتا ہے۔ اور دوشوق انگریز اور مطالعہ کے لئے میسر ہوتا اس سے یہ خطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ کہ کوئی قدیم مستند ادب سے بے تعلق ہوجائیں گے۔

نمبر ۲۴- اس سلسلہ میں دارالمصنفین ندوۃ المصنفین، سراج پبلی کیشنز اقبال اکیڈمی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام جیسے اداروں کی مطبوعات کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس سلسلہ میں تواضع اور انکسار کو برطرف رکھ کر "تاریخ دعوت وعزیمت" کے سلسلے کے مطالعہ کا مشورہ بھی دوں گا۔

نمبر ۲۵- میرے نزدیک ابتداء میں ناظرہ قرآن مجید پڑھنا بہت ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ماہرین تعلیم کی رائے کے مطابق تھوڑی سی اردو پڑھا کر قرآن شریف کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔ عام دستور کے مطابق قرآن مجید ختم سے ابتداء کرانا زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال مجھے اس رائے سے بالکل اتفاق نہیں ہے کہ سمجھ کر قرآن مجید کی استعداد پیدا ہونے کے انتظار میں ناظرہ پڑھانے کو بالکل موقوف رکھا جائے۔ ناظرہ قرآن شریف پڑھنا اور محض تلاوت خود ایک بڑی عبادت اور ایک امر مقصود ہے۔ سمجھ کر پڑھنا یہ ایک الگ کام اور ضرورت ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہے۔

مولانا فضل محمد (م ۱۹۸۱ء) مہتمم مدرسہ قاسم العلوم قصبہ والی ضلع بہاول نگر دینی تعلیم کے مروجہ نصاب میں ترمیم کرتے ہوئے اپنے مدرسے کے لئے ایک نیا نصاب مرتب کرنا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے تقسیم ہند سے کچھ پہلے مشاہیر وقت کو ایک سوالنامہ ارسال کر کے ان کی رائے طلب کی تھی، سوالنامہ ملی۔ میاں نے مختصراً اپنی رائے کا اظہار خط کی صورت میں کیا، خط سے پہلے مرسلہ سوالنامے پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ مرتب[1]

سوال نامہ

سوال نمبر 1۔ "علوم مقصودہ" تفسیر حدیث فقہ میں کون کون سی کتابیں رکھی جائیں جن سے کم از کم وقت میں اچھا اور زیادہ کام لیا جا سکے۔

2- ترجمہ قرآن شریف کے بعد تفسیر میں "جلالین" کے علاوہ کوئی دوسری مستقل تفسیر بھی تجویز کی جائے "تفسیر مظہری" یا "تفسیر جواہری طنطاوی" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

"دورۂ حدیث" سے پہلے حدیث مشکوٰۃ شریف کے علاوہ اور کیا کتاب رکھی جائے جو حذف مکررات کے بعد صحاح ستہ کو حاوی ہو۔ جمع الفوائد اور تیسیر الوصول کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فقہ کی مجوزہ کتب میں فتویٰ نویسی کی رعایت سے بھی کتاب ضروری رکھی جائے۔

3- اصول تفسیر، اصول حدیث "الفوز الکبیر" "نخبۃ الفکر" کے علاوہ اور کیا کتاب رکھی جائے خیر الاصول اور مولانا عبدالحق دہلوی کے رسالہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

4- "علوم آلیہ" ادب، کلام، حاشیہ، مناظرہ، فلسفہ، ہیئت، میراث، صرف، نحو۔ میں کیا کیا کتابیں رکھی جائیں۔ جو بقدر ضرورت استعداد کو حاوی ہوں نیز وقت میں بحیثیت انفرادی "علوم مقصودہ" سے زائد نہ ہو، طریق مطالعہ و تعلیم کی وضاحت کی جائے۔ درستگی اخلاق و صلاح باطنی و ظاہری کا لحاظ بھی ضروری رکھا جائے۔

5- فلسفہ جدید، منطق جدید، مباحث جدید علم کلام، تاریخ، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات، علم النفسیات وغیرہ علوم عصریہ بھی آپ کے نزدیک داخل نصاب ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو

---

(1) [illegible]

کون کون سی ہیں اور کس حد تک کتابیں کیا کیا رکھی جائیں۔ طریق تعلیم و مطالعہ کیا ہوں حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ اکابر کی کتابوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ مناظرہ کے بارے میں موجودہ ضروریات مثلاً عراقیت، خاکہ مادیت، بہائیت، وہابیت کی تردید و معلومات کیلئے مناسب کتب کی تجویز کی ضرورت ہے؟

6- وعظی مناظروں اور تقریروں کے بجائے اگر طلبہ کو عملی طور پر تبلیغ میں شرکت کا موقع دیا جائے۔ جس سے قوم کے صحیح امراض، اعتقادات و رجحانات کے اندازہ کا موقع بھی ملتا رہے گا اور پھیلی ہوئی رسموں پر صحیح نشتر زنی مشکل بھی قدرے آسان ہو جائے گی۔ کیا یہ طلباء کیلئے عملی تمرین ٹریننگ ہوگی۔ اس میں آپ کیا کہتے ہیں؟

7- ابتدائی تعلیم کیلئے نصاب و مدت کی ضرورت ہے۔

(۱) داخلہ کیلئے معیار عمر اور علم کیا رکھا جائے اور مدت تعلیم کتنی ہو

(۲) اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کو بھی معیار قرار دیا جائے یا بالتخصیص سب کو ایک طرف داخل کر لیا جائے۔

(۳) دینیات کی تعلیم کا قدیم مروجہ طریقہ زیادہ مفید ہے کہ مثلاً اول قرآن مجید کی تعلیم مکمل کرلی جائے بعد ازاں اردو، فارسی وغیرہ شروع کرائی جائیں یا جدید طرز طریقہ تعلیم زیادہ بہتر ہے مثلاً دینیات، اردو، فارسی قرآن شریف سب کے ساتھ ساتھ مقرر کر دیئے جائیں۔ سب مضامین ایک ہی معلم کے متعلق ہوں۔ یا مختلف اساتذہ کے پاس ہونے چاہئیں۔ پہلی قدیم صورت میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور ثانی جدید صورت کے متعلقہ مضامین ناقص اور نامکمل رہ جاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس کے ازالہ کی کیا صورت ہے۔

(۴) قرآن شریف، ناظرہ و حفظ، اردو، حساب، جغرافیہ وغیرہ کے مضامین کی مدت تعلیم کیا رکھی جائے۔

(۵) اوران کا نصاب کیا مقرر کیا جائے۔

(۶) معلم کے اوصاف ضروریہ کی تشریح فرمائی جائے۔

(۷) عملی تربیت کیلئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے۔ اور ورزش کے لئے کون کون سے کھیل رکھے جائیں۔

حضرت مولانا فضل محمود مفتی قدس سرہ متوفی ۱۹۸۱ء سابق مہتمم مدرسہ قاسم العلوم قاسمیہ
ان بطل جلیل نے اپنی قلیم کے مرحلہ نصاب تعلیم میں ترمیم کرتے ہوئے اپنے
مدرسہ کے لئے ایک نیا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے سلسلے میں جو خط دار العلی میاں
کو ارسال کیا تھا، جس میں انہوں نے مولانا علی میاں سے ان کی رائے طلب کی تھی تو
مولانا علی میاں نے مختصر اپنی رائے کا تحریر اس خط کے جواب میں لکھ دیا تھا۔

از: حضرت شاہ نعم اللہ نقشبندی
رائے بریلی (ہندوستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ آپ کے مدرسہ اور آپ کی مساعی سے اخلاص و قدر و محبت تھی
جن مقاصد و خصوصیات کے ساتھ آپ کو مدرسہ چلانا چاہئے۔ وہ وقت کی اہم ضرورت ہے مگر
افسوس ہے کہ حضرات علماء اس میں سب سے زیادہ بے استعمالی برت رہے ہیں۔ جس کی
وجہ سے مجھے شدید خطرہ ہے کہ مستقبل میں ہندوستان میں اپنی تعلیم باقی نہ رہ سکے گی یا نہیں۔

میں نے رسالہ "الفرقان" اور "الندوہ" موسوم بہ "اسلام کے قلعہ" کی عنوان سے، تحت
اپنے خیالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اگر کہیں سے آپ کو یہ پرچے نہیں تو ضرور ملاحظہ
فرمائیں۔

آپ نے جو سوالات قائم ہیں ان کی جوابات کچھ تفصیل اور وقت چاہتے ہیں۔ اگر اس کا
انتظار کیا جائے۔ تو معلوم نہیں کب اس کی نوبت آئے۔ اس لئے مختصر عرض کر دیتا ہوں نیز
بلا تکلف ہر سوال کے جواب کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ جو میرا موضوع نہیں اور اس سلسلے میں میری
کوئی نظر اور علمی تجربہ نہیں اس کو اصحاب نظر پر محمول کریں گے۔

جواب نمبر ۔ علوم متداولہ کی تفسیر و حدیث و فقہ میں کتابوں میں اتنی تبدیلی اور اضافے کی
ضرورت نہیں ہے جتنی طرز تعلیم، مطالعہ اور استعداد آفرینی کے خاطر سے ضرورت ہے
ہمارے مدارس میں ان فنون میں جو مستند قدیم کتابیں داخل ہیں ان سے استغنا مشکل
ہے اور ان کا بدل بھی آسان نہیں لیکن طرز تعلیم کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

[illegible] ... [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible] ... [illegible]

زبان میں مشق واستعداد فی صول پر ہوں مصر کا مصنف "اقرأ واصنع" اور اسکے اردو ترجمہ "تمرین انشا" ملاحظہ ہو مدرسین مدارس عربیہ اور استعداد اور اجتہاد ہوں جو اپنے فن کو دلچسپ اور سہل کرسکیں۔

ادب سے پہلے زبان کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ ابتدائی درجوں کیلئے "اقرب الموارد" (مولانا محمد تائم صاحب ندوی، استاذ دارالعلوم ندوہ) "قصص النبیین لاطفال" (۳ر۲، از کاتب الحروف، الفرقان لکھنؤ) زیر تجویز اختیار کرنی چاہئیں عربی زبان کی تعلیم دراصل ہمارے مدارس میں نہیں ہوتی ہے اس لیئے نو وعربی عربی ممالک میں بھی شاید اس سے بہتر نصاب تیار نہ ہو۔

ادب کیلئے مختارات من ادب العرب (مطبوعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء) سورس کتاب ہے۔ مکتبۃ التعاون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں۔ التربیۃ العربیۃ (مولفہ مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم) بھی قابل استفادہ ہیں۔

کلام کی تعلیم کیلئے قدیم کتابیں شذا العرف، مفید ہیں صرف نحو کافی بلکہ صفر ہیں دراصل اس کی از سر نو تدوین وترتیب کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک کوئی شایان شان کتاب نہ ہو یہ ضمائم تو آسان از راقم سطور، "رسالہ اہل سنت" از مولانا سلیمان ندوی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مطالعہ کیلئے "مذہب وعقلیت" از مولانا عبدالباری ندوی، "مذہب وتمدن" از راقم السطور، "خطبات" "تعلیمات" از سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سفارش کی جاسکتی ہے۔ یہ سب علم کلام سے متعلق ایک نظریہ پر مبنی ہیں جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں بھی ملاقات ہو تو عرض کیا جاسکتا ہے۔ فلسفہ کا بھی مجمل جواب اوپر آگیا ہے۔ ان تمام عناوین کیلئے نئی کتابوں کی ترتیب کی ضرورت ہے۔ اور اس کا سامان نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کام لیا جائے تو ایک متوسط درجہ کیلئے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

شاہ صاحب کی کتابوں میں رسالہ "انصاف" اور اکمل درس، حدیث کیلئے چشم کشا، بصیرت افروز اور معتدل آفریں ہوگا۔ باقی "ازالۃ الخفاء" کے مطالعہ کے تشویش وترغیب ہو۔ "حجۃ اللہ البالغہ" (پانچ) کتاب ہے۔ اگر استعداد ہو تو اس کے منتخب ابواب پڑھائے جائیں۔

نمبر 6۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات (اسلامک اسٹڈیز) نے مورخہ ۱۲ تا ۱۵ فروری ۱۹۷۲ء کو ایک انتظامی کانفرنس منعقد کی تھی جس کے افتتاح کے موقع پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذي ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا

مہارت اور اختصاص ضروری ہے:

حضرات! میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس علمی مجلس کے افتتاح کے موقع پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ اب اس کے آخری نشست کے اختتام پر بھی مجھے تقریر کا موقع دیا ہے۔ آغاز و اختتام میں خاص مدت ہے میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کے لئے دل سے شکر گزار ہوں۔ مجھے بڑی مسرت ہے کہ علوم اسلامیہ اور دینی موضوعات سے پچھ عرصہ سے عصری دانش گاہوں کے فضلاء بھی دلچسپی لینے لگے ہیں اور یہ سمینار اس کی دلیل ہے۔ اب علوم اسلامیہ کے ایک خادم اور میدان تحقیق کے پرانے مسافر کو اقبال کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ

؎ جسے دن کہ تجھ تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں

• مانی صلاحیتوں کا خزانہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہیں ہے۔ کبھی مرکوز رہا ہے اور نہ کبھی مرکوز ہو سکتا ہے اور ایسا ہونا کچھ اچھا بھی نہیں۔ اس طبقہ کے لئے خوشخبری ہے قلبی ہی دانش و افتخار کی ہو لیکن انسانیت کے حق میں یہ کوئی بہتر نہیں ہے کہ انسانی ذہانتوں کا خزانہ اور نشتوں کا ذخیرہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز ہو کر رہ جائے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں

حاضرین کا کوئی تعلق اور دلی لگاؤ ہوتا ہے فکری اور تاریخ بلکہ قبلی مکتبی دنیا میں ملتا ہے اس کا دنیائے اسلام میں نہیں وجود نہیں مگر دور سے بعض اہل قلم مصنفین کی تحریروں میں کچھ ایسی تعبیرات اور الفاظ آتے ہیں تو ہے ہو پتے سمجھے یا مغرب کی تقلید میں مثلاً اس وقت عرب مسیحیوں کے یہاں "رجال الدین" کا ایک لفظ مستعمل ہوتا ہے جو تقریباً ایسی معنی میں ہے جو مسیحی دنیا میں پریسٹ ہوڈ کیلئے استعمال ہوتا تھا اس لفظ کو مسلمین جو اسلام کی تاریخ اور تاریخ فکر کی ترجمانی کرتا چاہتے ہیں ان لفظوں سے بہت احتراز کیا ہے مگر مین علماء اسلامیہ کی طرف عصری دانش گاہوں کے فضلاء کی توجہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہ اضافہ کروں گا کہ کلیسائی اور پریسٹ ہڈ اسلام میں نہیں ہے لیکن یکسپرٹ اپنی مسلمہ ماہرین فن اور اصحاب التخصص کا وجود ہمیشہ رہا ہے اور یہ ایک علمی حقیقت ہے اس لئے کہ علوم بڑھتے پھیلتے ہیں اور ان میں اتنا تنوع اور وسعت پیدا ہوتی ہے کہ ایک فرد کے لئے ہر دور میں ہر علم پر مکمل ہے چہ جائیکہ ہر علم میں ترقی اس وقت شروع ہوئی ہے جب سے تعلیم کار کے اصول پر عمل کیا گیا اور ہر علم کے الگ الگ شعبے تقسیم ہو گئے اور اس کی کوشش مغربی فضلاء نے چھوڑی کہ وہ تمام علوم میں اتھارٹی اور حکم کا درجہ حاصل کریں جہاں تک مجھے علم ہے یورپ میں اب بھی اس اصول کا حتمی مشرق سے زیادہ رواج پایا جاتا ہے وہاں کے بعض فضلاء جن کی بعض اوقات اس علم کے بعید متعلقات کے تحقیق بھی کی شرم و ندامت کے محسوس کئے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس دقت تعلیم کرتے ہوئے ہمیں اس کو اصول کے تحت تقسیم کر لینا چاہیے کہ ہماری آئندہ نسلیں اور دماغی علمی اور تفصیلی ہر ریسرچ کی خاص موضوع پائیں گے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں آپ کے اس ادارہ کی اس مجلس سے نمائندہ اٹھائے ہوئے ہوں آپ کے سامنے چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں آپ اس کو کسی تعریض پر محمول نہ فرمائیں پہلی بات جسے میں محسوس کرتا ہوں اور آپ میں سے بہت کو محسوس کرتے ہوں گے بہت سے سینئر اساتذہ یہاں موجود ہیں جن کے ۳۰-۳۵ برس اس محترم دری میں گزرے ہوں گے کہ علم و تحقیق کا معیار روز بروز گھٹتا جا رہا ہے مجھے یورپ کے ملکوں میں بھی اس کا احساس ہوا اور میں نے بعض فضلاء سے بھی سنا ہوں گی اور مثل ازاں کہ جہاں تک تعلق ہے اعلیٰ

مشرقی مباحث لکھنے کا اس کا معیار فروتر ہو گیا ہے اور وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ مقتی محمد اور جیسا عشق اورنٹیل ٹرننگ کالج کے فضلاء میں تھی اس میں کمی ہے اس کے پیچھے بہت سے عوامل کام کرتے ہیں' کچھ سیاسی ہیں کچھ معاشی ہیں۔

استشراق کی ترقی کا راز

ہر علم کے پیچھے بعض بہت طاقتور محرکات ہوتے ہیں ان عوامل و محرکات نے اورینٹل ازم کو ایک زمانہ میں چوٹی پر پہنچا دیا تھا' فرانس' ہالینڈ اور یہ اکنا مکس کے چند دائروں کو چھوڑ کر جہاں تک علمی اور نظری مباحث کا تعلق ہے' اورینٹل ازم کو یورپ میں اعتبار حاصل تھا' مستشرقین اور ان کی کتابوں کی جس طرح قدر ہوتی تھی وہ علم ماوراء کو حاصل تھی' یہاں تک کہ ادبیات اور لسانیات کے علوم کو بھی شاید وہ وجہ نہیں دیا جاتا تھا اس کے پیچھے ایک بہت بڑا عامل کام کر رہا تھا' تمام کو خوشی ہونی چاہیے کہ اب وہ باقی نہیں رہا' وہ تھا استعمار' مشرق کے سب سے زیادہ سرسبز و شاداب ممالک بدقسمتی یا خوش سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے ان پر مغرب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔

استعماری قوتوں کو آبادیاں قائم کرنا چاہتا تھا' اس لئے وہاں کے قومی مزاج اور خصوصیات اور ان کی خوبیوں سے زیادہ کمزوریوں سے واقف ہونے کی ضرورت تھی' اس لئے مستشرقین ایک ہراول دستہ کا کام کرتے تھے' ان کے پیچھے حکومتوں کی سرپرستی تھی' بڑے بڑے فنڈ اور بڑے بڑے ادارے تھے اور ان کا اکرام بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے دربار میں بھی ہوتا تھا' یہ عرصہ ہوا گزد پڑ گیا ہے۔

دوسرا معاشی عامل تھا' اس پر بھی کچھ اثر پڑا ہے' معاشی دھانچہ میں ایسی تبدیلیاں ہوئیں ہیں کہ اب وہ انعام ملنا مشکل ہیں جو پہلے ملتا تھا۔

علم کا عشق

تیسری چیز جو زیادہ توجہ کے قابل ہے' اور اس کو میں اصل سمجھتا ہوں وہ ہے 'علم کا عشق' جو ہماری پچھلی نسل میں تھا' ایک لگن اور خود فراموشی کی کیفیت جو اس عہد میں تصنیفی اور تحقیقی کام کرنے والوں پر طاری رہتی تھی۔

[illegible] بات کسی خاص [illegible] کو دیکھ کر [illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں

ماضی قریب کی علمی شخصیتیں

سیرت کے خاص خاص اپنے ان دشمنوں سے بھی ہم کو کچھ کہنا ہے جو اسلام کے متعلق کے امور پر عرض رہتا ہوں کہ مولانا شبلی نے کتب خانہ اسکندریہ پر لکھنے کی شہرت محمود کی ایک زندہ تھا اب بندہ ان میں مشترک دلائل ہوں میں پڑھنے والے مسلمان علماء کو چھانے کے لیے صرف یہ بتا دینا کافی تھا "اچھا آپ کی دلیل اس باب سے تعلق رکھتے ہیں اس کے خلیفہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا تھا" اگر وہ دلیل موجود ہیں جنہوں نے وہ بات پیدا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے وہ نہیں پڑھا تھا بلکہ سنا پڑھا تھا اور وہ لکھیں نہیں تھا کتے تھے کہ ہمیں کہا گیا ہے اب ہم ایک پتلی ہوئی کہانی تھی کہ حضرت عمرؓ کے حضرت عمرؓ کہا گیا اور یہاں ایک کتب خانہ ہے جو تھیں اسلام سے پہلے کا ہے اس میں قدیم علوم کی اور مختلفوں کی کتابیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو اس کی ضرورت نہیں اگر خلاف ہیں تو اس کو آگ لگا دینی چاہیے چنانچہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قرآن کے خلاف ہیں اور نظر پڑھتے کتب خانے کو آگ لگا دی یہ ایک کہانی تھی جس کو تاریخ بلی جیسا مورخ نقل کر جاتا ہے تاریخ بلی نے جب رسم الخط کی تبدیلی اور زبان اردو کی اصلاح پر تبصرہ کیا تو اس نے کہا اب کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کی ضرورت نہیں صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس پر قلم اٹھایا اور اس افسانہ کو آخری ضرب لگا دی کہ اب تک جو پڑھے لکھے کوئی بات غریب نہیں رہتی کہ یہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ نے زمانہ خلافت میں ان کے حکم سے جلا دیا گیا انہوں نے قدیم مورخین کی پشت سے ثابت کر دیا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے ہی جل چکا تھا اس کا نشان وجود باقی نہیں تھا مگر انہوں نے تعزیہ کے مضمون پر قلم اٹھایا تو اس بحث میں مختصر دیا انہوں نے "شہر آلام" لکھی تو اہل ذوق و قارئین نے اس سے اپنا دامن بچا لیا پروفیسر براؤن جن کی کتاب "تاریخ ادبیات ایران" اپنے موضوع پر (Gospel) کا مقام رکھتی ہے دیا کی کہانی کو پڑھ لیا تو انہوں نے اس میں داخل تھی) نے کہا کہ لکھنے اب اردو لکھنے کی تمنا پیدا ہوئی ہے تو اس لئے کہ میں براہ راست "شہر آلام" کا مطالعہ کر سکوں یہ سب کی جھی شگفت بھی استغراق کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں پر طاری تھا۔

۱۰۔ یہ ہیں ندوی جن کا اصل موضوع قرآن مجید سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام

تھا انہوں نے "عمر خیام" پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی واشنگٹن ایران نے بھی داد دی اسی طرح ان کی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" محنت و کاوش اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

میں اس موقع پر "نزہۃ الخواطر" کا بھی ذکر کروں گا جو میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی تصنیف ہے اور عربی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار مشاہیر اور اہل کمال کے تذکرے ہیں انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں اس کام کا بیڑا اٹھایا جب عربی مطابع کا رواج اور اشاعت کی سہولتیں نہیں تھیں تقریباً ۱۵ سال وہ اس کام میں مشغول رہے اس وقت یورپ میں بھی یہ کتاب ہندوستانی علماء و فضلاء کے حالات معلوم کرنے کا سب سے بڑا ماخذ ہے اسی طرح ان کی دوسری کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" جو ہندوستان میں علوم الاسلامیہ اور انصاب درس کی تاریخ اور ہندوستانی علماء کی تصنیفات کی مکمل ڈائرکٹری ہے اس کتاب کو دمشق کی رائل اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا میں نے وہاں کی علمی مجلسوں میں بڑے بڑے فضلاء کو اس کی تعریف اور مصنف کی محنت کا اعتراف کرتے ہوئے پایا۔

علم محنت بھی ہے اور انعام بھی

ایک آدمی اس وقت وہ کام کرتا تھا جو ایک آکسفورڈ اس وقت انجام نہیں دیتی یہ سب ایک آدمی کی محنت کا نمونہ ایک آدمی کی محنت کا ثمرہ اور ایک آدمی کے علم سے عشق کا نتیجہ ہے آج آکسفورڈ میں بڑے بڑے ادارے اور شعبے موجود ہیں لیکن سالہا سال میں وہ کوئی پیش رفت نہیں کر پاتے جس کو دیکھ کر اس علم کے ماہر یہ کہیں کہ ہاں یہ اور بجٹی چیز ہے بعض کتابیں دیکھ کر غالب کا وہ مصرعہ پڑھنا پڑتا ہے

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

محنت کے معیار کو بڑھانے کی ضرورت ہے علم محنت بھی ہے انعام بھی ہے پیاس بھی ہے پانی بھی بھوک بھی ہے اور غذا بھی۔

جب تک اپنے فن سے اتنا تعلق نہ ہو کہ آدمی کو کتاب لکھنے پر آخری خوشی ہو کہ وہ کہے اب مجھے اس بار پر محنت کا چیرمین بنایا جائے یا نہ بنایا جائے میں نے اپنا کام کر دیا میری محنت وصول ہو گئی۔

آج کے فضلاء اپنی کتاب اور تحقیق کو مکمل نہیں کر سکتے کہ وہ اسکے انعام کے متوقع ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانت و توجہ کا بڑا حصہ اسی مقصد پر صرف ہوتا ہے کہ آپ بہت سے آئی ایس ایم ایس سے واقف ہے ایک نئے آئی ایس ایم کا اضافہ کر لیجئے جو ہماری دانش گاہوں اور تعلیمی مرکزوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور وہ ہے (کیریرازم) یعنی Career کو بہتر بنانا اور تقرب اور علم کے ذریعے چاہ جلبی۔

دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو

دوسری چیز یہ کہ دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو مثلاً کسی تمنا یا کسی مقصد کو اپنے اوپر تھوڑی دیر کیلئے طاری کر لیں پھر اس کے بعد جیسے ہمالی کیا جاتی ہے پڑھ کر ہم اس کو فائل میں اور نہ ہمیں اس موضوع سے محبت ہو اور نہ وفاداری ہو یہ فکر ہو کہ اس سلسلے میں کیا ہوا نہ اس میں اضافہ کرنے کا شوق ہو اس موقع پر اقبال سے مدد لیتا ہوں انہوں نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے۔

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

علم اور تحقیق بھی ایک ہنر ہے اور اس ہنر و زندگی بھر کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس میں مقصدیت پیدا ہونی چاہئے وہ مثل شرر نہیں کہ بھڑکا اور بجھ گیا۔

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے آپ بیشک اجتہاد کی ضرورت پر مقالے پڑھیں ہم سب اس کو تسلیم کرتے ہیں پھر لگ بات ہے کہ اس کا دروازہ بند ہو جانے کے اسباب کیا تھے اور کہاں تک جائز تھے؟ لیکن میں ایک بات کہوں گا جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے اس کے کچھ سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں بلکہ ان کا اصل سرچشمہ وہی ہے۔ اس لئے ہمارا طرز عمل اسکے بارے میں وہ نہ ہونا چاہئے جو ایک غیر مسلم مستشرق کا ہوتا ہے، وہ صرف بحث کریں اور ہمیں نہ اس سے کوئی دلچسپی ہو نہ اس سے اتفاق ہو ایک حد تک نفاق بھی ہونا چاہئے اور گروہ ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے تو اس پر ایمان بھی ہونا چاہئے اور کسی حد تک عملی زندگی میں اس کی نمود بھی

ہوئی چاہیے اس لیے کہ اپنے بچپن میں ایک جملہ یہ سنا تھا کہ ایک من علم پر دو من عمل بھاری ہے اس لیے علم اور عمل میں توازن ہونی چاہیے ورنہ آدمی اگر صحیح استفادہ نہ کرے تو ان تمام چیزوں کا تحقیق کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار بھی ماحصل کتاب سے نکلوں بھی ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ مقدمہ اسلامیہ کا ہے جس کا تعلق اپنی نیات سے ہے اگر ہم اس پر اپنی عمل پیرا نہیں کرتے ہیں جیسے کسی مرحوم کی زندگی کا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے تو یہ بات ہے نہیں تنقید اس کی مغفرت کا ہیں یا تنقید کی شان نہیں ہوتی ہے کہ ہمارے تحقیق و خالص کی مدد سے دل مطمئن نہیں آپ کا اپنا ہی خالص علمی خالص نیک ہے۔

حضرات! ہوئے حضرات اور ہمارے دور کے تحقیقات نظریات کی تحقیق پذیری سے واقف ہیں وہ اپنے کسی بھی نظریہ یا تحقیق کے پیش کرنے میں جزم و وثوق اور قطعیت کے اظہار سے گریز کرتے ہیں اور اپنی کسی نئے خیال کو اس طرح نہیں پیش کرتے کہ وہ کوئی اس موضوع پر حرف آخر قرار دیا جائے بلکہ تحقیق نظریہ پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس وقت کے مطالعہ اور تحقیق نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے ممکن ہے کہ کل اور اس میں تبدیلی کر لی جائے یا کوئی نئی بات سامنے آجائے لیکن اندیشہ ہے کہ یہ بات اس امر سے ہو گئے بعد ہمارے طلبہ کی کاپیاں جانچنا پڑا تو انہوں نے کل ایک شخصیت کی صداقت کرتے ہوئے ایک مقالہ لکھا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہو گا وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے لیکن انہوں نے اس کو بڑے لطیف انداز سے ادا کیا ہے اس سے حق نے لکھتے ہیں قلم کیڑیں تو آپ اول سے آخر تک صحیح ہوا اور اس شخص کا احترام بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جس نے اپنا وقت صرف کیا ہے اس نے اپنی آنکھیں خراب کیں اس نے تمام وقار کیا ہے۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان کی اہمیت بتلانی ہے اگر آپ کو علوم اسلامیہ پر کوئی بھی کام کرنا ہے تو یہ بڑے کلیشن کی بات ہوگی آپ عربی سے نا آشنا ہوں قرآن حدیث اور اسلامیات پر لکھنے والے بہت سے مشرقی اور مغربی فضلاء نے عربی نہ جاننے کی وجہ سے نادانستہ ایک غلط رجحان بے جو بعض اوقات ان کے پورے کی کاوش کے پانی پھیر دیتی ہے۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں کوئی سیمینار ہو رہا تھا اس میں ایک صاحب جنہوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا تقریر کر رہے تھے تو مشہور عرب ادیبہ اور مورخہ "عائشہ بنت الشاطی" نے جو اس سیمینار میں شریک تھیں ان سے عربی میں خطاب کیا تو نہوں نے بے ساختگی سے کہا کہ میں عربی نہیں سمجھتا تو عائشہ نے کہا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پھر آپ کیسے کرتے ہیں؟ اس کے بعد دشمن جانہوں نے مصر کے کثیر الاشاعت اخبار "الاہرام" میں اس پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا کہ "میں نے عجائبات عالم میں سے ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک فاضل نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور وہ عربی سے ناواقف تھا"

آپ حضرات آسانی کے ساتھ اس پر قابو پا سکتے ہیں اور عربی زبان میں وہ دسترس حاصل کر سکتے ہیں جس سے آپ غلطیوں سے بچ سکیں اس سلسلے میں عربی مدارس آپ سے پورا پورا تعاون کریں گے۔

انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے

بعض فضلاء اپنے نظریات و تحقیقات کے اظہار میں بہت عجلت سے کام لیتے ہیں ان کی اشاعت ہو جاتی ہے پھر وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی ان سے رجوع کر لیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا اخلاقی فرض انجام دیتے ہیں لیکن جو لوگ اس عرصہ میں ان نظریات و تحقیقات کے سہارے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب اس کا تعلق دیانت اور عقائد سے ہو اس لئے ہمیں اپنی تحقیقات کی اشاعت و تبلیغ کے بارے میں (خاص طور پر جب ان کا تعلق عقائد و دیانت سے ہو) عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لینا چاہیے ان پر بار بار غور کرنا چاہیے ان کو مشکک شیخ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہیے اور ان کی رائے اور مشورہ کا انتظار کرنا چاہیے پھر اس کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت دینی چاہیے یہ دور انتشار ہے اس وقت تمام تر انتشار انگیزی کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں انسان ہمیشہ سے سہولت پسند اور سہل رو واقع ہوا ہے جدید تمدن نے سائنسی ترقی کی رفتار نے اور معیار زندگی کی بلندی نے اس کو زیادہ سہولت پسند اور انتشار پسند بنا دیا ہے ہمیں اس بات کو سمجھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہو۔

۱۹۷۰ء میں جب عربوں کو اسرائیل کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تو میں نے اپنے ایک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ملک وملت کی نوجوانوں سے توقعات

[illegible] ۲۵ [illegible] کی [illegible] سے خطاب [illegible] فرمایا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذي ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا

محترم وائس چانسلر صاحب، اساتذہ اور طلبہ و طالبات اور معزز سامعین!

میرے لئے بڑی مسرت اور خوشی کی بات ہے کہ مجھے جامعہ کراچی کے اساتذہ اور طلبہ اور شہر کے معززین سے خطاب کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ میری حقیقی خوشی کا سبب وائس چانسلر صاحب نے بڑی فراخ دلی اور کریم النفسی کے ساتھ تعارف کرایا ہے اور میری حقیر علمی کوششوں کو سراہا ہے جس سے خود ان کے معاصرانہ وسعت اور تنوع کا اندازہ ہوتا ہے لیکن میرے تعارف کا ایک کوشہ وہ بھی ہے جس سے اس وقت کے حاضرین میں سے کم خاص طور پر نہیں ہونی چاہئے وہ ہے میری شعوری اور عملی زندگی کا آغاز معلمی سے ہوا۔ میرے درجوں کے عزیز طلبہ کو اتنا تو معلوم ہوگا۔ ان کی یاد مست ہوں گی اس سے متعلق تو میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن لکھنے اور بحث فی سے پہلے زمین کی زرخیزی اور وسعت انسان کی قوت کے لکھنے اور بحث کے علامہ کے علامہ میں لکھنے اس سے بڑی مدد ملی میں نے کہنے سے زیادہ لکھا ہے اور لکھنے سے پہلے اپنے لیکچر ہالوں اور دوستوں کی بیٹھکوں کی بیٹھکوں سے مختلف مجالس اور مختلف تقریبات میں بڑے بڑے مجمعوں سے خطاب کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن میرے لئے خوشگوار ترین موقع وہ ہوتا ہے جہاں مجھے

نوجوان اور اپنے اہم مشغلہ سے تکلیف کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آج سے پہلے یہ موقع مرحمت فرمایا ہے اور میں اس کے لئے جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں۔

حضرات! کسی ملک کی ترقی اور استحکام اور کسی معاشرہ کے تابع ہونے میں اس کے باصلاحیت نئی نسل کے بہت بڑے دخل ہوتا ہے۔ بہت سی شخصیتیں اور بہت سی ملاقتیں ہیں، مگر مادی ملک بڑی قوی طاقت کا مالک ہے، کسی ملک کے پاس زندگی کے بڑے ذرائع ہیں، کسی کے پاس صنعتی، زراعتی دولت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، کسی ملک میں جامعات کی بڑی کثرت ہے، کسی ملک کے تحقیقات عظیم ترین سلطنتوں اور عظیم ترین ملکوں سے بڑھ گئی ہیں اور اس ملک کو ان پر اعتماد ہے، کسی ملک میں انسانی ذہانت کا بڑا ذخیرہ ہے، وہاں بہت ذہنی قوانی پائی جاتی ہے، وہاں کے لوگ ذہنی طور پر بہت صحت مند ہیں۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہیں، لیکن کسی ملک کی عزت اور اس کے استحکام کی ضمانت نہیں دی جاتی جب تک اس میں اخلاقی قدریں نہ ہوں، اس کے بغیر کسی ملک کی بڑائی کسی ملک کے استحکام اور کسی معاشرہ سے باصلاحیت زندگی گزارنے کا ذمہ نہیں آئے اور کسی ملک کی تعریف کی جاسکتی ہے، مگر اس میں ایک سوال کا جواب نہیں ملتا ہے کہ وہاں کے انسانوں اور وہاں کے نئی نسل کے ظاہر و باطن کی تعمیر یا اپنے نوجوانوں میں کس بنیاد پر اس ذمہ داری کو پیدا کیا جاتا ہے۔ ان میں ضبط نفس کی کتنی طاقت ہے۔ ان میں اپنے کامرانیوں کو حد اعتدال میں رکھنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ ان میں اسی ملک کے صالح نظام اور بہتر قوانین کے احترام کی کتنی عادت ہے اور ان میں انسانی شہریت (CIVIC SENSE) کتنی پائی جاتی ہے۔ انسانی ترقی کے ایک حد تک ان چیزوں سے بھی زیادہ اہم وہ انسانی چیز ہے جس کو انگریزی میں کہتے ہیں (Human Touch) یعنی انسان کی طرف انسان کا جھکاؤ، انسان کے ساتھ انسان کا برتاؤ، انسان کے ساتھ انسان کا سلوک، انسان کی انسانیت سے کسی حد تک ہم پہنچ چکے ہیں۔ میں صرف ان چیزوں کے تذکرہ اور ان کی اہمیت پر اس کی مزید تشریح نہیں کرتا، بلکہ اکبر الہ آبادی مرحوم کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

تعلیم دے رہا ہے جانوروں کے کل کی مجھے
کیا چیز لے رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

ہے جو بڑے عظیم ادارے قائم ہوئے ہیں، ان کے لئے جو انسانی توانائیاں صرف ہو رہی ہیں انکی اہمیت کو تم کئے بغیر یہ عرض کروں گا کہ میرے نزدیک کسی ملک کی بقاء و ارتقاء اور اس کی سلامت اور اس کی عزت و احترام کے جانچنے کا معیار یہ نہیں ہے جو پختہ کار و پختہ سن نسل اس وقت موجود ہے، یا جس نے پروان چڑھنے کی منزل میں قدم رکھا ہے وہ بہتر ہے بہتر ہے، اس میں سے ہر شخص ہو، ہر قدیم سوانح کی اصطلاح میں ولی ہے اور علمی اصطلاح میں فاضل اجل علامہ ہے اور دوسری اصطلاحوں میں ان کی جو تعریف کیجئے۔ یہ بالکل کافی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ نسل جلد ختم ہو جائے گی۔ اللہ اس کی عمریں برکت دے لیکن اس قانون ابتا کام کر رہا ہے، اس میں نہ پیغمبروں کا استثناء اور نہ ولیوں کا استثناء ہے اور نہ عالموں کا استثناء ہے۔ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایک رسول ہیں پہلے جتنے رسول آئے چلے گئے۔) یہ سنت و حیات کا قانون سب پر حاوی ہے۔ یہ بات اطمینان کے لئے کافی نہیں کہ کسی ملک کی ادھیڑ یا پختہ نسل بڑی یا کباڑ ہے، بڑی زندہ دل ہے، بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس نسل کو اس نسل کی جگہ لینی ہے ملک کی باگ ڈور سنبھالنا ہے اور جس سے اس ملک کی قسمت وابستہ ہے، جس سے اس ملک کا تاریخی تسلسل قائم رہے گا، وہ نسل کس درجہ کا اخلاقی معیار رکھتی ہے؟ کس درجہ وہ اپنی خصوصیتوں پر قابو اور کنٹرول ہے؟ کس درجہ اس کے اندر برائیوں سے بچنے کی طاقت ہے اور کس درجہ اس میں مخلصانہ و مردانہ جدوجہد پائی جاتی ہے؟

میرے نزدیک کسی ملک، قوم کی صلاحیت، عزت و طاقت کا یہ اصل معیار ہے، اگر کسی ملک کو سب کچھ حاصل ہے، لیکن اس ملک نوجوان اور خاص طور پر تعلیم یافتہ نسل صحیح اور ضروری نظام کا احترام کرنا نہیں جانتی، وہ ملک و ملت کے مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتی ہے، جس میں اپنے ذاتی مفادات کو ملک کے وسیع تر مفادات کے لئے قربان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ ملک اور قوم سخت خطرہ میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی نئی نسل میں قابل تحفظ و قابل احترام روایات کے (جن سے اس کی اس میں عادت نہیں ہے) وہ رجحان اور پیٹر دل کی طرح ہے، جو فوراً آگ پکڑ لیتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ باہر سے یوپی کے مشہور شہر کانپور آ رہا تھا۔ میرے سامنے ایک تاجر بیٹھ رہا تھا، بہت دیر تک اس کا ساتھ رہا، ہماری کار سے آگے نہیں نکل سکتی تھی، اس

(Highly Inflammable) اس لئے اس میں پانی ڈالنا

[illegible]

لاَيَسْتَوِي أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ النَّارِ

فِي الْمُضَافَاتِ عَلَى مَدَارِ مَرْحَبَا

اسلام کا حکم ہے کہ مظلوم کی مدد اسے ظلم سے چھڑانا ہے۔ ظالم کی مدد مظلوم کی مدد سے اس کا ہاتھ ہٹانا ہے۔

قوموں اور ملکوں کے لئے جہاں بہت سی چیزیں ضروری اور زندگی کی شرطیں ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ان کے نوجوانوں میں غیرت کا احساس ہو، احساس ہے کہ ہمارے دیہ ہمارے قاتل کی (جسے معاف کیا جائے) کچھ نہ کچھ بلاغ ہو۔ اسی غیرت اور جوش کی وجہ سے قومیں بڑی بڑی مصائب سے جدوجہد میں دوچار اور اشتعال کی وجہ سے کیفیت پیدا کر لیتی ہے کہ قومی اور دینی خلاف طبع چیز کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

ہمیں ابھی چند دن پہلے پٹنہ سے دہلی جانا تھا، ایک بڑے افسر میں شرافت نے لے کار دیے آئے پھر قومیں نے کچھ سمجھا، لوگ کار لے کر سامنے آگئے اور کہنے لگے، براہ کرم آپ اس راستہ سے نہ جائیے، میں نے کہا یہ کیا بات ہے؟ یہاں پہنچے تھا اس کو وہی راستہ تھا، انہوں نے کہا وہاں ایک اسکوٹر کا ٹرکا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے سرکاری بس نے سامنے آ گیا ہے اسے چوٹ آ گئی اس وقت سے اس راستہ میں نے ٹرانسپورٹ کے سرکاری بسوں کو جلا رہے ہیں۔ پرائیویٹ کاروں کو بھی نہیں چھوڑتے کوئی امتیاز نہیں ہے کوئی کار بھی اس سڑک سے نہ گزرے نہ اسے آگ لگا دیں گے۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ ہمارے متعلق یہ اندازیاں ہیں، ہوائی ڈاک میں اور ظاہر ہے کہ تمام سرکاری لوگ نہیں ہیں، دیکھیں کیا خطرہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس وقت بالکل سرسامی کیفیت ہے، ہوائی نہیں دیکھتے کہ کون جا رہا ہے، ہم سمجھ جاتی ہے ہم نے کہا بہت اچھا، ہمارے ساتھی ایسے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں ہوائیا۔ اس میں بالکل اصرار نہیں کرنا چاہتے۔ چنانچہ ہم تقریب تین گھنٹے لیٹ ہوئے اور پہلا اجلاس بھی نہیں ہو سکا ان رات ایکسیڈنٹ ہیں۔ دو کاروں کی موٹر سائیکلوں کی ٹکر ہو جاتی ہے تو ایک ہنگامہ ہو جاتا ہے ایک فریق ادھر ہو جاتا ہے دوسرا فریق ادھر قانون ہاتھ میں لے لیا جاتا ہے یہ قانون ہاتھ میں لینے کی عادت ہو (مجھے معاف کیا جائے) یہ سی تحریکوں نے پیدا کر دی ہے یہ بھی ایک بڑا مرض ہے وہ بھی طرح پھیل گیا ہے۔

کسی ملک کے باقی رہنے کی اور اپنے مقصد اور صحیح منزل تک پہنچنے کی ضمانت اس وقت تک نہیں دی جا سکتی ہے جب تک کہ وہاں کے نوجوانوں میں قوت برداشت اور حالات کو سمجھنے کی

ملاقات نہ ہو سکی۔ پھر چوہدری صاحب کی مرضی کے خلاف دیکھنے والے کمرے میں ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ ان تمام باتوں کے باوجود میں نے ان کی ملاقات کی۔ (اس سلسلہ میں مزید کارروائی کا حال آگے آئے گا۔ اور آخر کار ملاقات ہوئی۔ ان میں یہ صفت نہیں ہوتی ہے جو دوسرے لوگوں میں ہوتی ہے۔ ان کی ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ان کو بہت پریشان کیا۔ ہم نے ان کو بہت سمجھایا۔ ہم نے ان کو بہت سمجھایا۔ ہم نے ان کو بہت سمجھای

یہ بات اس سے زیادہ اہم ہے کہ ہم اس کی [illegible] کریں۔ [illegible] ہے کہ [illegible] سے نکلنے والا راستہ ہی [illegible] ہے۔ [illegible] تو اچانک ان کا [illegible] اور [illegible] سے [illegible] کا [illegible] نظر عمل خان مرحوم نے کیا ہے۔

[illegible]

عربوں کا ان ایک [illegible] کہ [illegible] [illegible] [illegible]

ہیں؟ میں پہنچ تو نہیں، کچھ دن یاد ان سے میرے یہاں تو ایسی کوئی چیز نہیں رکھی جاتیں، مشتبہ نہیں رکھی جاتیں تو اٹھا لیجئے۔ وہ بے چارے منہ دیکھتے رہ گئے کوئی تو یہاں کے پن تھی نہیں، انہوں نے بہت یاد دلانے کی کوشش کی، کہ شہر میں آپ کی بڑی حیثیت ہے آپ کی امانت دار کہ رکھنے انہوں نے تو بل مدرسہ پر تھا، وہ بے سامان لگ کر چلے گئے۔

وہ قاضی صاحب کے پاس گئے، قاضی صاحب بہت ذہین اور نفسیات سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا "تم فکر نہ کرو، ہم میں ایک ترکیب کرتا ہوں۔ انہوں نے وہ چار آدمیوں سے ذکر کیا کہ فلاں صاحب کو فلاں عہدہ ملنے والا ہے ان کو فلاں جگہ کا صوبہ دار بنایا جانے والا ہے، یا ان وزارت ملنے والی ہے۔ وہ چار تھے۔ اس نے پوچھا ہو۔ کسی کوئی بات نہیں راز نہیں رکھتی۔ فلاں صاحب معاملے نے بھی سن لیا کہ فلاں عہدہ ملنے والا ہے یہ سرحد کے وہ دیا تو قاضی صاحب نے ان صاحب کو بلایا اور کہا کہ اب جائیے تم ان سے تقاضا کرو۔ یاد ہے آپ نے وعدہ کیا تھا کہ شیخ آپ کو یاد آ گیا، وہ صاحب کے بیٹے میں صاحب خانہ نے ان کو دور سے دیکھ کہا آیئے آیئے، وہ واسطے ان کہاں رہے؟ آپ نے تو مجھے پتہ بھی نہیں بتایا میں آپ کو بلاتا۔ مجھے یاد آ گیا، وہ فلاں قسم کی فلاں رنگ کی باندی تھی نا؟ وہ وہاں رکھی ہوئی ہے آپ لے لیجئے۔ وہ گئے دیں کی توں باندی ان کو مل گئی۔ انہوں نے قاضی صاحب سے پوچھا، بات کیا ہوئی ان دونوں میں جو کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی بڑی چیز مل جاتی ہے تو چھوٹی چیز اس کی نظر سے گر جاتی ہے جب ان کو معلوم ہوا کہ مجھے (بتایا) عہدہ ملنے والا ہے (جاہ مال سے زیادہ حیثیت رکھتی ہے) تو انہوں نے کہا کہ کہاں کی باندی کہاں کی مٹر فریاں؟ اس میں میرے بدنامی ہو سکتا ہے کہ اس سے اس میں رکاوٹ پڑ جائے۔ کوئی سے جب خلیفے ہے جو کہ دیں کہ امیر المومنین آپ کس کو وزیر بنا رہے ہیں۔ کس کو آپ صوبہ دار بنا رہے ہیں؟ وہ تو خائن ہے ایسا ہے۔ میری باندی اس نے مفہم کر لی، تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ باندی ان کے حوالہ کر دی جائے۔

وہ مستورہ عزیز والا آپ کو اللہ نے اتنی بڑی حکمت عطا کی ہے اتنا بڑا اعزاز بخشا ہے، خدمت و عزت کے لئے زمین اور تاریخ موقع دیئے ہیں۔ آپ کو اب اسی پستی پر گراوٹ، اشتعال پذیری، خود غرضی تنگ نظری، تنگ دلی، تنگ ذہنی سے بلند ہونا چاہئے جس کو اللہ

[illegible] ہوتی ہے۔ اقبال کا مقصد اس کی تحویل میں آنا ہے۔ وہ ایک چھوٹی چھوٹی چیز میں بھی [illegible] سے اللہ نے آپ کو اپنی ذات کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے آپ کو ہر وقت [illegible] آپ اپنے کو چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں الجھا لیتے ہیں اور اللہ سے بھاگتے ہیں۔ اس لیے آپ کو [illegible] نہیں۔ جیسے آپ کے لیے اقبال کا یہ شعر ہے۔

تو جھکا جب غیر کے در پر نہ تیرا دل نہ تن
تجھ کو اس سجدے سے کیا حاصل ہو اے مردِ مسلماں

آپ مرغ و ماہی کے شکاری نہیں ہیں۔ آپ بندوق سے شکار نہیں کرتے۔ آپ ہوائی قوتوں اور خلا کے مسئلوں سے حل کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس کوشش میں کسی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ آپ کا ہر روز مرہ کے شعری معاملات میں اُلجھنا اور ان میں اپنی طاقت ضائع کرنا کہیں سے اس بات کی مرضی اور منشا کے مطابق نہیں۔ وہی کہ آپ بالکل آپ سے ہم ہو بہو بنے ہیں۔ یہ طلبہ جو اداروں تعلیم یا اداروں جو ان کے شاہین شان نہیں۔

میں جناب ہوائی پر [illegible] ہوائی جہاز [illegible] کا شعر پڑھ کر سنا رہا ہوں کہ انہوں نے لکھے ہوئے [illegible] اور اپنے [illegible] نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے [illegible] ہوائی اڈے میں لکھے ہوئے آپ کا شعر [illegible] آپ نے اس [illegible] (یہ شعر ہوائی اڈے پر لکھا ہوا ہے)
تو ہم میں پوری صفدری نہیں [illegible] اور [illegible]

والسلام

اٹھو! کہ اب گردشِ جہاں کا انداز اور ہے

[illegible]

بحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

[illegible] دارالعلوم کا یہ پودا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے جو اب علوم اس وقت رائج ہیں، نکلے تو وہ ہی دنیا کے اکثر حصے پر حکومت کریں۔

اس بات کا بہت جلد دارالعلوم نے اندازہ کر لیا ہے کہ وہ ان کی باہوش نگاہیں ہیں جو بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں کو سمجھ لیتی ہیں، اور وہ ان تقاضوں کی تکمیل کر دیتی ہیں جن سے دنیا پیچھے رہ جائے۔

"انا صلاح" کا قیام ایک جرأت مندانہ قدم تھا:

اس وقت دارالعلوم تمام ہندوستان کے لئے قدیم عربی مدارس میں تعلیم کے لئے ایک خاص طرز کی بنیاد مستحکم تھی، اور علماء حضرات نے اس کے لئے ایک مخصوص اسلوب اور طرز تیار کر لیا تھا، یہ قدیم نصاب تعلیم بڑی محنت سے مرتب ہوا تھا، اس کی ترتیب میں اس نے علماء سے اور علماء حضرات نے اس کے بنائے ہوئے نظام تعلیم سے متاثر ہوتے رہے، یہ اس زمانے میں رائج تھا، اس زمانے کے مدارس میں انہیں علوم و فنون کا پڑھنا پڑھانا ہی بڑی بات سمجھا جاتا تھا، یہ رائج تھا، بلکہ شاید ضروریات اور مسائل کا مطالعہ کسی درجہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، جو طالب علم ان کتابوں کو پڑھ لیتے تھے وہ فنون لے جاتے تھے، اور ان کی انگشت نمائی ہوتی تھی، یہ تعلیم کا طرز اس زمانے کے انداز و رسائل رکھتے ہیں، اس وقت دارالعلوم میں جلباء کی ایک انجمن قائم ہوئی جس کا ایک ماہنامہ رسالہ دارالعلوم بھی تھا جس میں ہفتہ وار خطابت کے سلسلے ہوتے ہوں اور ان کا نظم، اصل سے طلباء کے ہاتھ میں ہو، ایک بڑا حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا، آج یہ

چیز ہماری زندگی میں ایسی گھل مل گئی ہے اور ایک ایسے سکہ رائج الوقت کی طرح ہوگئی ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی ندرت یا جدت نظر نہیں آتی، لیکن آج سے ستر برس پہلے اس گزشتہ صدی کے بالکل آخر میں جب دارالعلوم قائم ہوا اور ہمارے بزرگوں نے دارالعلوم نے جس کا نام انظر کتابوں میں مل سکتا ہے۔ انجمن "الاصلاح" قائم کی۔ اس وقت اس قسم کی انجمنوں کی بڑی اہمیت تھی اور اس کی بڑی وجہ تھی۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہو، اس زمانہ کے لحاظ سے یہ ایک بڑا مفید قدم تھا، اور کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانہ میں انجمن الاصلاح نے بڑا مفید کام انجام دیا اور اس کے بعد سے لے کر اس وقت تک مفید کام انجام دیتی رہی اور اس میں بہت سے ایسے لوگوں کی تربیت ہوئی جنہوں نے یہاں سے نکل کر دینی اس مشق اور مہارت سے بہت فائدہ اٹھایا، اس لحاظ سے دارالعلوم کے ان فرزندوں اور "الاصلاح" کے بانیوں کو جتنی بھی داد دی جائے اور ان کی خدمات کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

آج زمانہ بہت بدل چکا ہے:

لیکن یہ ہے عزیزو! زمانہ، جس پر چیز کی قدر و قیمت اس زمانے کی ضروریات اور اس زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جس زمانہ میں یہ قدم اٹھایا گیا تھا، اس زمانہ میں یہ عمارتیں، یہ انجمنیں بلاشبہ بڑی اہمیت رکھتی تھیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دارالعلوم کی اور اس ادارہ کی اس میں بہت بڑی فضیلت ہے۔ لیکن اس کے بعد سے زمانہ کا بڑا سرگرم سفر رہا ہے، وہ ایک منٹ کے لئے بھی رکا نہیں ہوا، اس نے کسی منزل پر قیام نہیں کیا، حالات بدلتے رہے، ضروریات بدلتی رہیں، تقاضے بدلتے رہے، نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہے، نئے نئے میدان اور نئے نئے چیلنج سامنے آتے رہے اور علماء سے اپنے جوابات مانگتے رہے، اب اس زمانہ میں اخبارات و رسائل کو مدارس یا کسی بڑے کام کا قیام ایک عام چیز ہوگئی ہے کہ اس سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مدرسہ بھی اس وقت مشکل سے بند ہوتا، گاؤں گاؤں جیسے جیسے انجمنیں قائم ہیں جہاں تقریروں کی مشق کروائی جاتی ہے لڑکوں نے طلباء میں برادری کی سطح پر بہت سی انجمنیں قائم ہیں بھی ہیں، اور عربی مدارس میں بھی عام طور پر ایسی انجمنیں جمعیتیں پائی جاتی ہیں، بعض مدارس میں تو میرے خیال میں کئی کئی انجمنیں ہوں گی، یہاں تک کہ ضلع وار بھی انجمنیں قائم ہیں، [illegible] ان چیزوں سے بہت آگے [illegible] اب صرف کوئی تقریر کرنا یا ان [illegible]

رسائل کا پتہ ہے اور اس بات سے واقف ہوتا کہ کہاں کہاں ۔۔۔ یہ اخبارات و رسائل نکلتے ہیں اور ان میں کیا لکھا جاتا ہے، یا ایک شستہ تقریر کر لینا، ایک رسالہ مضمون لکھ دینا، اپنے خیالات کو شائستہ انداز میں ادا کر دینا کافی نہیں رہا، اس میں کسی قسم کی امتیاز باقی نہیں رہا، اب یہ چیزیں اور وصفی کی ایک یادگار ہیں اور اس وقت پر قائم ہیں اور وکلا قائم رکھا جاتا ہے اور ہمت اخذ کی جاتی ہے کہ شاید ان میں وہ ہمت پیدا ہو اور نیا زمانہ کے لئے تقاضوں کی تکمیل کر سکیں، ورنہ جہاں تک کسی بڑے خطابت کا تعلق ہے، کسی دارالخطابا کا تعلق ہے، ان میں کوئی ہمت اور کوئی قوت باقی نہیں رہی۔

متوسط درجہ کی لیاقت کافی نہیں:

ایک زمانہ تھا جب علما و شستہ رد و نکھ لیا اور اس زمانہ کے تقاضا اور اسلوب کے مطابق تصنیف و تالیف کر لینا بڑی قابل تعریف بات سمجھی جاتی تھی، بہت سے علما اپنے خیالات کے ادا کرنے پر پوری قدرت نہیں رکھتے تھے اور نئے خیالات کے لئے قدیم زبان ہی استعمال کرتے تھے، لیکن یہ چیزیں اب بہت کم ہو گئی ہیں، لہذا وقت اقتضا کا قیام جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں کسی ندوی فاضل کا کسی تاریخ موضوع پر کچھ لکھ دینا یا اس میں قدیم ماخذ میں سے تمام ضروری اور متعلق مواد جمع کرنا اور سلیقہ سے اس کو ترتیب دینا ایک بڑا علمی کارنامہ سمجھا جاتا تھا، اس وقت کسی فاضل کے لئے یہ بات بھی تھی کہ اس نے مسلمانوں کی تہذیب کے کسی پہلو، مسلمانوں کے کسی علمی کارنامے، مسلمانوں کی کسی تہذیبی و تمدنی خدمت یا کسی دور حکومت یا کسی مسلمان حکمران خاندان پر ایک ایسی متوسط درجہ کی کتاب لکھ دی جس میں اگر چہ کوئی ریسرچ یا کوئی خاص فہم کا نظریہ بحث نہ کیا گیا ہو، تاہم سلیقہ کے ساتھ اس کا مواد جمع کر دیا گیا ہو، یہ پڑھنے والوں کو اس سے دلچسپی نہ ہوتی ہو، یہ بات کسی قدیم درسگاہ کے فخر کے لئے اس وقت بہت کافی تھی۔

لیکن یہ بے عیب زمانہ اب بہت مختلف ہو چکے ہیں، اب ہماری انجمن کا مقصد یہی ہے کہ مقرر پیدا کرے، ہمارے طلبا اخبارات و رسائل سے ناواقف نہ رہیں، ہمارا کوئی طالب علم ایسا نہ ہو کہ اس زمانے میں کیا کتابیں کام کر رہے ہیں، اس زمانے میں کون ادیب اور کون مصنف ہے اور کون کون صاحب طرز فاضل ہے، یہ بات بالکل

؟ کافی ہے۔

زمانہ کا دامن سمٹتا اور پھیلتا رہتا ہے:

زمانہ اب اس سے بہت زیادہ کا طالب ہے، زمانہ کا دامن سمٹتا اور پھیلتا ہے، زمانہ کی جھولی اور اس کا کشکول گدائی ایک ناپ کا نہیں رہتا، وہ حالات کے مطابق لوگوں کی استعداد کے مطابق نئے سیاسی تغیرات اور تبدیلیوں کے مطابق ہر دور میں ہر جماعت سے اپنے زمانہ اور زمانہ کے مطابق دینداری اور رہبری کا طالب ہوا کرتا ہے، اب یہ زمانہ اس بات کا بالکل متحمل نہیں ہے، اور محض اس پر اپنی درسگاہ کے طالب علم کو کسی قسم کا کوئی تصدیق نامہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس میں کچھ اچھے بولنے والے پیدا ہو جائیں، کچھ متوسط درجے کے لکھنے والے پیدا ہو جائیں۔

آج پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے:

اس وقت جو ایک عام ذہنی انتشار اور ایک قسم کی مایوسی ملت پر پھیل رہی ہے، اور ملت کی صلاحیت کی طرف اور دین میں جو صلاحیت ودیعت کی گئی ہے، اس صلاحیت کی طرف سے یا دین کے مستقبل کی طرف سے جو بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہو رہی ہے، نوجوانوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقوں اور حاملین دین میں جو بے اعتمادی پھیل رہی ہے اس کو دور کرنے کے لئے بہت زیادہ تیاریوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ علمی فتوحات حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ بلند پروازیوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ کاوشوں، دلسوزیوں اور دماغ سوزیوں کی ضرورت ہے، جو ہمارے اسلاف نے کیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ندوۃ العلماء کے صف اول کے مصنفین اور اہل قلم نے اس زمانے کی نسلوں کو بہت کچھ دیا، انہوں نے اس زمانے کی نسل کو بڑی حد تک مطمئن کرنے کی کوشش کی، جو مسائل اس عہد میں اہمیت رکھتے تھے، ان مسائل پر انہوں نے جو چیزیں پیش کیں، وہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت طاقتور اور دل نشین تھیں، لیکن اگر آج ان چیزوں کو دہرایا جائے یا بالکل ان کی نقل کی جائے تو اس میں کوئی علمی استدلال نہیں ہوگا، اور لوگوں کو بڑی مایوسی ہوگی۔

تحقیق ومطالعہ کا میدان بہت وسیع ہے:

تحقیق اور مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہو چکا ہے، قدیم ذخیرے بلکہ قدیم موضوعات جو پہلے

ملا۔ سے خواب و خیال میں بھی نہیں آتے تھے، اب جو ہو لیے ہیں بشرطیکہ وہ اشاعت کے اداروں نے اور طباعت و اشاعت کی تحریک نے ان کو بچا رکھا ہے اور اپنے ہیں اور عقیدتوں کے اظہار سے ہوتی رہتی ہے ہیں وہ چیزیں جن کا نام صرف نام رہ گئے تھے وہ آج بھی زندہ ہیں، ہم پڑھنے کے لیے اور اطمینان کرنے کی سعادت آج بھی محفوظ ہوتی ہے یہاں میں قدیم ترین کی بالکل تخصیص نہیں کی جا سکتی۔

بہت سے قدیم مباحث آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں

ایک زمانہ تھا کہ دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اجوبہ فی الرد علی المعترضین" کا رد لکھا گیا اور بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھا۔ یہ بحثیں بڑی اہم سمجھی جاتی تھیں اور ان کے لیے بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد کی جاتی تھیں۔ ان کتابوں کی طرف سے ایسے بہت سے مباحث آج بے حد اہمیت کھو چکے ہیں کہ ان مباحث پر لکھا جانے والا اس میں لوگوں نے لے کوئی نئی بات اور دلچسپی نہ ہو گی۔ اس زمانے میں اس سے بہت زیادہ وسیع علم رکھنے والے بہت زیادہ محنت کا کام کی ضرورت ہے۔

زمانہ آسانی کے ساتھ کسی کو تسلیم نہیں کرتا

یہ علمی معیار بھی ہمارے لئے بڑا قابل احترام ہے اس کے ساتھ بہت عزیز یادیں اور وابستگیاں ہیں۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک بڑا سنہرا دور ہے لیکن زمانہ بے رحم چیز ہے اور زمانے سے بڑی سفاک چیز ہے۔ زمانہ کسی کے ساتھ بھی مروت نہیں کرتا، وہ کسی کے سامنے آسانی سے جھکتا نہیں، وہ کسی کو تسلیم نہیں کرتا، وہ اپنی فطرت سے کہ جب تک اس کو اعتراف پر مجبور نہ کر دیا جائے وہ کسی کا اعتراف نہیں کرتا، کسی چیز کا تسلسل زمانہ نے بالکل قائم نہیں رہنے دیا، یہ ایک حقیقت پسند ادارہ ہے، مروت، تعلق، جانبداری، یہ سب کچھ اس کے ہاتھ کوئی قیمتی چیز نہیں جانتے اور اس کی نظر ان کو کسی وقت بھی اہمیت نہیں دیتی کہ وہ تھوڑے پر اکتفا کر جائے اور اس وقت تک وہ تھکنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، زمانہ سے کسی تھکاوٹ کا اظہار کسی قسم کی سند حاصل کرنا، کوئی تمغہ حاصل کرنا یا خراج عقیدت حاصل کرنا یہ چیزیں کبھی نہیں رہیں اور نہ کبھی رہیں گی۔ زمانہ کو اعتراف پر مجبور کرنے کے لئے اپنی قوت کا

[illegible] کے لئے اپنے [illegible] اپنے لئے [illegible] حاصل کرنے کے لئے آپ [illegible] اپنے [illegible] میدان [illegible] اس [illegible] میں [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی

[illegible] [illegible] [illegible] [

آج کا تجدیدی کام

یہ چیلنج قبول کیجئے

آج زمانہ زیادہ اہم چیزوں کا طالب ہے

ان چیزوں میں بہت زیادہ دلکش اور اہم چیز اس کا طالب ہے۔ جس کا ذہن سے اسلام سے طالب تھا۔ اقبال کا شعر ہے

نغمہ بلند سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اب اس سخن میں دلنوازی بھی نہیں رہی لیکن سخن دلنواز بھی کافی نہیں اس کے ساتھ جان پرسوز اور نگاہ بلند بھی ہونی چاہئے آپ میں کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور سخن کی اس عزیز میراث کے وارث ہیں۔ میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ وہ آسمان سے ستارے تو نہ لا سکے لیکن اس زمانے کے مزاج اور معیار کے مطابق انہوں نے اپنی شان قائم کی، اور اس میں انہوں نے ایک مقام حاصل کیا۔ اچھا اس مقام کو انہوں نے اپنی کوششوں کی طرف منتقل کیا۔ آپ کو اس کے لئے بہت زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔ آپ تقریروں کا معیار بلند کیجئے تقریروں کا معیار بلند کیجئے۔ مطالعہ وسیع کیجئے اور اس کے لئے اساتذہ سے خاص طور پر مدد لیجئے "الاصابہ" سے اور ان اساتذہ سے جن سے آپ کا رابطہ ہے ان سے مشورہ کیجئے مطالعہ اتنا آسان نہیں ہے کہ اس کی کوئی پابندی نہ کی جائے کسی ترتیب کے پڑھنا شروع کر دیجئے یہ دوا خارجی "مواد" ہے، اس کا صحیح استعمال کیسے کیا جائے کا تو وہ طریقہ بھی جاننا چاہئے، یہ ایک بڑا سوال ہے۔ اس کے لئے بہت ایک روی اور بہت احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے اپنے اساتذہ سے مشورہ کیجئے، وقت بہت کم ہے کام بہت زیادہ پڑھنے کا رجحان بھی روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے، نئی نئی کتابیں چھپ رہی ہیں چھپنے کے قابل ہر رسالہ آپ کی میز پر آنے کے لائق۔

یہ علم کا تہذیب کا، خیالات کا اور مقاصد کا حرم ہے:

یہ علم کا تہذیب کا، خیالات کا اور مقاصد کا ایک حرم ہے، اس حرم میں اُنہیں چیزوں کو آنا چاہئے اور ان چیزوں کو آنے کی اجازت دینی چاہئے جو آپ کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں، جو آپ کے پیمانوں کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں، جس طرح آپ یہاں کی بیرونی چیزوں کو نہیں آنے دے سکتے، اسی طرح سے آپ کی میز پر کوئی ایسا رسالہ بھی نہیں آنا چاہئے جو اس سے زیادہ مضحکہ اور مضر ہے، اور یہاں کی فضا اس سے زیادہ متاثر کر سکتا ہے۔

یہ میز کسی پبلک لائبریری کی میز نہیں ہے، یہ ایک درسگاہ کی میز ہے، یہ ایک معمل ہے،

ایک بہت بڑی بارگاہ ہے، جہاں ان دماغوں کو بلایا جاتا ہے جو امت کی رہبری کرنے کے لیے ان کی الماریوں میں کسی نہ کسی کتاب کو [illegible] کا حق نہیں ہے، جس کی بدولت ان دیواروں کو آج زیادہ آج ہو، جس کو ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد انسان کبھی کبھی پڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ہے، ان خیالات، مقاصد اور ان تعلیمات سے جن کو کوئی تعلق باقی نہ رہے، جو اس [illegible] کے بعد کی مقاصد میں حاصل ہیں، اس کے لئے آپ کے لیے ایک نمونہ کا انتخاب کافی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبال)

بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کیجئے

۲۰۰۸ء میں مجھے بنگلہ دیش جانے کا اتفاق ہوا، اس سفر میں مجھے بنگلہ زبان سیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس کے لیے میں نے ایک استاذ کا انتخاب کیا، یہ استاذ بنگلہ دیش کے رہنے والے ہیں، ان کا نام ڈاکٹر ابوالکلام ہے، یہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں بنگلہ زبان کے پروفیسر ہیں، ان کے پاس میں نے ۲۰۰۸ء میں بنگلہ زبان سیکھنا شروع کیا، اس وقت میں نے ان سے کہا تھا کہ میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے بعد میں نے ان سے بنگلہ زبان سیکھنا شروع کیا، ان کے ساتھ میں نے ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۱۴ء سے ۲۰۱۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۱۶ء سے ۲۰۱۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۱۸ء سے ۲۰۲۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۲۰ء سے ۲۰۲۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۲۲ء سے ۲۰۲۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۲۴ء سے ۲۰۲۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۲۶ء سے ۲۰۲۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۲۸ء سے ۲۰۳۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۳۰ء سے ۲۰۳۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۳۲ء سے ۲۰۳۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۳۴ء سے ۲۰۳۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۳۶ء سے ۲۰۳۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۳۸ء سے ۲۰۴۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۴۰ء سے ۲۰۴۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۴۲ء سے ۲۰۴۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۴۴ء سے ۲۰۴۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۴۶ء سے ۲۰۴۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۴۸ء سے ۲۰۵۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۵۰ء سے ۲۰۵۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۵۲ء سے ۲۰۵۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۵۴ء سے ۲۰۵۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۵۶ء سے ۲۰۵۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۵۸ء سے ۲۰۶۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۶۰ء سے ۲۰۶۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۶۲ء سے ۲۰۶۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۶۴ء سے ۲۰۶۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۶۶ء سے ۲۰۶۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۶۸ء سے ۲۰۷۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۷۰ء سے ۲۰۷۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۷۲ء سے ۲۰۷۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۷۴ء سے ۲۰۷۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۷۶ء سے ۲۰۷۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۷۸ء سے ۲۰۸۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۸۰ء سے ۲۰۸۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۸۲ء سے ۲۰۸۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۸۴ء سے ۲۰۸۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۸۶ء سے ۲۰۸۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۸۸ء سے ۲۰۹۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۹۰ء سے ۲۰۹۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۹۲ء سے ۲۰۹۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۹۴ء سے ۲۰۹۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۹۶ء سے ۲۰۹۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۰۹۸ء سے ۲۱۰۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۰۰ء سے ۲۱۰۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۰۲ء سے ۲۱۰۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۰۴ء سے ۲۱۰۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۰۶ء سے ۲۱۰۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۰۸ء سے ۲۱۱۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۱۰ء سے ۲۱۱۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۱۲ء سے ۲۱۱۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۱۴ء سے ۲۱۱۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۱۶ء سے ۲۱۱۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۱۸ء سے ۲۱۲۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۲۰ء سے ۲۱۲۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۲۲ء سے ۲۱۲۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۲۴ء سے ۲۱۲۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۲۶ء سے ۲۱۲۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۲۸ء سے ۲۱۳۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۳۰ء سے ۲۱۳۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۳۲ء سے ۲۱۳۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۳۴ء سے ۲۱۳۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۳۶ء سے ۲۱۳۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۳۸ء سے ۲۱۴۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۴۰ء سے ۲۱۴۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۴۲ء سے ۲۱۴۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۴۴ء سے ۲۱۴۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۴۶ء سے ۲۱۴۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۴۸ء سے ۲۱۵۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۵۰ء سے ۲۱۵۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۵۲ء سے ۲۱۵۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۵۴ء سے ۲۱۵۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۵۶ء سے ۲۱۵۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۵۸ء سے ۲۱۶۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۶۰ء سے ۲۱۶۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۶۲ء سے ۲۱۶۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۶۴ء سے ۲۱۶۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۶۶ء سے ۲۱۶۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۶۸ء سے ۲۱۷۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۷۰ء سے ۲۱۷۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۷۲ء سے ۲۱۷۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۷۴ء سے ۲۱۷۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۷۶ء سے ۲۱۷۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۷۸ء سے ۲۱۸۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۸۰ء سے ۲۱۸۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۸۲ء سے ۲۱۸۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۸۴ء سے ۲۱۸۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۸۶ء سے ۲۱۸۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۸۸ء سے ۲۱۹۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۹۰ء سے ۲۱۹۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۹۲ء سے ۲۱۹۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۹۴ء سے ۲۱۹۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۹۶ء سے ۲۱۹۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۱۹۸ء سے ۲۲۰۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۰۰ء سے ۲۲۰۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۰۲ء سے ۲۲۰۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۰۴ء سے ۲۲۰۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۰۶ء سے ۲۲۰۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۰۸ء سے ۲۲۱۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۱۰ء سے ۲۲۱۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۱۲ء سے ۲۲۱۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۱۴ء سے ۲۲۱۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۱۶ء سے ۲۲۱۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۱۸ء سے ۲۲۲۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۲۰ء سے ۲۲۲۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۲۲ء سے ۲۲۲۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۲۴ء سے ۲۲۲۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۲۶ء سے ۲۲۲۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۲۸ء سے ۲۲۳۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۳۰ء سے ۲۲۳۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۳۲ء سے ۲۲۳۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۳۴ء سے ۲۲۳۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۳۶ء سے ۲۲۳۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۳۸ء سے ۲۲۴۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۴۰ء سے ۲۲۴۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۴۲ء سے ۲۲۴۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۴۴ء سے ۲۲۴۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۴۶ء سے ۲۲۴۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۴۸ء سے ۲۲۵۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۵۰ء سے ۲۲۵۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۵۲ء سے ۲۲۵۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۵۴ء سے ۲۲۵۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۵۶ء سے ۲۲۵۸ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۵۸ء سے ۲۲۶۰ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۶۰ء سے ۲۲۶۲ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۶۲ء سے ۲۲۶۴ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اب میں بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے میں نے ان سے ۲۲۶۴ء سے ۲۲۶۶ء تک بنگلہ زبان سیکھی، اس

[illegible] کے بارے میں آپ کا بیان اور تاثر پڑھ رہے تھے آپ کے مضمون کا یہ حصہ ان کی بابت [illegible] ہے جس نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔

آپ نے غیر مسلموں کی کتابیں پڑھیں ان کے افسانے پڑھے ان کی کہانیاں پڑھیں ان کی تاریخ لکھی ہوئی پڑھیں اور آپ پر اثر [illegible] ہے [illegible] یہ بات بڑی [illegible] کی ہے کہ آپ دوں سے لئے ضروری ہے [illegible] ان کو آپ کہانیاں [illegible] آپ نے [illegible] کہتے ہیں آپ ان کی چیزیں پڑھتے [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ جزا دے [illegible] ان کا کام [illegible] میں [illegible] کہتے ہیں [illegible] ہے [illegible] ہیں [illegible] ان کا کام [illegible] میں [illegible] کی تاریخ میں [illegible] ان کی [illegible] کرتے ہیں ان لوگوں کے حالات لکھے [illegible] کے لیے [illegible] کرتے ہیں خدا کے فضل و کرم سے [illegible] آپ نے [illegible] مسلمانوں میں تو [illegible] بڑی علامہ صاحب [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] علم ان کے [illegible] تھے [illegible] میں [illegible] چاہتا ہوں مجھے [illegible] کی [illegible] علمی [illegible] کے [illegible] ہوں [illegible] خدا نے آپ کو [illegible] ہے [illegible] کہ [illegible] ان کی [illegible] ہے

یہ کہی بات یاد رکھئے کہ بلکہ ان کی عبارت اپنے ہاتھ میں لیجئے دو قسموں سے ایک غیر مسلموں سے ایک غیر اسلامی ہے [illegible] ہیں ایک غیر اسلامی ہے غیر اسلامی [illegible] ہیں [illegible] غیر مسلم غیر مسلموں میں ہوتے ہیں غیر مسلموں سے غیر اسلامیوں سے دونوں سے قیمت اپنے ہاتھ میں [illegible] ان میں ایک [illegible] کہ [illegible] اس سے [illegible] ہو جائیں الحمد للہ ہمارے [illegible] ان کی طرف [illegible] ہے [illegible] تاریخ [illegible] میں ان کے [illegible] کا پورا [illegible] ہے [illegible] مقابلہ تھا ایک [illegible] اور [illegible] طرف سے [illegible] کون ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible]

[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں [

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا الا لیبلغ الشاھد الغائب (صحیح بخاری ۱۶۷۳)

تمہارا آپس کا خون، تمہارے مال، تمہاری عزت آبرو ایک دوسرے پر حرام ہے جیسے آج کا دن ہے ہمارے اس شہر (مکہ) کے حوالے میں اس مہینہ ذی الحجہ میں حرمت کا مہینہ ہے

ذرا غور کیجئے کہ مسلمان کی توہین کرنا، اس کے مال کو ناحق طریقہ سے کھانا، مسلمان کا خون بہانا کتنا بڑا جرم ہے اور اللہ کے نزدیک کتنا قابل نفرت ہے قابل نفرت کے قائل "قد جعل اللہ لکل شیء قدرا" اللہ نے ہر چیز کا ایک پیمانہ بنایا ہے اس کا بھی ایک پیمانہ ہے کہ مال یہ کرنا ہے اس کا طریقہ اور اس کا انداز ہے لیکن علماء کرام، خدا کی کتاب کو نہ کھولیں اور کوئی پوچھے کہ تو مشرک ہو جائے گا، اگر قرآن کوئی سامنے رکھ کر (اس کو دیکھ کر) کہہ دے تو مشرک ہو گا، یہ بات صحیح ہے لیکن سب باتوں سے بڑھ کر ہمارا ادب اس میں علماء حق کا ادب سے تعلق ہے یا نہیں ہے۔

یہ ہے وہ [illegible] ان شاء اللہ کسی دن پڑھ کر آئیں گے کہ کوئی یا کیا تھا

فسیذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں بے شک خدا بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

قرآن بھی ہمیں ہدایات دیتا ہے ہماری ذمہ داریاں بھی ان میں کیا حرمت پوری کر رہے ہیں۔ اس ملک کے رہنے والے مسلمانوں پر کہ آپ کو ہمیں اس ملک میں رہنا ہے۔ اسلام کو باقی رکھنا ہے تو یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کام اور پیغام

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین و من تبعھم و دعا بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان فی الجسد مضغۃ، اذا صلحت، صلح الجسد کلہ، و اذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب

حضرات عالی مقام! مجھے آج یہ بتایا گیا کہ جس مقام پر یہ جلسہ تھا، میں موجود تین سو آدمیوں، نامور ان قوم و ملک میں سے ہوں، نام سے تقریر کا آغاز کروں، بعض اوقات بڑا مشکل ہوتا ہے، ان میں سے کوئی ایک نام بھی رہ جائے تو بڑی بدتمیزی اور ناانصافی تصور کیا جاتا ہے، اس لئے میں سب حضرات معززین کو جو اسٹیج پر موجود فرمائیں، ان سب کا انسانی طور پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں، حضرات! میں یونیورسٹی کی اصطلاح میں امتحان کا مفہوم سمجھتا ہوں، مگر نے بہت سے امتحانات دیئے ہیں لیکن آج بہت بڑا امتحان ہے، مجھے اس امتحان کا بالکل اندازہ نہ تھا کہ مجھے اس طرح خیر مقدم کیا جائے گا، میری حقیر ذات کو اس قدر نمایاں کیا جائے گا، میں درحقیقت ایک خلق کے احترام میں اور ایک نسبت کرانی کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں حاضر ہوا تھا کہ نواب سید الزمن خان شیروانی مرحوم کے نام پر جو یادگار قائم کی جارہی ہے، جس عمارت کا افتتاح ہے، اس کا شرف حاصل کروں، کیونکہ یہ ایک دینی، ملی اور خاندانی فریضہ میرے دوش ناتواں پر ہے، اور میرے لئے بھی بہت باعث اعزاز ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے وہم و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میرے استقبال میں میرے اعزاز میں یا اظہار تعلق کے لئے اتنی موثر مجلس ہوں گی اور ایسے ممتاز حضرات جمع ہوں گے، میرے وہم و گمان میں کہیں یہ بات نہیں تھی، اس میں ایک امتحان کی بات یہ بھی ہے کہ جن الفاظ میں، جس لہجہ میں اور جس تعلیمانہ و ادیبانہ انداز میں میری حقیر ذات کا ذکر کیا گیا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ میں صرف شکریہ پر اکتفا کروں، بلکہ میں آپ کی اور آپ کے موقر ادارہ

یہاں کے شریف خاندانوں نے، اور یہاں کے ان خاندانوں نے ان انسانی نمونوں نے جن کی ایک قابل فخر تاریخ رہی ہے اور جنہوں نے مختلف صدیوں میں اور تاریخ کے مختلف دوروں میں فکر پیدا کئے ہیں، اور انہوں نے ملک اور قوم پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں، اور بعض اوقات انقلاب پیدا کر دیا ہے، ان خاندانوں نے بہترین جگر پاروں اور دلوں نے گھروں کو اور اپنی خاندانی خصوصیات کو بڑی بڑی اوقات صدیوں پر ڈالی تھیں، ہزاروں سال پالی تھیں، اور بعض بعض تیرہ سو پر ڈالی تھی اپنے بچوں پر دل کی تڑپ میں ڈالا ہے۔ عقائد کے ساتھ اور امیدوں کے ساتھ توقعات کے ساتھ، وسیع امکانات کے ساتھ اور بہت گہرے اندازوں کے ساتھ تو وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے۔

مسلم یونیورسٹی کی حیثیت

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا معاملہ محض ایک یونیورسٹی کا معاملہ نہیں ہے، یہ ملت اسلامیہ ہند یہ کے نوجوانوں کی امین، ایک ذمہ دار اور ایک بہت بڑے نواب کی تعمیر کے پرا کرنے والے ادارہ کی حیثیت ہے۔ اگر یہاں ان کی توقعات پوری ہوں، اور ان فرزندوں، ان خاندانوں کے لگائے پاروں کی اچھی تربیت کی ان کو پرورش کی نہیں، بلکہ بنا کر ان کو بہترین اخلاقی تربیت دے کر جس کو میں نے اپنی صبح کی تقریر میں ورد کردار کے لفظ سے ادا کیا ہے، ایک نمایاں اور تعمیری کردار، اخلاقی استقامت، خلاقی حوصلہ مندی اور بلندی اور اعتماد نفس، اپنے علم پر اعتماد، اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کے حاصل کی حیثیت سے یونیورسٹی نے نکلا تو یونیورسٹی نے اس کا ایک شریفانہ جواب دیا اور ان خاندانوں کی کوشش جاہلیت پر احسان کیا، اس یونیورسٹی کا معاملہ کسی اصطلاحی دار کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تاریخی امانت خانہ ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ ایک تاریخی امانی خزانہ ہے، جس کو اپنے ان جواہرات کی پوری حفاظت کرنی چاہئے، ان جواہرات کو آخری حد تک پرکھنا اور تابناں بنانا ہے، وہ جوں کا توں نہ رہنا چاہئے، یہاں سے صرف گریجویشن کا نکلنا صرف ایم۔ اے کا نکلنا بس نہیں ان دلوں کا نکلنا جو امانتوں کے لئے فٹ پائے جائیں، موزوں پائے جائیں، اور جو صرف ملک کے تعمیر کو بہتر صلاحیتیں فراہم کریں، اپنے خاندانوں کی اچھی طرح پرورش کریں، یہ بڑا کافی نہیں۔

میں ایک عمر تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے بھی اور ایک علمی درسگاہ اور ایک علمی

خطبہ فکر کے نمائندہ کی حیثیت سے بھی، وہ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، مرحومہ بیٹھ میں نے آپ کے سامنے پڑھی کہ جسم انسانی میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جو اگر درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، اور وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے۔ اس لئے یہاں کی ذمہ داری سے بڑی ذمہ داری ہے، وہ یہ کہ آپ یہاں سے کئی نسلوں کے واسطہ سلسلہ کے سامنے قرآن اور اسلامی حقائق پر یقین رکھنے والے، اور اسلامی تعلیمات کے پورے صحیح پر عمل کرنے والے نمائندہ ہوں، اخلاقی صحیح کے پابند ہوں، ایک کردار رکھتے ہوں، وہ بلند نگاہی اور خودداری کے حامل ہوں، ابھی ہمارے بزرگ قاری شبیر صاحب نے ایک واقعہ سنایا، شعیب النبی کا، میں کا زندہ تھا، میں نے سنا ہے تھا، پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، ان سے کہا گیا کہ پاؤں سکیڑ لے تو پاؤں سکیڑ لیئے، انہوں نے جواب دیا کہ پاؤں پھیلا تو ہے وہ تو نہیں پھیلا تا، اسی طرح کا قصہ عرب ملک کا سنایا ہے کہ جب میں شیخ ۔۔۔ تھا، ابھی سو رہے تھے، ابھی سو رہے تھے، وہ جو شیخ کی ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے، دفعتاً سے اس دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی اور پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے، تو جیسے کہ قاعدہ ہے کہ استاد بیٹھتا ہے تو طلباء اس کے سامنے بیٹھتے ہوتے ہیں اور دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور جب جاتے ہیں تو ان کا پیٹھ دروازے کی طرف تھا اور پشت قبلہ کی طرف تھی، اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے، اس وقت ایک مشہور ملکی سلطنت مصر خدیوی سلطنت، وہ ابھی فارق پر ختم ہوئی ہے، ابھی پندرہ دن برس پہلے ختم ہوا ہے جو ابھی کچھ ہی پاشا بنا تھا۔

ابراہیم پاشا اس زمانہ میں بڑا خطاب اور بہادر مشہور تھا، وہ شام کا گورنر تھا، اس کی لڑائی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے، اس کو خیال ہوا کہ حضرت کا دیں یہ کر لوں اور ملاقات کروں، رات ایک ہی قافلہ اس نے دوسرے کی طرف سے آیا ہے کوئی کہا کہ حضرت ہزار تکلیف ہو اس وقت پاؤں پھیلائے گا، کہ آتی دیر میں یہ ہو جائے گا، لیکن انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی، دیر تک وقوف کیا، نہ پاؤں سکیڑا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے، وہ پاؤں کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا، اب ان نے شارہ کیا ہے کہ ہم بالکل لڑائی وغیرہ تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے، کیا ہو رہے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی یہ تذلیل

ہوئی۔ مشکلیں باندھ دی جائیں گی اور کہا جائے گا لے چلو وہ کھنڈر بادا اور شیخ دیر تک درس دیتے رہے۔ التفات بھی نہیں کیا اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا۔ کہہ خدا جانے ان بزرگوں کا کیا اثر ہوتا ہے کہ اس نے پوچھیں کہا کوئی سرزنش نہیں کی کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔

سننے والی جو بات ہے وہ یہ کہ وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جو کافر فیوں کا ایک توڑہ غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں آپ جانتے ہیں انہوں نے جواب میں کیا کہا؟ یہ آپ نذر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علمی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انہوں نے کہا اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا جو پاؤں پھیلا تا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یا پاؤں ہی پھیلائے، یا ہاتھ ہی پھیلائے، ایک ہی کام ہو سکتا ہے یہ میں نے جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے اس وقت یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ "ان الذی یسد رحمه لایمدیده" ان ہی الفاظ کے ساتھ مولانا رومؒ نے ان کو نقل کیا ہے

سلم علی مولاک وقل له
ان الذی یسد رحله لایمدیده

بہر حال ہمیں اپنے طلبا کو اس طرح بنانا چاہئے کہ وہ ملک میں اپنے جوہر ذاتی اور اپنی قابلیت اور اپنی زبان دانی، اپنی صلاحیت انتظامی اور اپنی ذہانت اور اپنی کارکردگی سے پہچانے جائیں۔

حضرات! میں ان لوگوں میں نہیں ہوں کہ ان کی اہمیت کا انکار کروں، واقعات پر میری نظر ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ سب چیزیں اپنی اثر انداز ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی نمونہ بنیں گے کہ ہم ضمیر فروش نہیں ہیں، ہم کسی حالت میں ضمیر بیچ نہیں سکتے، اس موقع پر بے اختیار علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آ گئے وہ کہتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنے ملک واپس جاؤں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں مجھے بتائیں۔ ان میں سے کچھ نے کہا کہ وہ بھی واپس جائیں گے۔ کچھ نے کہا کہ وہ ابھی کچھ عرصہ یہاں رہیں گے

جمع ہونے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا، آپ ایسے طلبہ کو نکالیں جو اخلاقی اور دینی طور پر، علمی طور پر، ہر طرح سے ممتاز ہوں، یہ سمجھا جائے کہ علی گڑھ کا گریجویٹ اور علی گڑھ کا تعلیم یافتہ رشوت نہیں لیتا، وہ ناانصافی نہیں کرتا، وہ کسی خاندان کے، رمیون، کسی قوم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتا، جب وہ انصاف کرتا ہے تو بے لاگ طریقہ پر انصاف کرتا ہے، اسی طریقہ سے دینی طور پر بھی آپ ان سکہ بند ہاں، کوئی قوم خاص کر اس عہد قدیم میں اور عہد علم و فن میں، عہد صنعت، عہد ادبیات میں، عہد تحقیقات میں، کوئی قوم کوئی ملت عزت حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنی سند نہ بنا لیں، اپنی زبان کا علمی تفوق، علمی امتیاز کا، اپنی محنت و کاوش کا، قوت مطالعہ کا، اپنی وسیع النظری کا، جب تک کہ وہ اپنا سکہ نہ بٹھا دے، اس وقت تک کا احترام نہیں ہوتا، یہاں سے اپنے نوجوان نکلے جو ایک طرف تو انگریزی پر پوری قدرت رکھیں، اور ان کے اندر علمی و تحقیقی صلاحیت ہی نہیں بلکہ ان کے اندر اس کام کا جذبہ و جوش ہو، اخلاقی و دینی طور پر وہ ایک امتیاز رکھتے ہوں، فرائض کے پابند ہوں، میں صفائی سے کہتا ہوں کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوں، فرائض کے پابند ہوں، ملوک نہیں کہ علی گڑھ کا ایک جج بیٹھا ہوا ہے، جب نماز کا وقت آئے گا تو وہ نماز پڑھے گا، اطمینان رکھو وہ نماز کے لئے ضرور اٹھیں گے ہم نے دیکھا ہے کہ کتنی بھی مصروفیت ہو جب نماز کا وقت آیا تو نماز کے لئے اٹھے۔

یہ بات لوگوں میں معروف و مسلم ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ غلط فیصلہ نہیں کریں گے، رشوت کا نام بھی ان کے سامنے نہ لیا جائے، نہ پھر تمہارا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ بات علی گڑھ کے گریجویٹس علی گڑھ کے فضلاء کے لئے تمغہ امتیاز ہو ایک مثال ہو جیسے آگے آگے ایک جلوس چلتا ہے، اسی طرح سے نیک نامی کا، بلند نگاہی کا، پاک دامنی کا اور عالی نظری کا، گویا ایک جلوس آگے آگے چلے، وہ جلوس انسانی شکل میں نہیں ہوگا، لیکن ان روایات کے شکل میں ہوگا، وہ ان تجربات کی شکل میں ہوگا جو اس کے بارے میں کہے جا چکے ہیں۔ ہمارے ان حضرات میں جن کے ہاتھ میں زمام کار ہے، وہ ہمارے لئے ہر طرح سے قابل احترام ہے اور ان سے ہر طرح کی توقع توقع کی جا سکتی ہے، انہوں نے اور قابل احترام اساتذہ نے تربیت کرنے والوں نے اور ہاسٹلوں کی نگرانی کرنے والوں نے اور علمی طور پر دینے والوں نے کام کرانے والوں نے اگر یہ فریضہ انجام دیا، یہ خدمت انجام دی، تو پھر علی گڑھ کا نام بلند

جس کی روشنی باہر تک پہنچے، میں امید کرتا ہوں کہ میری اس تحریر سے ہمارے ملک کے اپنے بلند ذہن میں علمی اور تعلیمی دماغ میں جگہ دینے کے اور اب یونیورسٹی کا مرکز اس طرح بنانا کہ اس ملک کے مختلف ضلعوں سے مشکلات سے نکلنے کے لئے وہاں آ سکے اس ملک کو سمجھ لیتے ہیں اور یہی ہونا چاہیے اور یہی وہ میدان ہے جس میں ہمارا ملک ہو سکتے ہیں اور ہمارے ملک کے مختلف علاقوں سے یہاں سے نکلے ہوئے فاضل اور ہوشیار اور کامیاب ہو کر آئے ہیں۔

مجھے معاف کیا جائے کچھ عرصے سے اس میں تھوڑا سا تعطل پیدا ہو گیا ہے اس تعطل کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں یونیورسٹی کے عہدہ داروں سے سب سے بڑی کامیابی کا راز یہ ہے کہ یونیورسٹی کا مرکز آپ پنجاب کے اس حصے میں جس کی آبادی ۲ کروڑ ہے اور اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور یہ ہونا چاہیے تھا جس وقت میں وہ قائم کئے جائیں نے یہ ہندوستان کا ۴ حصہ پیدا کیا ہوا ہے اس چلا آئے جنہوں نے ہندوستان کا نقشہ بنایا ہے یہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہیے اس کے ساتھ ہم میں آپ کا شکریہ ادا کرنا بھی بالکل قائم نہیں کی کہ مجھے اس وقت اس کی کمی کا احساس ہے کہ یونیورسٹی کی رہنمائی سے ہمیں کہ یہ ہو سکے ایسے انسان سے یہ خیال کیا کہ کوئی میں آپ کے یہاں زیادہ ٹھہر پائے گا تو میں نہ ہوں لیکن خدا اور رسول کے یہاں مجھ سے یہ سوال نہ ہو کہ خدا نے تم کو ایک ذریعہ موقع دیا تھا تم نے وہاں کوئی بات نہیں کہی، ساتھ ہی ساتھ آپ سے معافی بھی چاہتا ہوں اور آپ کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ

ڈاکٹر نعیم الرحمٰن ابراہیم

ذاتی تعلق، ذاتی محنت اور جذبہ خدا طلبی

۲۵ رجب ۱۴۳۹ھ بمطابق ۱۳ اپریل ۲۰۱۸ء کو جامعہ ابی بکر ملاکنڈ میں ہونے والی سالانہ تقریب میں فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ و طالبات کے سامنے کی گئی تقریر کا تحریری خلاصہ۔ اس تقریر میں ذاتی تعلق، ذاتی محنت اور جذبہ خدا طلبی کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدیم رسم:

مولانا طاہر مشرقی تحریر فرماتے ہیں کہ بہت قدیم زمانے سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ جب کوئی شخص کسی دور دراز مقام پر روانہ ہوتا ہے یا ایک مدت سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت اپنے کسی ایسے شخص یا تجربہ کار سے کچھ نصیحتیں اور کچھ ہدایتیں مانگتا ہے جو اس نے اپنی زندگی کے تجربات سے حاصل کی ہیں۔ اس لحاظ سے اس وقت آپ کی یہ خواہش درست اور صحیح ہے کہ میں آپ کو بتاؤں یا میری جگہ پر کوئی اور شخص اور ہو آپ کو اس موقع پر کچھ ایسی باتیں بتائے جو آپ کو اپنی زندگی کی منزل کی طرف بڑھنے میں مدد دے سکتے ہوں۔ اس تمہید کے طور پر کام میں لائے جانے والے تین مناسب وقت تھے لیکن میرے لیے یہ وقت بہت مشکل تھا۔ میں اپنی ان مجبوریوں سے آپ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ان چیزوں کی طرف توجہ دیں جو میرے خیال میں اس وقت میں مختصر طور پر چند لمحوں کا طالب ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ "ام اللہ" وغیرہ کا ہونے والے بچے سے پہلے کے لئے شروع میں ۷۸۶ کا ہندسہ لکھا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ برکت ام اللہ کے اندر ہی ہے، وہ ۷۸۶ سے نہیں حاصل ہوتی۔

اس کی مثال ویسی ہی ہے کہ پوری کتاب سے چند سطریں لکھ دی جائیں اور اس کو مختصر کرکے پیش کر دیا جائے لیکن جس طرح سے میں نے ابھی عرض کیا کہ ہم نے تقریباً ۸۰ سے ۸۵ صفحات نہیں لکھے، اسی طرح سے کتاب اور مضمون کی بھی اس کی چند سطریں نہیں لکھی جا سکتی ہیں، پھر بھی مختصر میں تین باتیں کہوں گا کہ اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو ان باتوں کو دل پر ثبت کر لیں، ذہن و دماغ کے اندر خانہ میں اچھی طرح محفوظ کر لیں، اس لیے کہ انسان کے لئے جو سب سے زیادہ ضروری اور سب سے زیادہ قابل قدر چیز ہو سکتی ہے، وہ اس کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں، ان میں کم سے کم شریک امکان ہوتا ہے، اس لئے اس وقت میں خود اپنے ہی تجربات آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

ذاتی تعلق:

پہلی چیز وہ ذاتی تعلق ہے، جو مجھے اپنے اساتذہ سے ہمیشہ رہا، وہ تعلق نہیں ہوتا جو طالب علم پڑھنے کے لئے ہو، بلکہ وہ تعلق جو شب و روز کا تھا، اس تعلق و میرے تخلص سے تمام اساتذہ بھی محسوس کرتے تھے اور میں بھی اس پر محسوس کرتا تھا، یہ وہ بھی چیز ہے، جس نے مجھے بہت نفع پہنچایا اور میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اسی کا حصہ ہے، خوش قسمتی سے ندوی تعلیم کا نظام کچھ ایسا رہا کہ اساتذہ کی تعداد کم تھی، اور اس کی وجہ سے ان کی قدر کرنے اور ان سے خصوصی تعلق رکھنے کے مواقع زیادہ تھے۔

کسی طالب علم کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کا رجحان جس فن کی طرف ہو اس کے ماہر اور متخصص کے پاس رہ کر اس سے اپنی صلاحیت کے مطابق استفادہ کرے، بغیر اس رہبر کے وہ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اگر آپ اوپر بڑھنا چاہتے ہیں تو اس کی پیروی کریں، جس کا اوپر پہنچنے کے لئے زیادہ نفع بخش اور مفید ہو، ان طریقے سے اگر آپ تقلید یا کسی اور فن سے لگاؤ ہے تو اس کے ماہر استاذ سے اپنا خصوصی رابطہ قائم رکھیں، اب آپ کے سامنے میں وہ چند باتیں پیش کرتا ہوں، جن کی رہنمائی اور روشنی میں آپ اپنے سفر زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنے زندگی کے لئے ایک شخصیت کا انتخاب کر لیں، یہ حقیقت ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی مخلص بندہ آپ کو نہیں مل جائے تو آپ اس کو اپنا رہنما مان کر اپنی زندگی کی نئی تعمیر شروع کریں، اس میں

آپ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اور جہاں چاہیں اپنی دولت یا اپنی صلاحیتیں خرچ کریں۔ میں آپ سے اس کو واپس نہیں مانگتا۔ بلکہ میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کو کوئی ایسا شخص ملے جو تاریخ کی شخصیتوں میں اس کی تلاش کرتا ہو اور جہاں تک اس بندہ خدا کا آپ کو علم ہو اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیجئے اور چند دن تک اس کی ہر چیز کو اپنے اندر منتقل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اس میں یہ صفت بہت نمایاں طور پر ہے کہ وہ جس چیز کو پسند کرتا ہے اس کو نقل کر لیتا ہے۔ آپ اس کی ہر چیز کی نقل اتارنے اس کے بعد آپ اس سے آگے بھی نکل سکتے ہیں۔ اور اس سے بھی آگے نکل سکتے ہیں۔ جہاں آپ کو اس تعلق کی ضرورت نہ ہوئی۔ اگر آپ یہ بات بہت تھوڑوں کو حاصل ہوتی ہے۔

ذاتی محنت:

دوسری بات جو آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ تاریخ کی شخصیتوں میں سے جس کا بھی نام لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے، اس کی زندگی کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت ہے۔ اس کی نظر، لگن، مقصد کی سچی اور اس کی تڑپ تھی۔ اس کے بعد اس کا استاد چاہیں یا عظیم المرتبت اللہ ہے اس کے لئے کوشش کریں گے کہ اس میں کیا چیز ہے۔ جو بھی بنا ہے، وہ اپنی ذاتی محنت اور جدوجہد سے بنا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اساتذہ کی رہنمائی بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہے تو پھر اپنی ذاتی محنت سے انسان اپنے آپ کو سب سے بہتر بنا سکتا ہے۔

جذبہ خدا طلبی:

تیسری بات جو آپ سے کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اس چیز کی فکر کرنی چاہئے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور جو چیزیں اس کو حقیقت میں کام آنے والی ہے، وہ آخرت کی فکر، خدا کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ چیز نہیں ہے تو خواہ وہ دنیا سے بڑا ادیب ہو، بہت بڑا مقرر و خطیب ہو، یا بہت بڑا منصف و قاضی ہو، اس دولت سے محروم ہی رہے گا۔ ممکن ہے تھوڑی دیر کے لئے اس کو اور کچھ

کی گئی ہیں۔ یہ تقریریں تمہارے لئے علم اور تمہاری استعداد کے لحاظ سے بڑی نعمت اور بہت اچھی ہیں، اور ایک اپنی مستقل پوزیشن رکھتی ہیں۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ تقریریں اور زیادہ بے تکلف اور سادہ ہوں، کیونکہ اچھی تقریر وہی ہوتی ہے جو زیادہ سے زیادہ سادہ اور بے تکلف ہو۔ بقیہ آپ کی تقریریں قابل مبارکباد ہیں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے اساتذہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہیں، اب چند باتیں تم سے کہنا چاہتا ہوں جو تمہارے لئے کی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ بچپن میں سوچتا ہے بعد ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی موقع پر پورا فرماتے ہے البذا جو خیال کرو یا جو آرزو کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں افسوس کرنا پڑے۔ یہ ہے تمہاری بات ہے۔ بچپن کا خیال حقیقت بن کر سامنے آتا ہے، ابھی سے تم یہ ارادہ کرو کہ تم اسلام کا نام روشن کرو گے، اللہ کا پیغام پہنچاؤ گے، اسلام کے لئے اور مخلص داعی بنو گے، ایسا نہ سوچو جو بچے سوچتے ہیں کہ ہم فلمی ایکٹر بنیں گے اور دولت سمیٹ لیں گے، یا ہم خانہ بدوش بنیں گے اور بہت سی باتیں۔ یہ بات بری نہیں ہیں، بلکہ تم کو اس سے بھی اونچا سوچنا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم فلمی ایکٹر کے بجائے کارکن بننے کے بجائے سوچنے لگو یا خانہ بدوش کے بجائے ایلس پی بلکہ اللہ تعالیٰ کو بچپن کی معصومیت اتنی پسند ہے کہ اس وقت بچے جو سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرتا ہے، تم بچے سے اونچا ارادہ کرو اور ابھی سے اچھی آرزو کرو کہ اللہ نے جو پیغمبروں سے کام لیا وہ ہم کریں گے، اللہ کے ولی اور دوست بنیں گے، ہم بہت بڑے عالم و فاضل بنیں گے اور اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے، دیکھو انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ سب کچھ بن سکتا ہے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بھی بڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ انسان میں بہت سی وہ صلاحیتیں ہیں جو فرشتوں میں نہیں ہیں، جب معاملہ یہ ہے کہ آدمی بہت کچھ بن سکتا ہے اور بہت بڑا بن سکتا ہے تو تم چھوٹی اور بری آرزو میں کیوں کرو، تم ہمیشہ یہ آرزو کرو کہ اللہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور تم سے وہ کام لے جس کی امت کو ضرورت ہے، ہماری آرزو اور ہماری تمنا اور خواہش تم سے یہی ہے۔

شوق تو نہ کر کند ہو ہے تیز کر اسلام کو
میرا قوم بھی جاگ جائے میرا بھی جاگ جائے

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج نبوت محمدی ﷺ پر الحاد و دہریت کا حملہ ہے
کوئی شاہین ہے جو اس کے مقابلہ کی سعادت حاصل کرے؟

۳ جولائی ۱۹۶۶ء کو ربوہ میں ایک مجلس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی تقریر کی جو تحریک جدید کے مجاہدین کی [illegible] کی تیاری کی بابت تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ (ناظم)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالیٰ بالحق بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا

طلبہ کی دو قسمیں:

[illegible] کے طلبہ کی تعلیم و تربیت کے متعلق میں تمہارے سامنے چند باتیں رکھنا چاہتا ہوں۔ جامعہ میں کسی تعلیم کی غرض سے کئی دوست آتے ہیں، خدام میں سے آنے والے بھی ہیں یا کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے چھوٹے بھائی سے تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔ بھائی بڑے بھائی سے پڑھنے میں تکلف و تصنع نہیں کرتا ہوتا۔

جو لڑکے یہاں آتے ہیں اور پڑھتے ہیں ان کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ایک قسم تو ان لڑکوں اور نوجوانوں کی ہے جو ماں باپ کے اصرار اور تقاضے یا کسی تعلق سے مجبور ہو کر اس معاشرہ میں والدین کا ادب نہ کرتے ہوئے یہاں آتے ہیں۔ کئی یہ کہتا ہے کہ ماں کا تعلق ہے وہ ماں باپ سے کہ وہ ماں باپ کے حکم کی تعمیل میں یہاں آتے ہیں۔ ان کی یہاں آنے کی نہ تو خواہش تھی اور نہ ان کے دل میں یہ کامل قناعت تھا۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد بجائے اس کے یہاں ان کے دل میں آمیزش کی فضا قائم ہوتی وہ اپنے والدین کے خلاف [illegible] اور

آپ کہتے ہیں کہ ہم یہاں بڑی محنت سے پڑھتے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس چیز سے ہمارا امتحان نہیں لیا جاتا کہ ہم کتنی دیر پڑھتے ہیں۔ بہرحال حقیقت یہی ہے کہ یہاں تعلیم کا کتنا حصہ ہے، یہاں ہمیں کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوتا ہے، ان تمام باتوں سے تو یہ بہتر تھا کہ وہ فیصلہ کرتے ہیں، ہمیں اللہ کے فضل سے کوئی شکایت پیدا ہوئی، اور نہ ہم ان کے متعلق میں کوئی اللہ کی مخلوق واقع ہوئے اور نہ ہم ان کے لئے سوائے خیر کے زبان سے نکالیں گے۔

دوسری طرف سے عبارت ہے کہ وہ خوشی اپنے گھر جائیں، والدین کے سوئے ادب جرأت، ہمت سے پوری بات کہہ دیں کہ آپ نے ہمیں جس دارالعلوم میں تعلیم پانے کے لئے بھیجا تھا، وہاں پر کر ہم مطمئن نہیں ہوئے، ہمارے لئے آپ کوئی دوسرا راستہ تجویز کیجئے۔

دوسری قسم:

اب دوسری قسم وہ ہے جو یہاں آنے کے بعد یا یہاں آنے سے پہلے یہاں سے مطمئن ہوگئی ہے اور جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم یہاں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں نرس بننے کا موقع عطا کیا ہے، خلوص نیت میں عبادت پیدا کرنے کے لئے دین کے طالب کو اور دین کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے اس کے تقاضے پورا کرنے کو جانتے اور ان کے اندر تحمل پیدا کرنے کے لئے اللہ نے بہت کچھ موقعہ عنایت فرمایا، اس کے تمام سامان یہاں مہیا ہیں، تمام ضروری شرائط جو اس کے لئے ضروری ہیں، یہاں موجود ہیں، جن لوگوں کا کسی وجہ میں اس پر اعتماد ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دارالعلوم کی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور علوم دینیہ میں تحمل حاصل کر سکتے ہیں اور یہاں ہم ان مضامین میں جو پڑھائے جاتے ہیں، اچھی نگاہ اور عمق و گہرائی پیدا کر سکتے ہیں، اور بہت سے پہلے اپنے لئے، حال ہے "قوا انفسکم واھلیکم نارا" اور ہر شخص اپنا ذمہ دار ہے "لا تزر وازرۃ وزر اخری" اس کے بعد ہے اپنے والدین کے لئے خاندان کے لئے، ان کے لئے کچھ اللہ کی رحمت اور توفیق سے اپنے سوچنے کے لئے اور توفیق و سلامتی عزیز ہو کر تو ملک کے لئے اور اگر اللہ تعالیٰ جس سے ہم وصلہ اور ظرف عطا فرمائے تو پوری انسانیت کے لئے مفید ہو سکتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ ہم کو

اللہ کا راستہ معلوم ہو جائے بلکہ ہم اس راستہ کی طرف دوسروں کو بلانے کی بھی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نبوت (علیہ السلام) کی نیابت ہے، تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ ولایت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے مخصوص بندوں کو جن سے وہ امامت اور ہدایت کا کام لیتا ہے، ملتی ہے۔ ارشاد ہے "وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون" (ہم نے ان کو پیشوا بنایا، امامت کا منصب عطا کیا کہ ہمارے حکم سے وہ دوسروں کو بھی ہدایت کرتے ہیں) جو یہ کہتے ہیں کہ صلاحیت و توفیق جس کی کوشش سے ہو جاتی ہے، اس سے سوا دو آدمی ایک ہزار ایک، اکھاڑے کی اور اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور شان کریمی سے کچھ بعید نہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمی ہدایت پاتے ہیں اس نے نامہ اعمال میں لاکھوں اور کروڑوں آدمی لکھے جاتے ہیں، جیسا کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے ہیں، حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، حضرت سید شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے۔ آج دنیا میں اسلام میں جتنے مسلمان ہیں، ان میں سے بہت تھوڑی تعداد تشکی کر کے تمام مسلمان چار مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، مسلک حنفی، مسلک شافعی، مسلک مالکی اور مسلک حنبلی!

اب آپ یہ دیکھئے کہ ایک ایک کے حساب میں کتنے لوگ آئے، کروڑوں انسان ایک ایک امام کے حساب میں لکھے گئے۔ اگر ان کے اس زندگی جس وقت انہوں نے مسائل کا استنباط کیا، اور انہوں نے اس سے فائدہ حاصل کرنا شروع کیا، اس وقت تک جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں کتنے کروڑ چلے گئے، اب ان میں یہ بھی تو دیکھو کہ کس خانہ میں گئے؟ نماز کی قرمیں لکھے گئے، روزہ کی قرمیں لکھے گئے، زکوٰۃ کی قرمیں لکھے گئے، امکان اربعہ کی قرمیں لکھے گئے۔ اس تفریق کی تفصیلات میں جو دفتر لکھے گئے، کس کس عنوان کے تحت ان کا اندراج ہوا، کتنی نمازیں ان کے حساب میں آئیں، روزوں زکوٰتوں کے اعمال خیر ان کے نامہ اعمال میں لکھے گئے، آج بھی تمام نمازیں آپ پڑھیں گے یقین کیجئے اس بات پر کہ اس میں ثواب امام ابوحنیفہ، امام شافعی کی روح کو پہنچے گا، اس میں ذرا بھی کلام نہیں، قرآن اس پر شاہد، حدیث اس پر شاہد، اقوال اس پر شاہد اور تعامل سے ہمارے یہاں

بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے پوچھو کہ کیا اس کا ثواب امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کو نہیں پہنچا؟ کیا اس کا ثواب امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل کو نہیں پہنچا؟ جن کے مسلک کے مطابق تم نے اپنی نمازیں درست طریقہ پر ادا کیں، جن کی محنت و استنباط کے نتیجے میں تم میں سے کسی نے اپنی نماز میں دعا سے قنوت پڑھی اور کسی نے چھوڑ دی، ان کو بھی ثواب ملا اور تم کو بھی ثواب ملا۔

یہ کوئی اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے ان کے اجر و ثواب کا؟ آج کون ریاضی دان ہے، جو ان ائمہ اربعہ اور ان محدثین کرام اور ان فقہائے عظام اور ان مشائخ کبار کے ثواب کا حساب لگا سکے، کہ اس کی کوئی میزان متعین کر سکے، کیا کسی کو بھی یہ قابلیت ہے کہ امام شافعی، امام غزالی نے ثواب کا حساب جوڑ سکے؟ امام ابوحنیفہ کے ثواب اسید ناعبدالقادر جیلانی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے ثواب کی میزان مرتب کر سکے؟ کسی میں ہے؟ نہیں ہے، یہ وہ حساب ہے جہاں پہنچ کی ساری مشینیں عاجز ہیں، اور سارے دماغ عاجز ہیں، اور یورپ کے سارے سائنٹسٹ اور ریاضی داں عاجز ہیں۔

عصر حاضر کے فتنے

میرے عزیزو! خوش قسمتی سے تمہارا تعلق اس قسم سے ہے، جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم عربی مدرسہ میں کیوں آئے؟ یہاں آنے کا کیا فائدہ ہے؟ جس کو یہ اطمینان ہے (اگر وہ کسی بھی درجہ میں ہے) کہ ہم یہاں دو گروہ امتوں کی صف میں تو نہیں (کہ اس کی کوئی برائی نہیں کر سکتا) ان کے خادموں اور کفش برداروں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں، لیکن اللہ کے احکام جو دیتا ہے میں کوئی فرق نہیں۔ ان کا فرمان اور اعلان ہے: کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا (۱) وہ کچھ کوئی نیا امام پیدا کرے تو وہ اس پر قادر ہے، وہ کرے، پھر کسی دعا یت کا دس ثواب ملے کرنے کے، وہ کسی کا مسئلہ تا قیامت کبھی نہیں ہے۔

آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں، جو اس وقت تمہارے قلعوں کی مانند جھک رہے ہیں اور پورے پورے اسلامی ملکوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں، وہ صحابہ کرام کے کارناموں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں۔

آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں،

مادیت، خدا، قوم پرستی، نبوت محمدی ﷺ سے آنکھیں ملانے کے تیار ہے۔ آج سیدھے کذاب بنے بنے روپ میں آرہا ہے اور نبوت محمدی ﷺ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔

آج رسول اللہ ﷺ کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈال رہا ہے، آپ کے کلمہ میں شگاف پیدا کئے جا رہے ہیں، آپ کے دار السلطنت پر قبضہ کیا جا رہا ہے، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوتے تو یقین کرتا ہوں کہ شاید وہ فقہ کی تدوین بھی تھوڑی دیر کے روک دیتے اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے کہ تم خوش قسمت ہو کہ فقہ کی مختلف شاخوں کی تدوین کی خدمت تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ اللہ کی حکمت بالغہ اور اس کی قدرت کاملہ نے اس کے لئے پہلے ہی انتظام کر دیا، اور امت کو امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد جیسے ائمہ عطا کئے، جب کہ ایک سو اور ایک سنت کی تاخیر کی گنجائش نہیں تھی تم خوش قسمت ہو، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں آج تمہارے لئے کی اور سے پہچ آزمائی کا موقعہ ہے۔

تمہارے لئے الحاد اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے، یقین کرو کہ اس سے امام حنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد کی روح نہیں، محمد عربی ﷺ کی روح خوش ہوگی، آج لب سے یہ صدا میں گونج رہی ہیں کہ

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بہ میداں در نمی آید جواں رانچ شد

تمہارا میدان:

آج عالم اسلام کی نگاہیں ان نوجوانوں کی طرف لگی ہوئی ہیں، جو ان باتوں کو سمجھنے کی اہلیت، صلاحیت رکھتی ہیں۔ جن کے دلوں نے اپنے نصب و انتساب کے نظام میں اس کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ جب عصر حاضر کا کوئی نیا فتنہ پیدا ہو تو ہمارے فضلاء اس کو سمجھ لیں اور اس کا مقابلہ کر سکیں۔

نبوت محمدی ﷺ پر الحاد و دہریت کا حملہ:

میرے عزیزو! تمہارے لئے کام کے کتنے وسیع میدان ہیں۔ اور ان میدانوں میں تھوڑی

شاید یہاں یہ لفظ ہے ۔۔۔ کہ یہ ایک قصہ کی ایسا ہے جس کو میں بات کہا ہے ۔۔۔ یہاں ۔۔۔ یہ کام ہوتا ہے ۔۔۔ وہ یہ کہتا ہے ۔۔۔ وہ دن ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

نورزلک والعافیۃ للتقوی

بعض لوگوں نے یہاں کیا موقع تھا کہ "نورزلک" کہنے کا آپ سے یہ سارے معاملات ہیں ان سے پوچھ کر فیصلہ کرتا ہے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر ثابت رہو ہم تم سے "نورزلک" نہیں مانگتے ہم آپ سے رزق کے طالب نہیں!

یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رزق کے طالب نہیں ہوتے، پھر اس کی کیا ضرورت تھی" اس کے متعلق عرض ہیں، بعض علماء نے بھی طالب نہیں کہ آپ بھی رزق نے خود کفیل اور ذمہ دار بن جائیں "نحن نرزقک" ہم ہی نے ذمہ لیا ہے "آپ ہم کے ذمہ دار نہیں۔ معلوم ہوا کہ امر بالصلوٰۃ اور اس پر مواظبت و استقامت سے اللہ نے یہاں رزق کا استحقاق پیدا فرمایا ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی دولت و تجارت اختیار کرنے کا اللہ نے یہاں وعدہ فرمایا ہے، خالق کائنات بھی نہیں رکھتا، بلکہ اس کے قبیل میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں، ایک شیر شکار کرتا ہے، اس نے قبیل میں تقسیم ان بخل کے چاروں حصے کرتے ہیں، حضرت نظام الدین اولیاء کے دسترخوان کو دیکھو، اس عہد آخر میں مظاہر علوم میں حضرت شیخ الحدیث کے دسترخوان کو دیکھو اور ان دونوں قسموں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کو دیکھا، ان سے پوچھو کہ ایک شیر شکار کرتا تھا اور کتنے جنگل نے اس کے ہم قبیل کھاتے تھے۔

اللہ کی شان ہے، کچھ ان قسمت کے دھنی پیدا فرمائے اور کچھ ان جیسے طالب علم بنا دیا اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرو، پھر اللہ کی قدرت و رحمت کا تماشا دیکھو!

ایک فیصلہ:

اس بھائی کہنے والوں کے لئے اور جن کے لئے ملنے جانے اور خوشی کی محفل کی ہے، تنخواہ بہت زیادہ ہے، بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہے، لیکن آج جو کچھ آپ نے سنا ہے اس سے دو راستوں میں سے فیصلہ کیجئے!! "جانے کا فیصلہ" یا "رہنے کا فیصلہ" جانے کا فیصلہ ہے تو شریفوں کی طرح اور انسانوں کی طرح! اور رہنے کا فیصلہ ہے تو وہ بھی شریفوں کی طرح اور جوانمردوں کی طرح، طالب علموں کی طرح، صاحب علم اور صاحب ہمت نوجوانوں کی طرح!!

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکیزہ ذوق، علم و مطالعہ کی کنجی ہے

مولانا محمد اویس سلطان ندوی، شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تعلیمی خدمات کے سلسلہ میں ایک مختصر سی تقریب ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ہوا، جلسہ کی صدارت جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی نے فرمائی اور حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی صاحب ندوی کی تعارفی تقریر کے بعد مفکر اسلام نے اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

نصاب تعلیم کا دائرۂ عمل:

ہمارے نصاب تعلیم کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ یہ نصاب اپنی خوبیوں اور امتیازات کے باوجود وہ دیگر ضروریات کو مکمل نہیں کرتا، کوئی ایسا شخص جو مدبر اور حقیقت پسند ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا نصاب تعلیم زندگی کی تمام ضروریات پر حاوی ہے، ہمارا نصاب تعلیم بھی اس کا مدعی اور ضامن نہیں، نصاب تو درحقیقت اس ہلکہ خاص کا ضامن ہے جو انسان کی زندگی میں قدم قدم پر رہنمائی و قیادت کا کام انجام دے سکے، وہ انسان کے اندر ذاتی استعداد پیدا کرے کہ وہ کتابوں سے فائدہ اٹھا کر نتائج اخذ کر سکے، وہ زندگی کے تمام تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کا ضامن نہیں ہو سکتا، قدیم نصاب تعلیم نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا، اگرچہ ہمارے نصاب میں ملکہ پیدا کرنے کی خصوصیت ہے لیکن زندگی کے ہر مرحلے میں ہر انسان کی صحیح رہنمائی کر سکے اس کا وہ بھی مدعی نہیں، آج ماہرین تعلیم کے سامنے یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ نصاب تعلیم کے علاوہ طلباء کے لئے ایسی کیا چیز مہیا کی جائے جو زندگی اور منصب و مرتبے کے تقاضوں کو پورا کرے، اور جس ماحول میں ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہو اس ماحول سے صحیح رابطہ پیدا کر سکے، یہ مسئلہ مغرب کے دانشوروں سے لے کر مشرق کے عالموں تک سب کے لئے ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

ذوق کیسے پیدا کیا جائے؟

ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ طلباء کے لئے کتب خانے مہیا کئے جائیں اور پھر اساتذہ

لڑکوں کے مطالعہ میں طلباء کی دلچسپی نہیں تاکہ طالب علم زندگی کے کاروبار سے بچھڑ نہ جائیں اور جب وہ عملی زندگی میں داخل کریں اور اس پر چھا جائیں تو ان کی زندگی سے اجنبیت محسوس نہ ہو، ایک راستہ یہ ہے کہ اخبار کو وقتاً فوقتاً جیسے ماہرین تعلیم اور علم دوست مخلصانہ مہیا کئے جائیں جو ان کے سامنے نئے زاویے اور نئے حقائق سے طلباء کو آگاہ کریں، اس طریقے کو ہمارے سلف میں بھی اختیار کیا جاتا رہا ہے، یہ مسجد صحن یا نیم برآمدہ ہی تھا جہاں علیہ اور مشرقی وسطیٰ کے علمی مرکزوں میں بھی رائج ہے، اور حقیقت میں یہ بات ابتدائی اخلاقی تحسین، تو صیف ہے کہ مشاہیر مصنفین یہاں آکر اپنے خطبات و محاضرات سے علم و تعلیم کا تحفہ آپ کے سامنے پیش کر دیں، اور آپ کسی اہل علم کی مجلسوں اور محفلوں میں شریک ہوں، کیونکہ علم و فن کا ذوق جب بھی بنتا ہے جب اس علم کی مجلسوں سے، بلکہ قائم ہو جائے، اس کے بعد آسان بات تھوڑے والے کام نے سکتا ہے، لیکن ایسے ملک جب ہی پیدا ہوگا جہاں مختلف مجالس اور محافل میں شرکت کی جائے، یہ سب باتیں وہی سمجھ سکتا ہے، جو علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی محفلوں میں شریک ہوا ہو، وہ تو سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہتے اور ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان میں وہ شعور اور ذوق اور ملکہ پیدا ہو گیا، جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

ذوق کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے کوئی شعر پڑھا جائے تو آپ اپنے اوپر ذوق سے یہ بتلا دیں کہ یہ فلاں شعر ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ کے سامنے انیس و دبیر کے اشعار پڑھے جا رہے ہوں اور ان کو آپ غالب و ذوق کی طرف منسوب کریں، یا مومن کا شعر ہو اور آپ اس کو کسی اور کا سمجھ رہے ہوں، لیکن یہ سب باتیں مختلف محفلوں میں شرکت کے بعد پیدا ہوں گی۔

ہمارے لئے یہ بات افسوسناک ہوگی کہ ہم اس تیز رفتار دور میں جو حیات اسکاٹس وغیرہ کی ابتدائی معلومات سے بھی نہ آشنا ہوں جو اس دور میں لازمی اور ضروری ہے، بلکہ اخبارات و رسائل سے گہرے لگاؤ کے لئے ان کا علم ناگزیر ہے، اس کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اس قسم کی محفلوں میں شریک ہوں اور معلومات حاصل کریں۔

ایک مثال:

انسان کے ذہن میں جب مراتب کا علم نہیں ہوتا اور وہ صوفی بات نہیں ہوتا تو اس حیا اور

ہی کے لئے شرفاء کی مجلس میں شریک ہوتا بھی دوبھر ہو جاتا ہے، جب میں نو عمر تھا اور میں نے "شبلی نمبر" میں مشاہیر ہند کے حالات نہیں پڑھے تھے، اس زمانے میں مولانا سلیمان اشرف صاحب کی مجلس میں شریک ہوا، اس مجلس میں مفتی یوسف صاحب کا ذکر آیا، تو اس تذکرے میں مجھ سے نہ رہا گیا، اور میں یوں اٹھا کہ "مفتی صاحب مولانا عبدالحی صاحب کے داماد تھے" تو مولانا سلیمان اشرف صاحب نے فوراً کہا مولوی صاحب! چپ رہو، اس وقت میری بہت سبکی ہوئی، لیکن اس سے یہ حاصل کیجئے کہ کیا عجب ہوسکتا ہے اس تذکرے میں مفتی صاحب سے اور کوئی مراد ہوں، یہاں یہ سمجھتے کہ ذکر آپ کے سامنے مولانا سلیمان صاحب کا تذکرہ ہو تو ان مراد ہوگا، کئی سلیمان ہیں، جو علم و فضل میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح قاضی مبارک کا تذکرہ ہو اور کسی کو نہ معلوم ہو کہ قاضی مبارک تین ہیں، اب وہ اس محفل میں بول اٹھے تو کتنی سبکی ہوگی، اور شرم ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میں نے علماء کی چند ہی ایسی مجالس دیکھی ہیں، جہاں خالص علمی گفتگو ہوتی تھی، شروع سے آخر تک تذکرہ ہوتا تو علم ہی کا ہوتا تھا، مولانا سید سلیمان ندوی کی مجلس میں، علامہ انور شاہ صاحب کی مجلس اور علامہ اقبال کی مجلس، آنریبل علامہ اقبال کی مجلس میں صرف دو مرتبہ شریک ہونے کا اتفاق ہوا، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اہل کمال یہاں آ کر جو اپنے جوہر کو آپ کے سامنے نکال کر رکھ دیں اور علم کا نچوڑ پیش کر دیں لیکن اس کے بعد بھی آج تک آپ میں کوئی تغیر نہ ہوا اور آپ کی زندگی میں کوئی انقلاب نہ آیا تو یہ بہت بڑی بدنصیبی اور بدنامی کی بات ہے۔

آخر یہاں تاریخ اور خصوصاً علامہ کے ماہرین کو بلایا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ علوم جدیدہ کے ماہرین کو بھی دعوت دی جائے جو فزکس، طبیعیات اور فلکیات وغیرہ پر آپ کے سامنے تقریر کریں۔ اسی طرح ادبی ذوق کی نشوونما کے لئے ادیبوں اور شاعروں کو بھی دعوت دی جائے۔

یہ زمانہ انقلاب کا ہے، آپ کو تمام ایسی معلومات ہونی چاہئیں کہ آپ یونیورسٹی کے طلباء کو کیا مشورہ دیں گے، پروفیسروں کے سامنے بیٹھیں تو بے تکلفی سے گفتگو کر سکیں، اور اس کے پاس بیٹھنے میں احمقیت یا ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ "اصلاح" بھی اسی لئے ہے کہ آپ کے اندر ذوق علم پیدا ہو اس "الاصلاح" کے فائدے کا بڑے بڑے لوگوں نے اقرار کیا کہ اس نے سب کچھ دیا، مولانا نے کتابوں کے مطالعے کے متعلق فرمایا کہ انتخاب بھی بہت بڑی چیز

ہے مطالعہ کرنے سے آپ نے [illegible] کی کتابوں میں شرافت کے نام سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

[illegible]
[illegible]

پھر فرمایا کہ ذوق بھی اسی طرح بنتا ہے آپ اس سے پوچھیں [illegible] فرمایا کہ ذوق کی تشریح نہیں کی جا سکتی یہ تو خدا داد چیز ہے، وہی سمجھ سکتا ہے جو پیدائشی ذوق رکھتا ہے جو شخص فی الواقع ذوق سے بہرہ ور ہوتا ہے وہ ذوق کی مشکل سے پیدا ہوتا ہے آج حیات سماجی کا ذوق مفقود ہے، اسلاف کی بے مثال زندگی کا ذوق بھی مفقود ہے، عربی اور یورپ اپنی عروج و ترقی کی منزلوں کے باوجود انسانی زندگی کا ذوق پیدا نہیں کر سکے آج بھی وہاں مشینوں کی کثرت کے باوجود انسان کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور وہی ہمارے ذہنی اہمیت حاصل ہے خوب یاد رکھئے کہ یہاں جو آپ کے استاد ہیں انہیں سے آپ کا کام چلے گا انہیں نمونہ بنائے ہوئے چراغوں سے آپ کا چراغ روشن ہوگا انہیں سے آپ اپنے دل کا چراغ منور کریں گے آپ یہ چاہیں کہ کسی اور جگہ سے یا اور سے چراغوں سے اپنی زندگی اور دل کے چراغ روشن کر لیں تو یہ ممکن ہے۔

اعتماد، اعتقاد اور اتحاد:

خوب سمجھ لیجئے کہ ان تین سالوں میں شرافت کے آپ سمجھ، ذوق و شوق پیدا کر لیتے ہیں انشاء اللہ یہ ہے کہ آپ استاد اور ادارے سے تعلق، ذوق اور اتحاد کے ساتھ محسوس ہونا چاہئے، تقلص، غیر تعلق اچھے اور برے میں نہیں بلکہ انسان اور غیر انسان کا فرق سمجھنے کے لئے کہیں بھی اصول و ضوابط منضبط نہیں ہوتے بلکہ بات صرف ذوق ہی سے حل ہوتی ہے۔

آج تمام مدارس میں ایک خلا ہے اور وہ یہ کہ استاد اور طلباء میں روابط نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان ایک خلیج حائل ہے اور وہ یہ ہے کہ درس کے استاد اور درس کے طلباء ہو کر رہ گئے ہیں، اس خلا کو پر کرنے کی مدارس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے اس میں مدارس کی کامیابی و ترقی مضمر ہے۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ کیا ہے؟

(تقریر ۲۲ شعبان ۱۳۹۱ھ / ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء جامعہ عربیہ ہتھورا سے پہلے ہونے والے سالانہ جلسہ میں کی گئی)

محمد ابو زہرہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن محمدا عبده ورسوله أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

وهو الذي ينزل الغيث من بعد ما قنطوا وينشر رحمته وهو الولي الحميد

راجستھان کا ایک یادگار دن:

جناب صدر، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب، مولانا عبدالحی فائز، سید فاروق حسن صاحب وزیر اوقاف، علماء کرام، معززین راجستھان و حاضرین محفل!

میں آپ حضرات کی اس عزت افزائی کا شکر گزار ہوں، اور اس سے محجوب اور شرمندہ بھی کہ آپ نے اس بڑے اعزاز کے لئے میری حقیر ذات کا انتخاب کیا۔ میں آپ کو اس صریح یقین دلاؤں کہ جب میں خطبہ استقبالیہ میں اپنے متعلق بلند القاب سن رہا تھا تو میں قدر دلی پانی پی رہا تھا، اپنا قد خود جانتا ہوں، اور اپنی حقیقت نہیں پہچانتا تو وہ کچھ نہیں پہچانتا۔ میں اس لحاظ سے اس نوتیز و نومولود جامعہ کی خدمت انجام دینے کی ضرور اہلیت رکھتا ہوں کہ میں ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، میرا ایک علمی خاندان سے تعلق ہے، اس میں کسی توسیع اور خاکساری کی ضرورت نہیں سمجھتا، اس راجستھان کے ایک عریض خیر خواہ نے بھی۔ میرا قدیم تاریخی تعلق رہا ہے یہ چیزیں میرے لئے ضرور سفارش کرتی ہیں، لیکن بقول شاعر ؎ اعزاز نے مجھے معاف رکھا ہے، وہ ایک بڑی قبا ہے، جو ایک حقیر جسم پر درست نہیں آتی اور جسمانی کمزوری کا اعلان کرتی ہے اور اس کے لئے باعث شرمندگی ہے لیکن

؎ کریماں کار ہا دشوار نیست

میں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ شاید یہ بھی کسی تصنع اور بے جا خاکساری پر

خزاں رسیدہ انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

اس طرح سے یار و مددگار چھوڑ دے۔۔۔

مرض اور مسیحائی کے درمیان اٹوٹ رشتہ:

حضرات! پیاس اور سیرابی، ضرورت اور اس کی تکمیل، مرض اور اس کی مسیحائی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، یہ ازلی اور ابدی رشتہ ہے، جب تک پیاس ہے، سیرابی ضرور ہے، جب تک ضرورت ہے تکمیل ضرور ہے، جب تک مرض ہے اس کے لئے دوا اور علاج کا سامان ضرور ہے، اسی طریقہ سے سحر اور علم سحر، اور ہدایت و گمراہی، اور ہدایت کے درمیان بھی ایک ایسا لطیف اور ایسا قدیم اور دائمی رشتہ ہے جس کی شہادت قرآن مجید سے بھی ملتی ہے، اور انسانی تجربات سے بھی ملتی ہے، آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب ساری دنیا پر خزاں کا دور دورہ تھا، جب انسانیت کی پوری کھیتی، انبیاء کی نگاہ دوڑی کھیتی اور انبیاء کی ہزاروں برس کی کوششوں پر پانی پھر رہا تھا، جب انسانیت کی یہ کھیتی سوکھ رہی تھی، جب انسانیت دم توڑ رہی تھی، اور کھلے دلوں کو صاف نظر آ رہا تھا (اس کے لئے کسی خاص بصیرت کی بھی ضرورت نہیں تھی معمولی بصارت بھی کافی تھی) کہ کوئی گھڑی ہے کہ کٹ رہی ہے، چند گھنٹوں، چند منٹوں میں یہ انسانیت دم توڑ دے گی اور یہ اس کا سانس واپسیں ہے، اس وقت دنیا میں جو بے لبھلا سے دو ملک تھے، کل پکڑ اور شہر تھے، وہ ملک بھی تھے جو ہزاروں برس سے تہذیب و تمدن کا مرکز چلے آ رہے تھے، جہاں علم کی ہوائیں چلتی تھیں، جہاں علم کی کھیتی تھی، جہاں کی زمین سے علم اگتا تھا اور جہاں کا آسمان معلوم ہوتا ہے کہ علم برساتا تھا، لیکن سارے ممالک انسانیت کی چارہ سازی اور انسانیت کی مسیحائی سے تو صرف نہیں تھے بلکہ باغی تھے، منکر تھے، بلکہ وہ انسانیت کے درد میں اضافہ کرنے والے تھے، آپ اگر اس وقت تک کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانیت جس نے فریاد کرنی تھی، انسانیت جس کے خلاف مدعی بنی ہوئی تھی، انسانیت جس کے گریبان میں تھی، یہ وہی بگڑا ہوا متمدن تھا، یہی منحرف علم تھا، یہ وہی شاطر عقل تھی، یہی چالاکی تھی، وہی دانشمندی تھی، جس نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا، جس نے تعمیر کے بجائے تخریب کا رخ اختیار کر لیا تھا، اس وقت یونان بھی تھا، ایران بھی تھا اور ہر را ملک ہندوستان بھی تھا، پچھلی صدی عیسوی یا ساتویں صدی عیسوی میں یہ ملک تہذیب و تمدن کا بڑا مرکز تھا، ان لوگوں کی طرف انسانیت کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں کہ ان کی طرف سے کوئی یہ بیماری کا

جھونکا آئے، ان کی طرف سے کوئی چاں نوازی ہمسائگی کی ہوئی ہو، کوشش ہوئی ہو، ایران کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں، اس نے فلسفہ دیا، تھیں ہوا انسانیت کے، راہ کا دماغ نہ تھا، ہندوستان کی طرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں، اس نے سائنس اور علم دیا، یہ دیا، تھریہ انسان کے مرض کی دوا تھی، ایران کی طرف اس کی نظر لگی ہوئی تھی، اس نے سیاسی اور شاعری دی، تھریہ بھی انسانیت کے درد کی دوا نہ تھی۔

صحرا پیغام دیتا ہے:

اس وقت قدرت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ صحرائے عرب سے انسانی رحمت کے دریا ابل اٹھیں، اللہ کی رحمت کے بادل جوش میں آئے اور وہاں سے دو صوبوں تک پہنچے جو ساری دنیا کو تر کر دیتے، صحرا کا انتخاب صرف اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا کہ وہ سب سے زیادہ محتاج تھا، اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا یہ تماشا دکھانا تھا کہ وہ صحرا جو ایک قطرہ پانی کو ترستا ہے، ساری دنیا کو سیراب کر سکتا ہے، وہاں خدا نے کسی دانشمند اور فلسفی کو بھی نہیں پیدا کیا، صحرا کا بھی انتخاب کیا، اور صحرا کے نبی کا بھی انتخاب کیا۔ اس صحرا میں اور صحرا کے نبی میں بھی ایک لطیف رشتہ تھا اور خاص مناسبت تھی، صحرا عرب کا اور نبی امی، کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ دنیا کے دانشور اس کی توجیہ کر سکیں، اور کوئی حالت معمول کا ایسا تھی رشتہ تلاش کر سکیں اور اس کی ایسی تشریح کر سکیں کہ جس کو علم و فلسفہ قبول کر سکے، آپ کہہ سکیں کہ ایک عالم نے دنیا کو معمور یا اور ایک گلہ گزار مک نے دنیا کو بہار کا پیغام دیا، صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے، اور نبی امی وہ علم دیتا ہے جو علم ہی نہیں سمجھا گیا اور سکھایا گیا ہے وہ علم جیسا علم نہیں تھا، وہ تعلیم بھی تھا، اس میں تعلیم دینے کی بھی صلاحیت تھی، نبی امی ایک شخص کو معلم نہیں پوری امت کو معلم بنانے کی اس میں صلاحیت تھی، صحرا عرب کا، صحرا اور پیغمبر امی جیسا پیغمبر، اللہ تعالیٰ نے یہ دکھادیا کہ ہماری قدرت اور ہماری کارسازی اسباب کی محتاج نہیں، وہ یا اسباب اور ساری دنیا کے تجربات اور ساری دنیا کے قیاسات کے خلاف کام کر سکتی ہے، بحر کی موجوں سے ہے نسبت بادیہ کو، اس کے الفاظ میں اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔

از دم بیتاب آں اُمی لقب
لالہ رست در ریگ صحرائے عرب

اس امی لقب کے نبی سے آب حیات کا وہ قطرہ ٹپکا جس نے صحرائے عرب کے ذرہ ذرہ

پھاڑ کر وہ پھول کھلایا جس نے ساری دنیا کو معطر کر دیا

ہری ہوئی ساری کھیتی خدا کی

حضرات! اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی ہمیشہ دکھاتا رہا ہے اور جب سے عمری نبوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کا یہ حسن ظہور ہے کہ ان کے بعد سے لے کر اب تک جو بھی قدم کہیں رہی ہے اس کا یہ مجموعہ مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں میں مختلف وقتوں میں مختلف حالات میں برابر ظاہر ہوتا رہا ہے اسی ہندوستان کو لے لیجئے۔ بلکہ اس صحرائے راجستھان کو لیجئے جس کو ہم پہلے راجپوتانہ کا صحرا یا راجستھان کہتے تھے یہاں بھی جب مسلمان آئے تو انہوں نے علم کی روشنی پھیلا دی ہے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوئی ساری کھیتی خدا کی

انہوں نے صرف دہلی کو یا صرف اجمیر و ملتان کو یا صرف لکھنؤ اور جون پور کو ہی شیراز کا مصر نہیں بنایا بلکہ دکن اور آخر دور میں قریبی شیولوک کو بھی انہوں نے علم و آب مرکز بنا دیا اور آپ اپنے اس راجستھان و حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ ہری کھیتی ہے۔ ہلکی ہری سے علم کی کونپلیں ہوئی اگر ہم یہ دیکھیں کہ راجپوتانہ کا ہندوستان کی علمی تحریک اور ہندوستان کے علمی کوششوں کی تاریخ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس نے ایک قائد نہ کردار ادا کیا ہے۔ دور اول میں دکھو اور دور آخر میں لکھنؤ نے اپنے امتیاز کا لوہا منوایا۔ اپنے علم و کی ذہانت اور تحقیق کا اور ان کے بھی شغف کا لوہا منوایا۔ ان کے تعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ ان کی نصف صدی سے کم ہوا کہ ہری کی روایت وہ فاضل نوجوان ہیں جن کو دنیا ابوالفضل اور ابوالفیض کے نام سے جانتی ہے جو مبارک ناگوری کے بیٹے تھے کہ پہلے ہمیں ان کے ذاتی حالات سے یا اتفاق کہیں اور ان کی تاریخ پر تاریخ کی بحث سے پڑے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ وہ وطہ کے یہاں پہنچے تھے ہیں لیکن جہاں تک ان کے خاندان کے تعلق ہے ان کے بھی تعلق ہے ان کی ذہانت کا تعلق ہے، جہاں تک فیضی کی شاعری اور ابوالفضل کے زور قلم اور تاریخ نویسی کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آخری دو صدیوں سے لے کر تک میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہوئی تو ہمارا قریب کا یہ شہر جس کو شاید راجستھان کے باہر بہت کم لوگ جانتے ہیں وہ بہت ہی اہمی مرکز بن

گیا اور وہاں ایسے علما پیدا ہوئے کہ جن سے فیض حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے۔ علامہ سید رضی نوگی اور پھر ان کے بعد مولانا تلمیذ برکات احمد صاحب کے علمی و تعلیمی فیوض و برکات ہندوستان اور ہندوستان سے متجاوز ہیں۔ ان کے علاوہ نوگھہ میں جو جید اور روزگار علما پیدا ہوئے گر آپ ان کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں تو اردو میں بلکہ عربی کی کتابوں میں بھی ان کے حالات ملیں گے۔ جس وقت عالم اسلام نے تمام کتب خانوں میں موجود ہیں۔ آخری دور میں مولانا محمود حسن خان صاحب نوگی کا نام لیتے ہوں، ان کے ذکر سے ہر ارباب فکر سے واقف ہوگا جیسا کہ میرے تعارف میں کہا گیا ہے کہ میں مشرقی افریقی کے عرب ملکوں سے قریبی تعلق رکھتا ہوں اور میں وہاں آتا جاتا رہتا ہوں، وہاں کی علمی مجلسوں اور وہاں کے جامعات میں بھی خطاب کرنے کا مجھے موقع ملا ہے۔ جب بھی مولانا محمود حسن خان نوگی کے علمی امتیاز اور علمی کارنامہ کا ذکر کیا گیا تو لوگوں کے چہرے پر ایک حیرت اور آنکھوں میں ایک تجسس کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ہندوستان کی سرزمین میں وہ نوگھہ کو نہیں جانتے وہ راجستھان کو بھی نہیں جانتے، وہ ہندوستان کو جانتے ہیں (البتہ) بڑی بڑی عظم ہندوستان نے اتنا بڑا مصنف پیدا کیا، جس نے بہت سے مصنفین کو زندہ کردیا، مصنفین ہی نہیں بلکہ ان مصنفین کے کارناموں کو بھی زندہ کردیا۔ "معجم المصنفین" کے نام سے انہوں نے ایک کتاب لکھی، جہاں تک میری تحقیق اور میری معلومات ہے، میں ہزار صفحات میں دو کتاب لکھی گئی، کیا کوئی یقین کرسکتا ہے کہ یہ ایک تنہا شخص کا کارنامہ ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہر جگہ میں ایک اکیڈمی جو کام کیا کرتی ہے، ہمارے یہاں مسلمانوں میں ایک آدمی کام کیا کرتا تھا، اس ایک آدمی نے ایک اکیڈمی کا کام کیا، معجم المصنفین نے صرف ہندوستان ہی کے مصنفین کو زندہ نہیں کیا بلکہ تمام عالم اسلام کے مصنفین کو ان کا زمانی رقبہ یعنی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک اور ان کا مکانی رقبہ کابل سے مدینہ سے لے کر اناطولیہ، بدخشاں، فغنہ اور تاشقند تک ہے، ان کے حالات پر سے پردہ اٹھایا، افسوس ہے کہ اس کی چند ہی جلدیں شائع ہوسکیں ہیں، لیکن پھر بھی اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے، یہ میں آپ سے کہتا ہوں، اس راجستھان ہی نہیں بلکہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا میں آج جامعہ ہدایت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا، اس سے چند میل کے فاصلے پر جو ایک گمنام سا شہر ہے، میں اس کی ایک تنہا شخصیت کا کارنامہ بیان کررہا ہوں تو

صحرا کا سفر، اور تصنیف سے اور تحقیق سے ایک خاص رشتہ ہے اور یہ رشتہ جو عرب کے ایک نبی کے ذریعہ قائم ہوا ہے، یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور آج بھی آپ اس جنگل میں جو منگل دیکھ رہے ہیں، آج آپ کو جو ایسی صورتیں یہاں نظر آرہی ہیں، آج آپ کو اس اسٹیج پر معززین نظر آرہے ہیں، یہ بھی درحقیقت اس نبی اُمّی کا فیض ہے، قیامت تک جو کچھ ہوگا اسی کے طفیل ہوگا۔ اس نے جو علم کی شمع روشن کی تھی۔

یک چراغ است دریں بزم پر تو اں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

جہاں بھی آپ کو کوئی علم کی شمع جلتی نظر آئے گی اس شمع اس دیئے سے جلایا ہوا دیا ہوگا، یہاں جو شمع ہدایت آپ دیکھ رہے ہیں اور جس جامعہ ہدایت کے نام سے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، یہ اسی روشنی برحق اور اسی ہادیٔ کامل کی شمع ہدایت کا پرتو ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے۔

علماء ہند کی علمی خدمات:

حضرات! یہ جامعہ ہدایت کن بنیادوں پر قائم ہو رہا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا کیا پیغام ہے؟ یہ کس ضرورت کی تکمیل کرے گا؟ یہ کس خلا کو پُر کرے گا؟ اس کے متعلق میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ ہے کیا چیز؟ مدرسہ کی کیا ضرورت ہے؟ مدرسہ کی معنویت اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا ان بلند و بالا جامعات کی موجودگی میں جن کا ایک نمونہ یہاں آپ کو راجستھان یونیورسٹی کی شکل میں بھی نظر آئے گا اور یہاں کالجوں کی شکل میں بھی نظر آئے گا، ان عصری جامعات کی موجودگی میں ایک جامعہ ہدایت کی ضرورت ہے؟ ایک عربی مدرسہ کی ضرورت ہے؟ اس کے متعلق نہایت مؤدبانہ طریقہ پر مولانا عبدالحی صاحب فائز نے بلانی عربی زبان کی اہمیت بتلائی، عربی زبان کی اہمیت اب سب کو تسلیم ہے، ایک زمانہ تھا کہ ندوۃ العلماء نے عربی زبان کی اہمیت کی آواز بلند کی اور آج سے ۹۵-۹۰ سال پہلے یہ کہا کہ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے، اس کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھنا چاہئے اور مثل زبان کی طرح اس میں کمال پیدا کرنا چاہئے، اس وقت اس طرح بلند کی گئی جیسے کوئی جنگل میں آواز لگائے اور اس کا کوئی سننے والا نہ ہو، آج زمانہ نے جس انقلابات نے ثابت کر دیا اور دنیا کی ترقی نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا ہے اور عربی زبان کی اہمیت پر جو ان روشن ضمیر علماء نے آج سے

(۲) "انشائے اصداد" (مولانا محمد ابراہیم خلیل کی تصنیف) ۱۸۱۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ اردو زبان کی پہلی صرف و نحو کی کتاب ہے۔

(۳) "دستور اصباغ" (مولانا محمد ابراہیم خلیل کی تصنیف) ۱۸۱۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ اردو زبان کی پہلی صرف و نحو کی کتاب ہے۔

یہ دونوں کتابیں ہندوستانی علماء کے قلم سے لکھی گئی ہیں۔ اس طرح یہ سب سے پہلے کی

مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ کس درد کی دوا ہے۔ یہ مدرسہ جو قائم ہوا ہے خدا کی پناہ سے اور چاہتے ہیں کہ کیا ہے شاہ صاحب اور یہ ادارہ جو بنایا ہے اس نے کیا کیا ہے اور کس درد کی دوا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد تعلیم ہے؟

حضرات! ہم دینی مدرسے والے ہیں۔ ہم کچھ تعلیم کے بارے میں اور ان پڑھنے لکھنے والوں سے مختلف ہے۔ ہمارا ان سے تعلق کا ہی رکھتے ہیں یا ان سے تعلقات رکھتے ہیں۔ میں مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے اور پڑھانے والوں کا ادارہ نہیں سمجھتا۔ میں مدرسہ کی حیثیت وتسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مدرسہ اس طریقے سے چلانے والوں کو یوں کہنا چاہئے کہ پڑھنے لکھنے والوں کا ایک مرکز ہے۔ وہ ہے کہ داخل ہو جائیں۔ میں اس کو مدرسہ کے لئے از حیثیت دینی کے مناسب نہیں سمجھتا۔ میں اگر مدرسہ بناؤں گا تو میں خود مدرسہ جاؤں گا میں اس پر اپنا حیثیت دینی کا مقدمہ قائم کروں گا۔ میں اگر دینی مدرسہ کے لئے

اسے اور مدرسے کو صرف اتنا سمجھ لیتا ہے کہ وہ جب پیدا ہوتے تو لکھنے کا ہنر لکھانے لے کے بہت سے کارخانے ہیں، بہت سے مراکز ہیں، کوئی اسکول کہلاتے ہیں، کوئی کالج کہلاتے ہیں، ان کے مختلف معیار اور مختلف سطحیں ہیں، اسی طریقے سے مدرسہ بھی عربی زبان یا عربی علوم و فنون، فقہ اور دینیات تفسیر و حدیث سکھانے کا ایک مرکز یا کارخانہ ہے، میں مدرسہ کو دین رسول و خلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے، تحفظ دین کا راستہ دکھانے والے افراد پیدا کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو دین سازی اور مرد سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں، جس طرح فیکٹریاں کرتی ہیں مختلف قسم کی، کوئی سوئی فیکٹری ہوتی ہے، کوئی شوگر فیکٹری ہوتی ہے، کوئی کپڑے کی اور فلاں فلاں چیزیں بناتی ہے، دوسری الیکٹرک کے سامان پیدا کرنے کے بہت سے کارخانے ہیں، ہم ان کی بہت قدر کرتے ہیں، ہم ان کی ملک میں ضرورت تسلیم کرتے ہیں، ہم ان کو تحقیر نہیں کرتے، لیکن چیزوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں، مدرسہ اس عرض کے پرزے لکھے آدمی پیدا کرنے کا مرکز نہیں، مدرسہ ایسے لوگوں کے پیدا کرنے کا مرکز ہے جن کا ابھی آپ سے کے سامنے ذکر کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ مدرسہ ایسا کر رہا ہے یا نہیں اور ہر مدرسہ یہ کرنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس کا اس اصول سے بہت سے کوئی تعلق نہیں، میں مدرسے کے ایک خادم کی حیثیت سے اور مختلف مدارس سے تعلق رکھنے والے کی حیثیت سے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بہت سے مدارس یہ فرض انجام دینے سے قاصر ہو گئے ہیں، پہلے یہ فرض انجام دیا کرتے تھے، اب یہ فرض وہ انجام نہیں دے رہے ہیں، لیکن کیا ان مدارس کو یہ فرض انجام دینا چاہئے؟ مدرسہ کا فرض کیا ہے؟ مدرسہ کے پیروکار کیا کام کرتے؟

مدرسہ کا شجرہ نسب:

حقیقی مدرسے کی بنیاد اور پہلے مدرسے کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسے کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی تھی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی گئی، فرنگی محل، ندوۃ العلماء، دار العلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسے کی بنیاد مسجد نبوی میں رکھی گئی، اور مدرسے کا نام "صفہ" تھا، آپ مجھے معاف کریں میں مدرسوں میں صحیح النسب مدرسہ اور حقانی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں جس کا شجرہ نسب صفہ نبوی پر جا کر ختم ہو، میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں جس کا شجرہ نسب کعبہ براہیمی پر جا کر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو، میں اس

کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد بنانے کی تلقین قرآن مجید نے نہیں کی ہے اور آپ کو کوئی لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مسجد مسجد ضرار بنانے کی جس کا شجرہ نسب ابرہہ اور محمد جیسے اسلام کی بڑی بڑی مسجد پر ختم نہیں ہوتا اور مدرسہ مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ بنانے کا جس کا شجرہ نسب صفہ نبوی کی بنا پر ختم نہیں ہوتا اور مسجد نبوی کی بنا پر ختم نہیں ہوتا اور اولاد رسول ﷺ ملمان پر ختم نہیں ہوتا اور صدیقی دعویٰ پر ختم نہیں ہوتا۔ یا اور سیدوں کے نسب پر ختم نہیں ہوتا۔ ان مسلمان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا، جنہوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنہوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنہوں نے اپنے خون سے اس گلشن کو سینچا ہے، جنہوں نے اپنے کو پیغام دیا کہ اپنا زیور مقصود ہے اور اپنا زیور نہ ہونا ہے لیکن اس کے زیور کو نہیں، جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا کر کے دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر، اس نے ان کا سلسلہ آکر پر ختم ہوتا ہے، انہوں نے بھوک خندق میں پیٹ پر دو پتھر باندھے تھے، دوسرے نے بچوں کا پیٹ کاٹ کے ان کو کھلانے کا انتظام کیا، جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام مدارس دار کیسی مدرسہ کا کام آسمان سے نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسے پڑھا لکھا انسان بنانا ہے جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور نہ کرے، مدرسہ کا کام قرآن سنانا نہیں ہے کہ دنیا میں جو حقیقت کا انکار کر رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ مذہب میں صرف ایک حقیقت زندہ ہے اور سب حقیقتیں مر چکیں، اخلاقیات مر چکے، صداقت مر چکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے، وہ ہے مفاد، اس کا نام لے کر ہر قیمت پر مفاد کو بیچ کر، شرافت بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، دنیا کو بیچ کر، صرف بیچتے چلے جانے کا پیشہ ہے، اس وقت مدرسہ کا اعلان کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ انسان مٹی نہیں ہے، بلکہ جانے میں بہت ہے، جھوٹ میں دولت ہے جو لوٹنے میں نہیں اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ دولت میں بعض مرتبہ دولت سے جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے، یہ ہے مدرسہ کا کام اور آج مدرسہ کا کام دنیا کے سارے کاموں سے زیادہ مشکل ہے، آج مدرسہ چلانے کا کام سہل نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہدایت کا سلسلہ قیامت تک بنیاد کی پتھر بنا رہے۔ میرے

کتابوں کا بوجھ سے نہیں رکھا جا رہا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے رکھا جا رہا ہے، اور رکھا جا چکا ہے۔ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ یہ واقعہ ۱۴ سو برس پہلے پیش آ چکا ہے، اور دنیا کے چپے چپے پر جامعہ ہدایت ہو چکا ہے، جب تک یہ زندہ ہے، جب تک انسانیت کے اندر ولی ماں اور حق باقی ہے، جس کے معنی حقیقی انسانیت کی حق ہوتی ہے، اس وقت تک دنیا کا کوئی حوصلہ ہدایت سے خالی نہیں، یہ جامعہ ہدایت در حقیقت ان حقیقی جامعات ہدایت سے خاندان کا ایک فرد ہے، یہ کسی پنج کا انداز نہیں، ایک تسلسل ہے، وہ تسلسل ہو دنیا میں کسی بڑی سے بڑی چنگیزی، بڑی سے بڑی کسی قسم، بڑی سے بڑی شہنشاہی اور زور شمشیر سے اس کی اولی دور مصیبت کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا، مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ انسان پیدا کرے، وہ اس بات کے بلند دعوے کرنے لگے، ہم سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں، آج دنیا بلا مدرسی ہندی کے ہاں کچھ نہیں، کہاں کا مدرسہ اور کہاں کا کتب خانہ، کہاں کے اصول و کہاں کے معیار، ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ایک بازار ہے، اس میں ہر ایک اپنی جنس ہنر اور اپنی جنس مال ہاتھ پر رکھے ہوئے بیچنے کے لئے آیا ہے، لیکن ہم اس نقطۂ نظر سے تعلیم نہیں کرتے، ہم یہ تعلیم نہیں کرتے کہ دنیا ایک بازار ہے، ایک منڈی ہے، یہاں جو آئے وہ سب سے کر جائے اور بیچنے والے صرف متعلقہ قیمت لے، ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی کو بیچنے میں کچھ دیر لگ جائے، اس لئے نہیں کہ اس کو اپنی جنس کمال اور اپنا جنس مذہب اور اپنا جنس اخلاق زیادہ عزیز ہے، بلکہ اس کی اس کے منہ مانگے دام نہیں مل رہے ہیں، جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا اور جب وہ میں دیکھا گیا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی تھی، یہ محض زیب داستان کے لئے کہی جاتی ہے، اور اس کا کوئی وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، معقول و نامعقول چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں ہے، خوبی و خامی، صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں، اصل چیز آج ہے، اصل چیز تو عافیت ہے، اصل چیز تو عہدہ ہے، اصل چیز تو سوا لاکھ ہیں، اس وقت مدرسے ایسے لوگ پیدا کرے گا، کوئی پیدا کرے گا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان، جس نے کہا کہ نہیں، ہم نہیں جائے اور ہم کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیجئے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم بن لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر مکمل زوال آ چکا ہے۔ مدرسے نے بھی ایسے لوگ پیدا کئے ہیں میں آپ سے کہتا ہوں کہ چند مثالیں دیتا ہوں کہ مدرسے

کیسے آدمی پیدا کرتا ہے، اس تھوڑے سے وقت میں تجھ آپ کو اس تقریب میں شرکت کرنے سے اور آپ سے دو باتیں کہنے سے ہیں، میں مدرسہ کی پوری تاریخ آپ کو نہیں سنا سکتا، اس لئے کہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ مدرسوں کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ایک ایک مدرسہ پر کئی کئی جلدیں لکھی گئی ہیں، میں مدرسہ کی تاریخ کیا کہوں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دوں گا کہ یہ مدرسہ ۱۳۸۰ھ میں قائم ہوا تھا، ۱۳۸۰ھ سے لے کر ۱۴۰۰ھ تک اس مدرسہ میں اتنے طلبہ نے تعلیم پائی، اتنے طلبہ نے دورۂ حدیث کیا، اتنے طلبہ نے دورۂ حدیث کے بعد تخصص فی الفقہ کیا، اتنے طلبہ نے دورۂ حدیث کے بعد تخصص فی الادب کیا، یہ ہے مدرسہ کی تاریخ، اس سے زیادہ تاریخ آپ کو نہیں سنا سکتا، اس لئے کہ آپ پڑھنا چاہیں، زیادہ سے زیادہ آپ یہ پڑھنا چاہیں گے کہ اس مدرسہ کی تاریخ کیا ہے، اس مدرسہ کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں تو موجود ہیں، میں آپ کے سامنے چند اور باتیں

یہ ہے مدرسہ کی شان:

امام مالک کا زمانہ ہے، مدینہ منورہ کی آبادی ہے، مدینہ منورہ میں ہر طرف سے علم کی بات بھی آتی ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ آج کا مالک بن انس، آج کا امام مالک، آج اس وقت کا سب سے بڑا امام، دین کے کسی گوشہ میں لوگ پوچھتے ہیں کہ امام مالک سے کسی نے کیا سوال کیا ہوتا تھا اور سب مراجعہ کر رکھتے تھے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، جب آسمان سے اس امام امام مالک سے تلمذ کا شرف حاصل ہے، یہ امام مالک آخری عمر میں اپنی عمر بھر کی اجتہادی خدمات سے ہاتھ اٹھا کر مسجد نبوی میں بیٹھتے تھے، مدینہ منورہ کے محدثین اور علماء میں ان سے بڑا امام آپ کو نہیں ملے گا، آپ دربار میں زینت فرما ہیں اور خلیفہ کے صاحبزادوں کو حق پڑھا رہے ہیں، خلیفہ کے شہزادے اور امراء کے لڑکے حق پڑھ رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ آپ کے گھر سے ان علم کی تو مجھے عزت کا مسئلہ شروع ہوا ہے، آپ کے گھر سے لوگوں نے علم کی تو قیل کا حق لیکن ہے اور آپ ہی کے ہاتھوں اس کی تذلیل ہو، یہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے، علم کے پاس آیا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں جاتا، چنانچہ امین دارالحکومت بغداد گئے اور انہیں نے امام مالک سے درس لیا، یہ ہے مدرسہ کی شان، یہ میں نے آپ کے سامنے ایک نمونہ رکھا۔

دوسرا نمونہ دیکھئے:

حضرت عطا کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے منصور کو ایک مرتبہ نصیحت کی، اور لوگ

کبھی وہاں محفل میں بیٹھے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ سے کہنے شروع کئے۔ پھر آپ نے فرمانا شروع کیا کہ اصل چیز تو علم دین ہے اور ان کا مقصد کیا ہے آپ سے ہم ان نے خون کا بھی کی تحقیق بعد سے ان پوچھ لیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا علم ہوتا ہے کہ حضور نے کہا کہ رائے قائم کرتے ہیں ہمارے دوستوں کے قریب تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کیوں اٹھا سکتے کیوں؟ انہوں نے کہا تھے یہ انہیں نہیں ہے کہ آپ اس سے کیا تحقیق ہے کہ آپ خدا کو ناراض کر لے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے ارادہ کر لیا کہ اب ہم نہیں جائیں گے۔ کوئی شخص یہ بات نہیں کہتا تھا کہ حضور نے کوئی شخص یہ بات نہیں کہی کہ آپ نے ہمارا وقت ضائع کیا اب ہم آپ کو تیسرا واقعہ سناتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھیں گے کہ علم کی بڑائی ہے۔ ایک بزرگ تھے شیخ عبدالحق جو بڑے پہنچے کامل بزرگ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے اور جیسے کہ قاعدہ ہے کہ مسجد میں پشت پر قبلہ ہوتا ہے اور ان کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ دائرہ سے بنا کر بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا چہرہ دوسری طرف تھا اور پشت قبلہ کی طرف تھا اور پاؤں دوسری طرف کئے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک شخص ہندوستانی سلطنت سے ہندوستان کی سلطنت جو انگریزی فوج نے فتح کر لی تھی۔ اس سے پہلے مغل حکومت تھا۔ محمد علی پوشا کا دیوان تھا۔ ہم پڑھا کرتے تھے۔ اور جو مشہور تھا۔ وہ شخص کا نام تھا اور ان کی خانگی کے تھے وکیلوں کی زبانوں پر تھے۔ اس وقت یہ خیال ہوا کہ میں حضرت کا دین ہے۔ ہندوستان کے ملاقات کریں۔ ہندوستان کے وقت ان کے پہنچے ہوئے ہیں۔ ان سے ملاقات کریں۔ یہ خیال تھا کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو اس واقعہ پر پاؤں سمیٹ لیں گے۔ اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ انہوں نے بالکل ذرا سی حرکت نہیں کی۔ وہ اسی طرح پاؤں پھیلائے ہوئے رہے۔ پاؤں کو ذرا سی حرکت نہیں دی۔ اب ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم کل زردہ تھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ یہ ہندوستان کی تاریخ ہے۔ ہندوستان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی یا تو کیسی ہوئی مثلیں بنا دیں کہ ہم کو کرنا ہے۔ کہا کہ وہ تو ہمارا ہندوستان تک دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں لیا اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا۔ حضرت جانے ان لوگوں کا کیا اثر

ہوتا ہے کہ اس نے کچھ کہا نہیں، کوئی سرزنش نہیں کی، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا آیا۔ سننے والی بات یہ ہے، دیکھنے کی یہ کہ کیا یہ معجزہ ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ڈھیر تو، اغلام نے ہاتھ اٹھایا اور کہا کہ شیخ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یہ تیرے نذرانہ قبول فرمائیں۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔ یہ آپ نہ سے لکھنے والا، اہل خطا جو صدیوں تاریخ میں بھیشہ روشن رہے گا۔ انہوں نے کہا اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ یا پاؤں تک پھیلائے یا ہاتھ ہی پھیلا لے۔ ایک ہی کام ہو سکتا ہے دنیا میں۔ جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ اب تک ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ ان الذی یصلح حلہ لایصلح (الخ) انہی الفاظ کے ساتھ مورخ نے اس کو نقل کیا ہے۔

جامعہ ہدایت کے طلبہ اور فضلاء کو ہدایت:

میرے دوستو اور بھائیو! تمہیں ایسے مدرسہ کی ضرورت ہے اور ہم توقع کرتے ہیں کہ جس مدرسہ کا نام ہی جامعہ ہدایت ہے، وہاں کے طلبہ اور فضلاء کو اس سے یہ ہدایت ملے گی کہ وہ غیرت اور خودداری سیکھیں دنیا والوں سے اور علماء ربانیین سے اور ان کے واقعات سے تاریخ لبریز ہے اس خودداری کا سبق سیکھیں کہ پاؤں پھیلانا ہیں یا ہاتھ پھیلانا ہیں۔

آج ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو چاہے پاؤں نہ پھیلائیں، میں نہیں کہتا کہ پاؤں پھیلائیں۔ میں نہیں کہتا کہ آج زمانہ میں جرأت کا مظاہرہ ہے، میں نہیں کہتا کہ اس زمانہ کی تہذیب اس کو گوارا کرے گی یا اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ بے ضرورت پاؤں پھیلائے جائیں۔ بے ضرورت پاؤں پھیلانے کی میں تبلیغ نہیں کرتا، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ہاتھ نہ پھیلائے۔ عالم وہ ہے کہ جو ہاتھ نہ پھیلائے، آج ہمارے مدرسوں کو ایسے آدمیوں کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور دنیا کو اور انسانیت کو ان عالموں کی ضرورت ہے جن کے متعلق تجربہ ہو جائے کہ یہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے نہیں ہیں اور آج جس بزرگ اور گرامی ذات سے اس جامعہ کا انتساب کیا جا رہا ہے، انہوں نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے، وہ ہاتھ پھیلانے والے نہیں تھے اور ان کی روح جب ہی خوش ہوگی جب اس جامعہ سے وہ لوگ نکلیں جو دنیا کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ آج ہمیں یہ منظر نظر آ رہا ہے کہ سب نے کسی نہ کسی شکل میں ہاتھ پھیلا رکھا ہے۔ کسی کے ہاتھ پھیلے نہیں ہیں، اس نے کہ ہاتھ پھیلانے کا ان کو

کے کہ لوگوں نے اپنی خرافات پر آنچ نہیں آنے دی، اپنی عزت پر کمل نہیں آنے دیا، بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کر لیا لیکن اس کے لئے تیار نہیں کہ وہ اپنی اس عزت، اس سطح اور معیار سے نیچے اتر آئیں۔ میں صرف ہندوستان کو نہیں کہتا میری نگاہ ساری دنیا پر ہے، میں ساری دنیا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں اور یہ میں جو آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں یہ میں ہر جگہ کہتا آیا ہوں، یہ نہیں کہ میں آج آپ کے سامنے پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں، میں نے عربوں کے سامنے بھی یہ بات کہی، میں نے ان سے کہا کہ ہم نے تم سے خودداری کا سبق سیکھا تھا، ہم نے تم سے ایمان کا سبق سیکھا تھا، ہم نے تم سے استقامت کا سبق سیکھا تھا، میں نے صرف زمانہ میں جب عرب اپنے آپ میں نہیں تھے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہی تھی، اس وقت میں نے ان کا گریبان پکڑ پکڑ کر ان سے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ ایک چیز کو خلاف سمجھتے ہیں، اور آپ اس کے پیچھے کس طرح دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

عالم ہر زمانہ میں قبلہ نما ہے:

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باتوصلہ اور ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے جو اس ضمیر فروشی اور اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کی مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا، اپنی جگہ پر کھڑا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتا دے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملک میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔

یہ جو مقصد جامعہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان مقاصد عالیہ پر اس کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور حقیقت میں ہر دینی مدرسہ کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے اور یہی اس کی اصل قدر و قیمت ہے، ان کو آپ ان کی عمارتوں سے نہ پہچانئے، آپ ان کے بوریوں اور وہاں کے فرنیچر کی کمی اور وہاں کے پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کی تنگی دامانی، ان کی بے بضاعتی سے ان کا وہ قائم نہ کیجئے جیسے کہ کہنے والوں نے کہا کہ گدڑی میں لعل، اور فقر و فقیری میں وہ شاہانہ مزاج رکھتے ہیں، ان کا مزاج شاہانہ ہے اور ان کا لباس فقیرانہ ہے، یہ ہمارے علماء سلف تھے، اور آج ہمیں علماء سلف کی اس وقت ضرورت ہے۔

مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا:

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ اب کے انگریزی کے عربی کے کالج بن چکے ہوتے، لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں، وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا۔

حضرات! میں ان الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کی عزت افزائی کا اور بانیان مدرسہ خاص طور پر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب فاروقی کی ذرہ نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم اور مقدس اور اس بزرگ اور علمی مرتبہ کام کے لئے مجھ جیسے طالب علم کا انتخاب کیا، جو کچھ میرے متعلق کہا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ بھی کیجئے کہ اس دن تخلیہ رسوائی سے بچائے جس دن (یوم تبلی السرائر) کا ظہور ہوگا۔ اب میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے اور صحیح معنی میں اس کو سرکز بنائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دارارقم جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا

(یہ مضمون حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کی ایک اہم تحریر ہے جو ۲ جولائی ۱۹۹۰ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں "دارارقم" کی دریافت اور اسے گھیر کر سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر پڑھی گئی۔)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ واذکروا اذانتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسلمانوں کو خطاب کرتے "واذکروا اذانتم قلیل مستضعفون فی الارض" یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، بے سہارے تھے، انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور بہت کمزور سمجھے جاتے تھے تو کمزوری کے ساتھ معاف کیا جاتا ہے دوسروں کے ساتھ کیا جاتا تھا تم کو جو چاہتا تلف دیتا اور جو چاہتا پریشان کرتا اور روئے زمین پر تم کو کمزور سمجھا جاتا تھا "فاواکم" تو اللہ نے تم کو پناہ دی "وایدکم بنصرہ" اور تمہاری مدد کی اپنی نصرت خاص سے اور تمہاری حفاظت فرمائی اور دست گیری کی "ورزقکم من الطیبات" اور تم کو عطا کیں بڑی بڑی نعمتیں تاکہ تم شکر کرو۔

جب میں قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھتا ہوں تو ذہن "دارارقم" اور شعب ابی طالب کی طرف جاتا ہے، وہ "دارارقم" کون سی جگہ تھی، "دارارقم" وہ محل تھا جس میں مسلمان کفار کی اذیت سے اور ان کی سنگ دلی سے اور ان کے وحشت ناک معاملات سے بچنے کے لئے اللہ کا نام اطمینان کے ساتھ لینے اور نماز ادا کرنے کیلئے پناہ لیتے تھے اور بہت بڑے بڑے جلیل القدر نامی گرامی صحابی وہیں پر آکر اسلام لائے، جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت سعید بن زید خطاب بھی وہیں گئے اور انھوں نے بھی کلمہ پڑھا یہ تھا "دارارقم" جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا اور شعب ابی طالب وہ جگہ تھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پناہ میں پڑی اور ان کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا گیا تاکہ کوئی سودا بیچنے والا ان کے پاس نہ پہنچے کوئی غذائی سامان نہ پہنچائے لیکن اس

میں کامل شریف ان کی بلندی سے تھے اور کسی طرح سے کوئی نقص نہیں پایا جاتا تھا اس سے ان کی
بلندی قائم رہے اور ان کی عزت و امتیاز کی جو کیفیت تھی وہ اسی طرح قائم رہے اور اس سے
کسی اور کے ساتھ قائم کیا جائے۔ باہر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ و تعلق نہ پیدا ہو پائے۔

آج میں عرض کر رہا تھا کہ جب تک یہ بات پیش نہ کی جائے کہ کوئی بات کس حد تک درست ہے
واقعہ ہیں یا نہیں اس سے صحیح فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے یا ہے پیش کرنے والے کے ارادے
کیا ہیں۔ اس کی بھی تحقیق کی جاتی ہے اور دلیلوں کی بھی جانچ کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب ہم اس
بات پر غور کریں گے کہ آیا ان روایتوں میں جو شیعہ حضرات کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں اور
خلفائے راشدین کے زمانے میں اور پھر خلافت امویہ اور پھر خلافت عباسیہ کے زمانے میں
جو بات ہوئی ہے خلافت بنی امیہ کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تو تضاد کی
وجہ سے خلافت ٹوٹ گئی اور ملوکیت قائم ہو گئی اور خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں جو
خلافت ٹوٹی جب بغداد میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بنی امیہ کے
مزار قائم کئے گئے اس کے بعد جب اسلام اسپین میں گیا اور اندلس میں کئی تو وہاں کے خلفاء
اور بادشاہ کا تو کہنا ہی کیا ہے میں ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں کہ جس نے اندلس کی
اس مرحوم اور بدنصیب سرزمین کا دو مرتبہ سفر کیا ہے اور وہاں کے محلات اور عمارتوں کو
اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان کے متعلق جو کچھ لکھا پڑھا تھا اس کو اس سرزمین پر
جا کر اس کی صحت کو دیکھا ہے اور وہاں کی بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے اور مقبروں کے بارے میں بھی
جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ ہے ہم نے قبر کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بھی
ہے کہ اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس کی تحقیق بھی
کی ہے اور

تفہیات جلد سوم ۔ ۔ ۔

اذا لبيعة لنفس ، تركت عليها
فتلك الاله الحرب بين القبائل

لیکن نور ایک ہی ہوگا عربی زبان کے جو عالم ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں نور کی جمع کہیں نہیں آئی، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ نور کی جمع بلاغت کے خلاف ہے، کیونکہ جمع انوار ہو سکتی ہے لیکن اس لئے نہیں آئی کہ نور ہے ہی ایک، جب کوئی چیز ایک ہو تو اس میں جمع ہو ہی نہیں سکتی اگر کہیں مثلاً ایک عالم ہو تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہاں علماء ہیں ایک عالم کہا جائے گا، کہیں گے کہ یہاں حفاظ ہیں اور اگر ایک حافظ ہو تو وہ اور قرآن جیسے اس کو معلوم نہیں کہا جائے گا اس کے آس پاس کوئی بڑا حافظ نہیں ہوگا تو سارے قرآن مجید میں ظلمت کو جمع کے لفظ سے لایا گیا ہے "یخرجکم من الظلمات" اللہ تعالیٰ تم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لاتا ہے تو نور ایک ہے اور وہ نور محمد کے بعد تقریباً ۱۵ اور ۱۶ سو سال کے بعد جب حضرت عیسیٰ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اور نبی ﷺ مبعوث ہو جانے کے بعد تقریباً ۱۵، ۱۶ سو سال لگتے ہیں کہ نور پھیل مرتبہ چکا، مکہ معظمہ سے چکا اور وہ اور قرآن اس کی پناہ گاہ بن گیا اور جتنی ظلمتوں کا مرکز بن گیا پھر اس کے بعد یہ نور تمام دنیا میں پھیلا، آج اس کو پھر پھیلانے کی ضرورت ہے، آج بہت سے علاقوں میں بہت سی قوموں میں اور بہت سے ملکوں کی آبادی میں یہاں تک کہ ہمارے بڑے ترقی یافتہ ممالک امریکہ اور برطانیہ جیسے ملکوں کو دیکھا ہے کہ بچے بڑے کوئی پیدا کرنے والا نہیں جاتا ہے اور نہ حساب دیتا ہے، جس نے انگلش میں ایک تقریر میں کہا تھا حاجی قاری صاحب نے یہ آیت تلاوت کی "ولولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کیا باغوں کیلئے باغ بنوائے تھے دوست تھے، ایک نے کہا باغ تھے وہ محقق تھی ایک کچھ پینے والا تھا وہ فخر کرنے لگا کہ یہ سب میرا ہے اور یہ ہے تو دوسرے نے کہا ارے تم جب اپنے باغ میں آتے تھے اپنے چلتے پھرتے باغ میں گلزار میں آتے تھے تو اللہ یاد کرتے اور یوں کہتے "لولا اذ دخلت جنتک....." اللہ نہ چاہے جس وجہ سے تو تم نے یہ کہا کہ ان سب کچھ کیا جان اللہ نے سب کچھ تو دیا ہے لیکن کوئی ماشاء اللہ کہنے والا نہیں ہے یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ ملک دین ہے یہ اللہ نے دیا ہے تم کو۔

آج بھی دنیا میں بہت سے ترقی یافتہ ممالک ہیں جن نے اپنے خالق کی پہچان ہے اور پیدا کرنے والے کی نہیں ہے تو یہ یوں میں کہ یہاں تم اللہ نے پیدا کیا "اللہ" نہیں دلاتے ہیں کہ اللہ اکیلا ہے اس کی عبادت کرنا چاہئے اس کو راضی کرنا

مشکل ہے اور بعد میں اس کا حل نکالنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے وقت پر
محنت کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ ہمارا وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے
اور ہمیں اپنے کام کے لیے زیادہ وقت مل جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے کام میں
زیادہ لطف آتا ہے اور ہم اس کام کو زیادہ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں وقت کی
قدر کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں
اپنے وقت کو اچھی طرح استعمال کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے وقت کو اچھی طرح استعمال کرنا
سیکھنا چاہیے۔ ہمیں اپنے وقت کو اچھی طرح استعمال کرنا سیکھنا چاہیے۔ ہمیں اپنے وقت
کو اچھی طرح استعمال کرنا سیکھ

وقت کا سب سے بڑا جہاد

[illegible]

الحمد لله رب العالمين

والصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

[illegible]

وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء

[illegible]

[illegible]

تاریخ کے تمام رائج نظاموں سے آپ کو معلوم ہے کہ پرانی حکومتیں یا بادشاہت معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں ذاتی سلطنتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا آزاد اور خانہ بدوش سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں تھی پولس کا اسے ان کا جدید مائیکل تک قدیم میں کسی خاص عقیدہ کسی خاص فکر یا مقصد پر ان کو عبارت قائم نہیں اب یہ تصور قائم نہیں ۔

ایک ایسے ملک کی جمہوری حکومت جیسے آج سے ہزاروں سال پہلے آباد ہوئے تھے جس کی آبادی نے مختلف عناصر نسلوں اور صدیوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف تہذیبوں اور رنگا رنگ (Cultures) اور طرز معاشرت کے مختلف مادی پیمانوں پر عقیدہ رکھتے ہوں اور وہاں کے باشندے ہوں ایسے عزیز رکھتے ہوں لیکن وہ حکومت دانشمندانہ اور تجربہ کارانہ نقطہ نظر سے غیر جانبداری (Sehularism) اور عدم تشدد (Non Violence) کے اصول کو تسلیم کرتی ہو اور ایسی ملک کے اتحاد و باہمی اتفاق امن سکون اور ترقی و خوشحالی کے معاملات کے لئے ضرورت کچھ ہو اور انہیں تینوں اصولوں (جمہوریت غیر جانبداری اور عدم تشدد) ملک کی آزادی کیلئے جدوجہد کرنے والوں اور انہیں کامیاب ہونے والے دانشمند رہنماؤں نے اپنی وسیع مطالعہ عمیق فکر و نظر اور حقیقت پسندی اور حب الوطنی کی بنیاد پر اس ملک کے لئے شاندار صحیح اور اس دنیا کی اصول کا درجہ دیا ہو جس کی صداقت اور عقیدہ اور عمل کی توسیع تاریخ اور عملی ثبوت مکمل ہو چکی ہو اور اس کا کوئی متبادل طریقہ کار نہ ہو ایسے ملک کے آئین سازوں نے نتیجے اور نظم و نسق (Administration) کی مساوات اور غیر جانبداری نظر عمل کے ساتھ اس ملک کی تعلیم گاہوں پرائمری اور سیکنڈری (Primary and Secondary) ایجوکیشن سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں تک ہر حیثیت سے تعلیم کسی ایسے فرقے (خواہ وہ اکثریت میں ہوں) عقائد روایات تہذیب تمدن اور رسم و رواج کا ترجمان و کفیل اور رائج نہیں کا آئینہ دار ہو اور وہ ملک کی تاریخ کو اس طرح پیش کرے کہ کسی فرقہ اور مذہب کے ماننے والوں سے پڑھنے والوں میں نفرت اور تلخی نہ پیدا ہو ان کی حقارت دل و دماغ میں پیوست ہو کر اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اکثریت کے مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) خیالات و روایات بلکہ عقائد دیومالا (Mythology) کی تلقین روکی ہو اس طرح عمل سے ملک کی آبادی مختلف مذاہب میں جن کو یا مذہب عزیز ہے یا تو شدید مخالفت پیدا ہو گی یا بعض فرقوں میں احساس کمتری

پہنچنے کی کوشش کی اس سے پہلے کہ میں کچھ کہہ سکوں۔

میں نے کہا "میں نے اپنی تعلیم اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس بات کی کوشش میں گزارا ہے کہ میں اپنے ملک کے لوگوں کی مدد کر سکوں۔ میں نے اپنے ملک کے لوگوں کی مدد کرنے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے

اصول اور اخلاق کی پابندی [illegible] [illegible] [illegible]

چراغ زندگی اور دستور العمل

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے مدرسہ نور العلوم نئی کلاں مالے مدینی میں مدرسہ کے طلبہ و اساتذہ کرام کی موجودگی میں پر اثر تقریر فرمائی جو مدارس اسلامیہ کے طلباء کے لئے مشعل راہ اور دستور العمل ہے۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیه سوف یری ثم یجزاه الجزاء الاوفی "

میرے عزیزو! میں سمجھتا رہا ہوں کہ آپ سے خطاب کرنا ہے اور بہت عرصہ کے بعد آپ سے بات کرنی ہے حق ادا کرنے کی کوشش کرلی ہے جو حق ہم پر عائد ہوتا ہے وطنیت کا بھی جوار کا بھی اور علمی اشتراک کا بھی اور مقصد کے اتحاد کا بھی اور دعوت کے تقاضوں کا بھی کیا کہا جائے کہنے والی باتیں تو بہت ہیں وقت تھوڑا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت دل میں ڈالی جس میں پورا پیغام ہے آپ کی زندگی کا پورا نظام اس کے اندر ہے زندگی کی کمر طے کرنی چاہیے زندگی کے لئے سامان پیدا کرنا چاہیے زندگی دینی زندگی ہو تو زندگی ہو دنیوی زندگی ہو اصلاحی زندگی ہو سب کے لئے کس طرح تیاری کرنی چاہیے اور اس تیاری کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اس لئے کہ انسان ڈھنڈ ت میں ہے لیکن کوئی قاعدہ بھی معلوم ہونا چاہیے وقت کا کیا فائدہ ہے؟ زندگی کا کیا مقصد ہے؟ فلاں چیز کا کیا فائدہ ہے؟ اور فلاں میدان کا کیا تقاضا ہے؟ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور دنیا کے سامنے اس میں پوری زندگی کا نظام پیش کیا ہے اور پورا قانون پیش کیا ہے اور اب آپ اس آیت کو جو ترجمہ اس کا ہوا ہے اس کو اپنا دستور العمل بنالیں اور اس آیت کی صداقت پر آپ ایمان لے آئیں اور یقین کرلیں اور دل سے اس کو اتار لیں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے دنیا کے تمام حکماء اور

بڑے بڑے ماہرین کوئی بھی کوئی بات کہتے ہیں کہ یہ ہوگا اور ایسا ہوگا اس کا یہ نتیجہ نکلے گا تو اس کا پورا وثوق اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ زندگی کا تجربہ ہے اور تاریخ کا مطالعہ ہے کہ کتنے آدمیوں کی پیشین گوئی غلط نکلی اور کیسے کیسے فائدے فلاں فلاں چیزوں کے بتائے گئے تھے ان میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ پوری تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ اس کا یہ خاصا ہے یہ کرو گے تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ تو پھر اس کے خلاف ہو نہیں سکتا پھر ایسی کیا بات ہے کہ کہی جائے کہ اس کو آپ اپنے دستور العمل بنالیں اس کو اپنا چراغ زندگی بنالیں اور اس کی روشنی میں آپ چلیں۔

کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا

یہ آیت جو ہم نے پڑھی ہے یہ خاص طور پر ہماری تعلیم گاہوں کے لئے اور اصلاحی مراکز کے لئے اور خاص کر ان مراکز کے لئے جہاں پر نوجوان ہوں اسکے اور مدرسے کے بچے، فرزند ہوں جن کی اٹھتی ہوئی عمر ہے اور جاتی ہوئی کشتی ہے تو ان کے لئے اس آیت میں پورا دستور العمل ہے۔ اور ایک چراغ راہ دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان لیس للانسان الا ما سعی" انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہے یہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں وہ جب کہہ رہا ہے کہ کوشش شرط ہے اور انسان کی کوشش ہی کا نتیجہ نکلے گا تو پھر دوسرا انسان کیا کہہ سکتا ہے کہیں ہے انسان کے۔ لئے مگر جس چیز کی اس نے کوشش کی ہے۔ "وان سعیہ سوف یری" اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کہ اس کی کوشش کا نتیجہ دکھائی دے گا آنکھوں کو دکھائی دے گا کہ جو کوشش کی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا پھر اس کے بعد بڑی بشارت دیتا ہے۔

"ثم یجزاہ الجزاء الاوفی" "الاوفی"

اس تفضیل کا صیغہ ہے اتنا آپ جانتے ہوں گے؟ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا بھرپور بدلہ زیادہ سے زیادہ جو ایک انسان کی کوشش کا نتیجہ اس کی توقع ہے اس نے استحقاق سے اس کی محنت کی مقدار سے بھی بڑھ کر نکل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بشارت سناتا ہے کہ ہوگا ایسا" اور ساری تاریخ بتاتی ہے علم کی تاریخ بتاتی ہے دعوت و اصلاح کی تاریخ بتاتی ہے کاموں سے اشتراک کی تاریخ بتاتی ہے۔ تحقیقات و تصنیفات کی تاریخ بتاتی ہے اصلاحی کاموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوشش کا نتیجہ نکلا بعض اوقات ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات کوشش سے زیادہ نکلا کوشش کا جو بیج تھا

اس کا ہونا ضروری تھا اس سے بہت بڑھ کر تعلیم کا وہ نتیجہ کوشش کے ساتھ سے بہت بڑھا ہوا تھا اس سے بڑھ کر بشارت کیا ہو سکتی ہے؟ آپ کو یقین اس بات کو اور دل پر لکھ لیں کہ ہم کوشش کریں گے تو کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا امید ہے کہ کوشش کی نیت سے بڑھ کر نکلے گا توقع سے بڑھ کر قیاس سے بڑھ کر نکلے گا اور اس کے لئے کسی بہت بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے نہ اس بڑی دولت کی ضرورت ہے نہ کسی بڑے اونچے خاندان کی ضرورت ہے نہ بہت اعلیٰ درجے کے معلم و خاندان کی ضرورت ہے۔ نہ بہت مہنگی کتب خرید کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہے نیت کی ضرورت ہے تجدد کی اور پختہ روی کی ضرورت ہے۔

درس نظامی اور ملا نظام الدین سہالوی

تاریخ اسلام کو بہت بڑی ہے اس کی مثالیں دینے پر آئیں تو دن بھی کافی نہ ہوگا ہندوستان ہی کو لیجئے کہ کن لوگوں کا آج دنیا میں نام ہے جن لوگوں کا اس وقت دنیا میں کام سمجھا جاتا ہے وہ کیسے پورے کے پورے دور سے پائی ہیں اور ساری دنیا نے ان کے علم کے آگے سر جھکا دیئے وہ کون تھے کہاں پیدا ہوئے تھے؟ کہاں پڑھا؟ آج ان بستیوں کا نام بہت کم لوگ جانتے ہوں یہ درس نظامی جو ہندوستان میں کئی صدیوں تک پڑھا جاتا ہے اور جس کو مدرسہ رحیمیہ قائم کر کے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تازہ کیا تھا اور جس کا ذکر ہم نے اپنی پچھلی تقریر میں بھی کیا تھا آپ نے پڑھا ہوگا ہمارے اللہ صاحب نے بھی کتاب "درس نظامی" لکھی ہے لیکن کس کی طرف اس کی نسبت ہے ملا نظام الدین جی کہاں کے رہنے والے تھے؟ سہالی کے رہنے والے تھے۔ سہالی کہاں ہے؟ اٹاوہ یا اس کے قریب میں کوئی بھی دیہات ہے یہ دونوں میں ایک ہی بات ہے ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے ہیں پھر انھوں نے درس نظامی کی جو شکل بنائی ہے اس کی پابندی کو اور جس نے مضامین کی تجویز کی ہے مضامین کی تجویز کو ساری دنیا نے مان لیا ہے وہ جیسے تصنیفات کے رہنے والوں نے بھی یہ کبھی خیال بھی نہیں ہوتا کہ مضامین نظامی میں سب سے اونچی کتاب جو سب سے زیادہ دقیق سمجھی جاتی ہے وہ ہے شمس بازغہ یہ شمس بازغہ کون سے ایک علمی لکھی ہوئی ہے مشکل ہے بڑے بڑے علماء دس دس بار بڑھا یا اس کو پڑھانا ان کا گھنٹہ ایک معیار سمجھا جاتا تھا درس نظامی آپ نے پڑھا ہے؟ درس نظامی میں شمس بازغہ آپ نے پڑھی ہے؟ سمجھ گئے؟ اسی طرح سے شمس کی کتابیں درس نظامی میں ہوتی

اہمیت کی حامل ہیں یہ چند لمحے کے آدمیوں اور فرشتوں کے چند لمحوں کی عملی دلیل ہیں بات تو یہ ہے کہ محبت اور حسن نیت و اخلاق یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو پھر وہ ناقص نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے دیکھئے کیونکہ علم الغیب ہونا بھی ایک بڑی بات ہے لیکن وہ قادر مطلق بھی ہے عالم الغیب بھی ہے مخبر صادق بھی ہے اور رب الاولین بھی ہے وہ جب فرماتا ہے اعلان کرتا ہے اور اس کی ذمہ داری لیتا ہے "ان سعیہ سوف یری" اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا تو پھر دنیا میں اس نے بعد پھر کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی یہ حواس میں خلل ہی ہو سکتا۔

علم اور کمال

رب الاولین اور الآخرین رب القدر القادرین عالم الغیب والشہادہ رب الاولین والآخرین وہ جب کہتا ہے کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا بس آپ اس چیز کو پلے باندھ لیجئے دل پر لکھ لیجئے کہ آپ کو محنت کرنی ہے پھر نتائج اللہ پر چھوڑ دیں یہ ہے کہ اس کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا اور بڑے سے بڑے اس کمال اس کو دیکھیں گے مثلاً یہ بات ہے کہ صرف دنیا کے قوانین آپ جانتے ہوں اور ان کی آپ کو شش ہو اور توجہ ہو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عربوں کو دیکھے ہوئے تھے اور پڑھے ہوئے بھی تھے تو ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے بہت سے عالم دین کے مضمون سنا دیں کہ خدانخواستہ کہیں ہم نے تحفہ کی جگہ پر کہہ دیا کہ وہی چند پتھر یہ حدیث سب پر پانی پھر جائے گا لوگوں کا بیٹھنا اور سننا مشکل ہو جائے گا یہ آپ کو معلوم ہے کہ غلطی کا مزاج اور ماحول پر اثر پڑتا ہے جیسے ہوا کا اثر ہوتا ہے ایک دم سے زکام ہونا آ گیا یا ایک دم سے کھانسی ہونا آ گیا یا پانی پڑتے ہی کسی آدمی کا بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی ایک غلطی آپ نے کی کوئی غلطی یا صغیرہ غلطی یا کبیرہ غلطی یا معصیت تو آپ نے مرتکب ہو دیا جہاں الف لام نہیں داخل ہونا چاہیے وہاں الف لام داخل ہو گیا تو جو بے چینی سی آپ کی تحقیقات میں لگتا ہے آپ نے متعلق کہا گیا ہوگا ایسے فاضل ہیں فلاں جامعہ کے ہیں تو وہ علماء کے فاضل ہیں یا دیوبند کے فاضل ہیں سب بے کار ہو جاتا ہے ہم نے مضمون لکھ دیا ہاں کے حالات کے مطابق "الحوادث الجامعۃ" کا رسالہ فلسطین "جو وہاں کے سب حال تھا کہ جو الیہ پیش آیا فلسطین میں مسجد اقصیٰ اور قدس شریف یہودیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور یہودیوں نے پاس پہنچ گیا وہ ان کے تحقیقی اسباب تھے اس کے بنیادی اسباب کیا تھے؟ وہ تو ہم ایسے ہی سنی سنائی باتوں پر موقع لیتے ہیں تو یوں نہ لیتے ہیں لیکن اس میں تحقیقی اسباب کیا ہیں؟ کیا چیز اتحاد کو ناپسند ہوئی کہ جس کی وجہ سے اس نے نقشہ ہی بدل دیا بالکل اور وہ یہودیوں کو کئی ہزار برس سے حکومت کرنے سے محروم تھے ان کو حکومت مل گئی ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے قرآن کی روشنی میں حدیث کی روشنی میں ہم نے مضمون لکھ الحوادث الجامعۃ سے کہ رسالہ فلسطین کا ہیں پڑھ کر سنایا کہ اس کو کہ مسلمان اور غیر مسلم عیسائی بھی آ رہے ہوں تو وہ بھی متاثر ہوں اور قائل ہوں پھر ہم نے کہا اتنے بڑے فاضلوں کے سامنے اور بڑے بڑے ان تذہ کے سامنے پروفیسر ساوہان کے سامنے پروفیسر کے سامنے اور دوسروں کے سامنے اور دیوبند کے سامنے مضمون پڑھیں گے تو ہندوستانی ملک کا اثر پڑتا ہے جو غلط اثرات آزاری غلطی ہوگی تو پھر دلوں کا بیٹھنا مشکل ہو جائے گا سننا مشکل ہو جائے گا اور اثر نہ آئے گا پھر تو پھر کہنا نہیں لیکن تو ہم علامہ کفایت اللہ دہلوی کے پاس گئے تو اس عہد کے بڑی کے عالموں میں سے تھے شاید سب سے بڑے عالم وہاں علامہ رشید رضا مصری صاحب مجلہ "المنار" کا جب انتقال ہوا ان کی تقسیم فاضل رہ گئی تھی تو انہیں کا شاگرد ہوا تھا یہ حل کریں بلاغ بھی ان کی ادارت میں دیا گیا ہم ان کے پاس گئے ہم نے کہا کہ شیخ ایک

مضمون پڑھنا ہے۔ مشق یوں تو ہر کلاس میں ہم چاہتے ہیں کہ پہلے کے آپ کو سنائیں آپ دیکھ لیں اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ہمارے استاد ہمارے مخدوم اور ہمارے سرپرست علامہ سید سلیمان ندوی کے دوستوں میں ہیں (یہ ہمیں معلوم تھا) تو آپ کو سنانے میں کوئی شرم نہیں آتی چاہیے انہوں نے کہا نہیں! نہیں! تو آپ کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کی تو کتاب ہے (اصل الاصل) سمجھتے ہوں گے آپ کن لفظوں پر زور دیتے ہیں (جیسے شریف آدمیوں اور مخلص دوستوں کو کہنا چاہیے) ہم نے کہا نہیں آپ کو سن لینے انہوں نے سنا اول سے آخر تک کچھ نہ کہا کوئی غلطی نہیں نکالی پھر وہ ایک لیکچر دینے لگے کہ آپ تو الف لام کے استعمال میں بڑے محتاط ہیں ورنہ بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ کس ملک پر الف لام آتا ہے کس پر نہیں آتا ہے یہ بالکل صحیح چیز ہے قیاس نہیں عربوں نے جس پر الف لام داخل کر دیا تو اس پر قیامت تک الف لام رہے گا اور جس پر داخل نہیں کیا ان پر بھی داخل نہیں کر سکتا مثلاً مصر پر الف لام داخل نہیں ہوتا مصر کا نام نہیں لیں گے المصر نہیں کہیں گے لیکن عراق پر داخل ہوتا ہے تو العراق کہیں گے عروق نہیں کہیں گے۔ شام پر نہیں داخل ہوتا ہے عرب پر داخل ہوتا ہے اس نے عرب نہیں کہے گا العرب کہے گا۔ یمن پر الف لام آتا ہے اس نے الیمن کہا یمن نہیں کہے گا۔ یمن ملتا ہی نہیں آتا ہوں کہ ملتا ہی نہیں نے الیمن ہی نہیں کہا یمن نہیں کہے گا تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے صرف واقفیت ہے کہ کس ملک پر عربوں نے الف لام لگایا ہے اور کس پر نہیں لگایا ہے اتفاق کی بات ہے ہم نے ایک لطیفہ سنایا کہ آپ سے پہلے دہلی کے ایک علامہ کے ایک غیر عالم کے پاس گئے اور انہوں نے عربی میں کہا انا ذاہب یا انا ذاہب من المدینۃ الی مکۃ میں المدینہ سے مکہ جا رہا ہوں کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن یہ الف لام نہیں آتا کہیں نہیں آتا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے شاید بات ہے اور مدینہ پر آتا ہے کہ نہیں مدینہ کہتے ہیں تو المدینہ معلوم ہونا چاہیے کہ کہاں سے مخصوص شہر ہے تو انہوں نے کہا بس ہمارا کام ہے کہ کہتے رہے الف لام اور لگا دیتے ہیں ہر جگہ ان کے اصل میں ان کی تعلیم تہذیب کے ساتھ کوئی پھر جب آپ پوچھتے ہیں کہ یہ کلام ہے؟ تو آپ کو یہ کہنا چاہیے کہ تم سے غلطی ہوئی۔

زبان کی حسیت اور خاصہ لسانی سے واقف ہونا ضروری ہے

زبان کا احساس زبان کی حسیت اور خاصہ لسانی پر ادراک ہونا ہے زبان ایک چیز

ہے کہ وہ معاف نہیں کرتی اور زبان کی غلطی معاف نہیں کی جاتی اگر کہیں کوئی نقل میں غلطی ہو گئی ہو تو کہا جائے گا کہ یہ سے لکھ دیا لیکن اگر ایک لفظ بھی غلط آپ بول گئے تو پانی پھر جاتا ہے تقریر پر ہم سے خود عربوں نے کہا جو وہ کے لوگوں نے کہا کہ آپ کے یہاں کے بعض لوگ آتے ہیں عالم ہوتے ہیں مبلغ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج تقریر ہوگی سب لوگ بیٹھ جائیں سب بیٹھ جاتے ہیں لیکن چند جملے سن کر ہم نہیں بیٹھ سکتے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو آپ سے ایک بات یہ کہتے ہیں کہ یہاں عبارت صحیح پڑھنا سیکھیں اور کس چیز کا نام واضح ہوتا ہے اور کس پر نہیں ہوتا کس کو منصوب پڑھنا چاہیے کس کو مرفوع یہ سیکھیں اور اس کے ساتھ یہ کہ "ث" کو "ث" کس طرح پڑھیں اگر "ث" کو "س" کہہ دیا "ص" "ث" یا "س" کہ دیا تو سب پر پانی پھر گیا عربی زبان مختلف المخارج بھی ہے مختلف الاصوات بھی ہے ث اس ص یہ ملتی جلتی آوازیں ہیں لیکن ث ث کس طرح ادا ہوگا اس س کس طرح اور ص اص کس طرح ادا ہوگا مخارج عربی زبان کی خصوصیت ہے انگریزی یا کسی دوسری زبانوں کی یہ چیز نہیں ہیں تو اگر بڑی تحقیقات آپ نے کی ہیں بڑی نئی نئی باتیں آپ نے پیش کی ہیں لیکن آپ نے ث کو س پڑھ دیا ص کو س پڑھ دیا تو عربوں کو سننا مشکل ہو جائے گا تو ایک تو یہ کہ آپ یہاں کوشش کریں کہ صحیح عبارت پڑھ سکیں صرف وہ نحو آپ کی مضبوط ہو آپ اعراب سے واقف ہوں اور آپ کا لہجہ درست ہو اور جو بھی حروف حلقی ہوں ان کو حروف حلقی کس طرح ادا کریں اور جو حروف حلقی نہیں ہیں ان کو کس طرح ادا کریں یہ کام یہیں سے ہو سکتا ہے اس کی بنیاد یہیں پڑے گی اگر یہیں نہ پڑی تو پھر آپ دار العلوم ندوۃ العلماء چلے جائیں دار العلوم دیوبند جائیں کہیں جائیں پھر اس کا درست ہونا مشکل ہے ہمیں کوشش کریں کہ آپ کو معلوم ہو کہ کس کو منصوب پڑھنا چاہیے کس کو مرفوع پڑھنا چاہیے اور کیوں پڑھنا چاہیے؟ سب عوامل اور ان کے جو اثرات ہیں ان سے واقف ہوں۔

مسائل کا استحضار

دوسری بات یہ کہ آپ دینیات میں فقہ میں جو ابتدائی مسائل ہیں جو کتابیں آپ کے یہاں پڑھائی جاتی ہیں مثلاً شرح وقایہ دوسری فقہ کی کتاب دوری وغیرہ ان کے مسائل آپ کو مستحضر ہوں نماز کے مسائل آپ کو معلوم ہوں زکوٰۃ کن پر فرض ہوتی ہے اس کا کیا نصاب ہے

سب معلوم ہو اور خدانخواستہ کوئی ایسے تو اس کے ارکان اور مسائل بھی پہلے سے معلوم ہوں تاکہ وہ کے مسائل آپ کو معلوم ہوں اور اگر کوئی ہونا ممکن آپ کے خاندان شہر کوئی پوچھنے گاؤں میں کوئی پوچھے تو آپ تو نہیں اس کو معلوم ہو گیا ہے کاموں کے ایک حد تک زیادہ سے جانے کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ سکتا ہے تو بہت یہ بات آپ میں کمی سے آئی چاہیے اس کی تحقیق کریں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ہونی رنگ دینا چاہیے ہونی کی ہو جانا چاہیے ایک دینی عربی مدرسے کا طالب علم کی نماز دن کی پابندی وقت سے آنا ہر وقت سے پہلے آنا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اور احترام کے ساتھ یہ جو دینی کی باتیں ہیں نا کہ قرآن مجید کی تلاوت کا باقاعدہ معمول مقرر کیا ہے اس کو پورا کرنا اذکار و تسبیحات جو آپ کو بتائی ہیں یا آپ کو معلوم ہیں اور آپ کا معمول ہے ان کو پورا کرنا پھر استادوں کا ادب تو اس کا بھی ہونی خدمت کا جذبہ ہونا ہے یا تعلیم ہونی چاہیں یہ چیزیں تعلیم سے پیدا ہو سکتی ہیں اور یہاں نہ ہوئیں تو پھر آپ یہ معلوم کر سکتے ہوئے وہاں بھی یہ بات پیدا نہیں ہوئی اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب کسی طالب علم میں یہ بات تربیت سے پیدا نہ ہوئی تو پھر بعد میں پیدا ہونی مشکل ہے ہم نے بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے دیکھے ہیں کئی جگہ تقریر کرنے کا موقع بھی ملا ہے وہاں کے بڑے طالب علموں سے اور ان کے سب سے اکثر باتیں ہوئیں تبلیغی رہی ہیں تحریک میں قافلہ میں نکلتے ہیں اور مراکش اور ریاض سب جگہ بھی جاتے ہیں تو ان سے ملتے ہیں دیکھا ہے کہ ان دونوں کی تربیت ہوئی اور طالب علمی کے زمانے میں ان کا مانچسٹر کی دو بڑی یونیورسٹیوں کے طالب علموں سے بڑا رابطہ رہا ہے تبلیغی کام ان کا مانچسٹر وہ مانچسٹر طالب علمی کے زمانے میں کیمبرج میں بھی کام کیے ہیں رہے آپ دیکھتے مانچسٹر مانچسٹر میں ان سے ملتے ہیں ان کو بتایا ہے اور دیکھا ہے تو

مادر علمی سے محبت

آپ سے یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ آپ کو یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ آپ کہاں تعلیم پا رہے ہیں یہ کون سی جگہ ہے کیا جواز ہے! یہ ہر جگہ کے لئے ضروری نہیں ہے دیوبند میں آکر کوئی پڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم کس نے قائم کیا؟ حضرت سوہانا قاسم نانوتوی جو کہ قاسم العلوم والخیرات کہلاتے ہیں اور ایک دور کے بانی ہیں ان کے حالات سے واقف ہونا چاہیے اور پھر ان کے بعد ان کے جانشینوں میں ان میں سب سے بڑھ کر شیر و مبارک شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں جو انگریزوں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے انگریزوں نے ان کو گرفتار کیا پھر ان کو مالٹا بھیجا گیا ان کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنی بھی تھے مولانا عزیر گل اور کوڑا جہان آباد کے جہاں ہماری قرابت بھی ہے۔ مولانا حکیم سید نصرت حسین صاحب بھی تھے ان کا وہیں انتقال ہو گیا اور یہ حضرات مالٹا سے رہائی کے بعد واپس آئے اسی طرح مولانا انور شاہ صاحب جیسا محدث اس کو ملا اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسا حکیم الامت اور شیخ طریقت پیدا کیا۔ مولانا حسین مدنی صاحب شیخ العرب والعجم جو بڑے عالم مجاہد غازی اور اہل اللہ میں سے تھے اور سہارنپور کے رہنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مدرسہ کس نے قائم کیا ہے یہاں کے سب سے بڑے رہنما اور سرپرست مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی پھر ان کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور دوسرے جو بڑے بڑے اہل اللہ پیدا ہوئے جیسے مولانا اسعد اللہ صاحب وغیرہ۔ اسی طرح جونپور کے علماء میں پڑھے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کس نے اس کی بنیاد ڈالی مولانا محمد علی مونگیری مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری پھر اسکے بعد علامہ شبلی تھانوی مولانا عبدالحی صاحب جو ہمارے والد اور یہیں کے رہنے والے تھے پھر مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری مولانا مسیح الزماں صاحب نواب صدر یار جنگ صاحب مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی صاحب اور اس کے مایہ ناز فرزند علامہ سید سلیمان ندوی جن کو مخزن ندوہ کہا جاتا ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی مولانا عبدالباری صحب ندوی اور اخیر میں مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی جیسا ماہر قرآن اور عالم ربانی ان سب کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے اسی طرح آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کہاں ہیں؟ آپ کس بستی میں ہیں یہ دائرہ شاہ علم اللہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں

پوری نے علماء دیوبند سے ملنے کا اپنا مقصد بتلاتے ہوئے لکھا تھا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ لوگ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اس لئے میں آپ لوگوں سے ملنے آیا ہوں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دیوبند میں اہل حدیث کا لفظ رائج نہیں تھا۔ اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے دیوبند کا سفر کیا اور وہاں ایک رات قیام فرما کر اپنے تاثرات کو قلمبند کیا جو "الحق" دیوبند کے شمارہ ۱۰ جلد ۴ میں شائع ہوا۔ اس میں مولانا موصوف نے لکھا ہے کہ "مولانا حافظ احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے بڑی محبت سے ملاقات کی۔ مولانا حافظ احمد صاحب کے ساتھ مولانا حافظ محمد صاحب اور مولانا حافظ عبدالحق صاحب بھی تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ مولانا حافظ عبدالحق صاحب سے بہت دیر تک گفتگو رہی۔ مولانا موصوف نے اپنے تاثرات میں مولانا حافظ احمد صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی علمی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا حافظ احمد صاحب کے متعلق لکھتے ہیں

کرتے تھے انہوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ آج لکھنؤ میں تاریخ و شعر و علم کے سب سے بڑے شخص کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسی ہستی کو پیدا کیا جن کو حضرت سید احمد شہید کے خاندان کا آخری چشم و چراغ ہونے کا خاص طور پر ہندوستان میں اعتماد حاصل تھا۔ مولانا نے مطالب مہمہ بھی لکھی ہیں اور بھی نہیں معلوم کہ کس ہستی سے اتنا بڑا انتساب ہوا ہو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی وہ سب سے بڑی اصلاح سید صاحب سے ہوئی تھی۔ اگر آج وہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوتے تو بیعت کے معنی یہ تھے کہ انگلی ہاتھ پر ہاتھ رکھا شرک سے تو بہ ہوئی بدعت کے روادار نہیں رہے معاصی سے نفرت ہوگئی تارک نہیں ہوئے ان کے تذکروں، اقامات میں وقائع احمدی اور مقالات سعدیہ میں ان اصلاح کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔

بیعت کر لیجئے

لکھنؤ میں نیلہ والی مسجد میں قیام تھا دوست کہنے لگے بھئی کہاں آ گئے آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ بہت سے بزرگ ہیں آدمی ہیں ان میں ان سے ملنا ہے کام ہے آپ نے کہا کچھ نہیں ہوتا آئے اور کہنے لگے ہم کو بیعت کر لیجئے فرمایا جلدی کیا ہے پھر کر لیں گے کہا نہیں ابھی کر لیجئے بیعت ہو گئے اس کے بعد گھر گئے ان کی یا آپ ہی ان کے بعد ان کی پارٹی سے لڑائی آ گئی بہت دن سے ملنے کا سوچتے ہیں ہے مگر ہو نہیں پاتا ہے آج کل تنگی ہو گئی ہے چاہتے ہیں کام کریں انہوں نے کہا اب نہیں ہوگا یہ کام آپ سے چھٹا کیا بات ہے اب نہیں ہوگا یا کبھی نہیں ہوگا اب کبھی نہیں ہوگا کہا کیا بات ہے بولے ایک بزرگ رائے بریلی سے آئے ہیں ان کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی ہے کہ ہم پوری نہیں کریں گے۔ انہوں نے بھی تو پوچھا کہ ہم بھی بیعت ہو سکتے ہیں؟ کہا ہاں تو بھی بیعت ہو جا۔

بدعت اور انقلاب

یہ بیعت کا معاملہ ہے کہ آج ہمارے بزرگ صاحب نے جو مبتدعی فرقہ کے مختلف ہیں نہیں بلکہ مبتدعی فرقہ کے بہت بڑے پیشوا اور قائد مقرر تھے وہ لکھنؤ آئے تو ان کا مجمع پارٹی صاحب تو ندوی دیوبند آ بھی رہ چکے تھے۔ ان سے وہ لکھنؤ کے بھی صاحب نے کہا کہ ان کو

ا ا ا

دعوت اور پیغام

میرے عزیزو! یہاں کا پیغام آپ لے کر جائیں صرف یہاں سے کتابی علم لے کر جائیں شخصی علم لے کر جائیں بلکہ یہاں کی دعوت بھی لے کر جائیں پیغام بھی لے کر جائیں اور آخری بات یہ کہ یہاں کا مزاج بھی لے کر جائیں ہر جگہ کا ایک مزاج ہوتا ہے ہر دعوت کا ایک ادارہ کا ہر مقام کا ایک مزاج ہوتا ہے اور یہاں کا مزاج ہے توحید خالص اتباع سنت فرائض کی پابندی اور تبلیغ کا جذبہ اصلاح کا جذبہ جہاد کا شوق اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ارادہ اس کے لئے جو کچھ ہو سکے وہ ہم کریں گے۔ بس یہ سب باتیں ہیں ان کو ذہن میں رکھیں پھر آپ سے کہتے ہیں کہ پختہ استقامت پیدا کیجئے عبادت صحیح پڑھنی سیکھیں اور پڑھنا سیکھیں اس کے بعد فرائض میں پابندی نماز میں خشوع و خضوع ہو دعا کا یہاں جذبہ کریں۔ کریں کہ یہ اولیاء اللہ کا جوار ہے انشاء اللہ وہ میں اثر رہے گا اور پھر اس کے بعد یہ کہ استادوں کی خدمت کریں قدر کریں ذہن میں کچھ چیزوں کو محفوظ کریں۔ یہاں سے جانے کے بعد یہ کام کرنا ہے جو کام یہاں نہیں ہو سکا اور گھر جا کر یا دوسرے مدرسے میں جا کر کریں گے اور پھر اس کام کو جاری رکھیں گے اور یہ کہ دعوت و تبلیغ کا اور دعوت کریں کہ یہاں سے یا کسی دوسرے مدرسے سے فارغ ہو کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہے مسلمانوں کی اصلاح کا کام کرنا ہے عقائد فاسدہ اصلاح کا اظہار [illegible] رواج کی اصلاح کا کام کرنا ہے۔ شادی بیاہ [illegible] کے خلاف آواز بلند کرنا ہے [illegible] جو مسلمان [illegible] اور کوشش کرنی ہے کہ مسلمانوں [illegible] مرکز چندہ میں ہے اور صدر انہیں جو پارٹی ہے پارٹی [illegible] تنظیموں میں اور پھر جو بھی جماعت جو ساری دنیا کے لئے [illegible] کوشش کرنا ہے اور اسلام کی بقاء و تحفظ اور سربلندی کے لئے کام کرنا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریاں

خطبات: خطبات حامد (۱۴۲۰ھ) میں یہ خطبہ ۱۴ ویں نمبر پر ہے۔ اس خطبہ کا موضوع ہے: نزول قرآن کے مقاصد، حاملین قرآن کی ذمہ داریاں۔ اس خطبہ میں ان مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے لئے قرآن نازل کیا گیا ہے، اور ان ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے جو قرآن کے حاملین پر عائد ہوتی ہیں۔

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ و نشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالی بالحق بشیرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا

حضرات! جمعیۃ الاتحاد کے اس جلسہ میں شریک ہونا میرے لئے سعادت بھی ہے اور ایک طرح کی عبادت بھی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ حفظ ہو یا تجوید، تفسیر ہو یا قرآن مجید کی کتابت۔ بڑی معزز اور مکرم چیز ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ساتھ ہی آپ کے منصب نبوت کے فرائض، اور اس کی ذمہ داری کے سلسلہ میں فرمایا ہے **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین** (الجمعۃ) وہ پاک ذات ہے جس نے کہ ان پڑھوں میں ایک اپنی پیغمبر مبعوث فرمایا جو ان کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کی تربیت فرماتا ہے، ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

منصب نبوت اور اس کا کام:

رسول اللہ ﷺ کے منصب نبوت کے چار شعبے ہیں، جو گویا فرائض چہارگانہ ہیں۔

تلاوت آیات:

کتاب آیات پیدا فرمائے اور پھر اس کتاب سے یہ بھی آپ ہم چیز اور ایسا بلند درجہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے شمولیوں میں سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

تزکیہ نفس:

اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کی تربیت کرنا مہذب بنانا اخلاق ذمیمہ کا ازالہ اور اخلاق فاضلہ پیدا کرنا اور وہ محبت پیدا کرنا جس کا قرآن مجید میں دوسری جگہ ذکر ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون۔

اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق و معصیت سے تم کو نفرت دی ان ہی لوگوں کا راستہ پر ہیں۔

نزول قرآن کا اصل ترین مقصد:

قرآن مجید کے اصل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ الفاظ اور حروف کی شکل میں کتابوں میں [illegible] اور اس سے بعد ستوں میں محفوظ رہے کہ اس کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں [illegible] ہے [illegible] اصل مقصد یہ ہے کہ [illegible] اصلاح [illegible] اخلاق [illegible] اور [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کی

آیت سے نکالا کہ وہ کام کروں جو قریش نہیں کر سکے یعنی معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کے وجود گرامی پر دست درازی کروں۔ موقع اچھا تھا، آپ تنہا طواف کر رہے تھے۔ میں نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا اور اس فکر میں رہا کہ ذرا کچھ موقع ہو کہ آپ کا اور میرا سامنا ہو جائے، تو میں اپنا کام کر دوں۔ آپ نے مجھ کو دیکھ کر بلایا۔ میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا بشر! تمہارا کیا ارادہ تھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں طواف کر رہا تھا۔ آپ ہنسے، اور آپ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ خدا کی قسم آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا کہ گویا سینے کے اندر کی ساری آلائش نکل گئی۔ اس کے بعد میں وہاں سے گھر چلا آیا، ایک عورت جس کے یہاں جلسہ ہوا کرتا تھا اور محفل گرم ہوا کرتی تھی اور اس میں داستان آمائی وقصہ گوئی ہوتی تھی، میں رند مشرب تھا، اس عورت نے مجھے دیکھا تو آواز دی، میں نے کہا اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب میں مسلمان ہو گیا ہوں، ایسی فوری تبدیلی کے واقعات بھی بہت ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر تین دور گزرے ہیں، ایک دور مجھ پر ایسا گذرا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر مبغوض نہ تھی، معاذ اللہ اگر اس وقت مجھے موقع مل جاتا تو میں اپنی عاقبت خراب کر لیتا، اللہ نے فضل فرمایا، موقعہ ہی نہیں ملا، اس کے بعد دوسرا دور مجھ پر ایسا گذرا کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر محبوب نہیں تھی۔ خدا کی قسم میں آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی حضور اکرم ﷺ کا حلیہ پوچھتے تو میں بیان نہیں کر سکتا، اس لئے کہ میری نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر ٹھہرتی ہی نہیں تھی۔ اور مجھ میں آپ کو دیکھنے کی تاب ہی نہیں تھی۔ جب میں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اور بیعت کی تو میں اپنا ہاتھ کھینچا ہی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا ہاتھ کیوں نہیں چھوڑتے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ! فرمائیے کہ میرے گذشتہ گناہوں کا کیا ہوگا؟ میں تو بہت سیاہ کار انسان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، کہ تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے ماقبل کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

ایسے بہت سے واقعات ہیں، وحشی جنہوں نے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اللہ کے شیر کو خود شہید کیا تھا، اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ آپ کو معلوم ہے، حضور ﷺ کے سامنے جب وہ آئے اور انہوں نے بیعت کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کی بیعت قبول کی، انہوں نے کلمہ پڑھا اور ایمان لائے، آپ ﷺ نے فرمایا وحشی! اگر تم میرے سامنے بار بار نہ آؤ

تو پھر ہمارا اس لئے کہ مجھے اپنے بچایا آ جاتے ہیں۔ یہ قدرتی بات تھی ہے اور بہت لطیف جذبہ ہے انسان دوستی کی روح کی تربیت ہے لیکن انہوں نے جو کلمہ پڑھا اور آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو اس نے ان کے اندر ایک انقلاب پیدا کر دیا ایک روحانی زندگی، ایمانی ایمانی طاقت پیدا کر دی جس پر آج بڑے بڑے اولیاء اللہ رشک کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے جنہوں نے صحیفہ کذاب کو قبول کیا، جب اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ حضرت خالد بن ولید کا انتخاب کر دو، انہوں نے ایک ایسی ہستی سے اسلام اور مسلمانوں کو محروم کیا تھا جو اسلام کے لئے تقویت کا باعث تھی اور رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھی وہ اس کی تلافی اور کفارہ کے لئے انہوں نے ایسی ہستی کا انتخاب کیا جو آپ سے بڑھ کر حضور ﷺ کے دل میں محبوب تھی، ایک وہ شخص تھا جو ہدایت کا بہت بڑا داعی اور مددگار تھا، پھر ایک وہ شخص تھا جو اس نبوت کے مقابلہ میں یہ دعویٰ کر رہا تھا، صاحب نبوت کو تو یہ شرف ملا، قریب تھا انہوں نے تلافی کفارہ کے لئے جو بہترین منتخب ہو سکتا تھا انتخاب کیا، یقیناً حضور ﷺ کی روح مبارک اس سے خوش ہوئی ہوگی یہ سب ان کی روحانی قوت کا نتیجہ ہے یہ تو فوری انتخاب کی چند مثالیں ہیں، باقی جو برسوں کے اندر بتدریج تربیت و صحبت سے پیدا ہوئی اس سے وہ ایک جماعت وہ مدرسہ صحابہ کی شکل میں وجود میں آیا، اعمال کی عمدگی، حسن عقیدہ کی تابندگی سے مہ پایت سے ہدایت اور ایمان و اخلاق اور تربیت علم کے بلندی منتہا پر پہنچ گئے۔

تعلیم کتاب:

تیسرا اہم تعلیم کتاب و حکمت۔ نبی کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ پہلے قاری تلاوت کرتا ہے پھر اس کے تزکیہ کا عمل ہوتا ہے اس میں قرآن مجید کی تفسیر اس کے حقائق کا بیان، اس کے علوم کا اظہار اور مقاصد قرآن کی تشریح و تفصیل سب شامل ہے، یہ ہے یعلمہم الکتاب والحکمۃ ان کو سکھاتے ہیں کتاب اور حکمت۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے طالب علموں، اس کے سامعین اور سامعین میں تفقہ پیدا کیا جائے، یہ وہ چیز ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

یہ درحقیقت حامل قرآن کے فرائض چہارگانہ اور حامل قرآن کی ذمہ داریوں اور اس کے

کمالات اور اس کی سیرت ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ جو علماء تھے اور جن کے علم کی خود رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی اور جن حضرات کی طرف آپ ﷺ نے اشارے فرمائے، امت کو ان کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا، مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ آپ ﷺ نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی خصوصیت بیان کی ہے کہ قرآن مجید سے ان کو خاص مناسبت تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے، قرآن مجید کا بہت بڑا علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قرآن مجید پڑھنے کی تعریف آپ نے خود فرمائی تھی۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

اللّٰھم علمہ الکتاب وفقہہ فی الدین۔

اے اللہ ان کو کتاب کا علم عطا فرما۔ اور دین کی سمجھ دے۔

یہ حضرات بھی ان چاروں صفات کے جامع تھے، یعنی قرآن مجید کے "قاری" بھی تھے اور "معلم الکتاب" بھی تھے اور "معلم حکمت" بھی اور "مزکی" بھی تھے، یہ چاروں شے ان حضرات میں جمع تھے، پھر تابعین کا دور آیا، اس دور میں بھی کثرت سے ایسے لوگ تھے جو ان چاروں چیزوں کے جامع تھے مثال کے طور پر حضرت حسنؒ بصری کا نام لے سکتا ہوں کہ وہ ان چاروں شعبوں کے جامع تھے۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؒ اور محمد بن سیرینؒ اور حضرت سعید بن مسیبؒ، یہ وہ فضلائے تابعین تھے جو ان چاروں کمالات کے مظہر اور ان چاروں شعبوں کے جامع تھے۔ تبع تابعین میں بھی اسی طرح کی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں جو ان چاروں چیزوں کی جامع تھیں۔ جیسے ائمہ اربعہ، محدثین، فقہاء اور صوفیاء تابعین جیسے حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ اسی طرح سے جنید بغدادیؒ، یہ سب حضرات ان چاروں چیزوں کے جامع تھے، پھر انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا، اور شعبوں کی تقسیم ہونے لگی نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں مختلف گروہ بن گئے اور ایک شعبہ سنبھال لیا۔ بعض نے تلاوت آیات کو اپنا شعار بنالیا۔ انہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی تجوید اور مخارج کی تصحیح کی، اور اتقان کے ساتھ پڑھنا انہوں نے اپنا فرض سمجھا۔ اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے ان کو جزائے خیر دے کہ بہت بڑا فرض کفایہ ادا کیا اور قرآن مجید کے لفظ اور طریقہ، وا کو محفوظ کر دیا۔ جس طرح اس کے حروف کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع کیا تھا اور

حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی نقلیں کرا کے عالم اسلام میں بھیجی تھیں۔

بعض حضرات نے تعلیم کتاب وحکمت کو اپنا شعار بنایا۔ وہ علماء ظاہر کی جماعت ہے جنہوں نے قرآن وحدیث کے رموز کو بیان کیا۔ ان کے مضامین کی اشاعت کی۔ اور ان کے مشکلات کی تشریح کی۔

تربیت وتزکیہ:

بعض حضرات نے تزکیہ اپنے ذمہ لیا، وہ حضرات صوفیاء کرام ہیں، جنہوں نے اپنے مریدین کی اور جو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کے نفوس کی اصلاح وتربیت کا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کو تہذیب واخلاق اور اصلاح باطن کا ایک فن بنا دیا۔ ان حضرات کی تعداد خدا کے فضل سے اتنی بڑی ہے کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے، مثال کے طور پر سیدنا حضرت سیدنا غوث قادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ۔

تجدید سلوک:

پھر ان کے بعد جنہوں نے فن سلوک کا کام کیا اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی بدعتوں کو اور تحریفات کو انہوں نے دور کیا اور اپنے زمانہ کی طبیعتوں کا لحاظ کر کے انہوں نے طب نبوی ﷺ کی تجدید کی۔ ان میں سے خاص طور پر حضرت شیخ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی وہ حضرات ہیں جنہوں نے فن سلوک کی تجدید کا کام انجام دیا، اور اپنے زمانہ کے مطابق ان کو بنایا، اور ان کے فائدہ کو عام کیا۔

حامل قرآن کی ذمہ داریاں:

اصل میں حامل قرآن کا کام صرف تلاوت اس کو پڑھ کر سنا دینا صحیح طور پر یاد کر لینا اور اس کو صحت کے ساتھ ادا کر دینا، اور کسی مجلس میں، کسی جلسہ میں قرآن مجید پڑھ دینا نہیں ہے بلکہ حامل قرآن کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس شخص کو عذاب دیا

جانے گا۔ جس کو اللہ نے قرآن مجید کا علم دیا، وہ رات کو سویا اور سوتا رہا، یہاں تک کہ صبح کی نماز قضا ہوگئی۔ قرآن مجید کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس کو یاد کرنے کی اور اس کو یاد رکھنے کی، اس پر عمل کرنے کی۔ یہی وجہ تھی کہ جب جنگ یمامہ پیش آئی جو اسلام کی شدید ترین جنگوں میں ایک جنگ ہے جس میں زبردست رن پڑا، اور زبردست لڑائی ہوئی، اور گشتوں کے پیچھے گشت لگے، اس ایک موت کا بازار گرم تھا اور اس طرح لڑائی نہیں ہوتی تھی کہ میدان جنگ میں ایک جماعت نے للکارا، اور مبارزت طلبی قرآن، اور وہ لوگ جن کے سینوں میں قرآن ہے، آج قرآن پر عمل کر کے دکھاؤ، اور قرآن پر قربان ہو جاؤ۔ اس کے لئے آدمی اللہ کا قرب تم ہوا تو قرآن مجید کا باقی رہنا مشکل ہے۔ چنانچہ جو حفاظ تھے وہ آگے بڑھے اور فیصلہ کر لیا، بے جگری سے لڑے اور پروانوں کی طرح نثار ہوئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ

قرآن مجید بڑی عزت والے صحیفوں میں سے ہے اونچے اور پاک کئے ہوئے اپنے فرشتوں کے ہاتھوں میں جو بڑے شریف اور پاک باز ہیں۔

معلوم ہوا کہ حاملین قرآن کی یہ تصویر "کرام بررۃ" ہونا چاہئے۔ حاملین قرآن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتوں کی صفت ہے، جملہ معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید کو اٹھانے اور سینے میں رکھنے کا حوصلہ کرے اس کو ایسا بننا چاہئے۔ لا یمسہ الا المطہرون اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس قرآن مجید کو مطہر ہی چھوئیں، صحابہ کرام میں سے جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہوتے تھے اور جن میں قرآن مجید کا علم خاص ہوتا تھا، وہ تمام تر اور اپنے اخلاق و تقویٰ اور عبادت میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اس لئے حضور ﷺ جب میدان جہاد میں شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے لگتے تو قرآن مجید جس کو زیادہ یاد ہوتا اس کو پہلی صف میں رکھتے ہوتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے۔

یؤمکم من اقرأکم

امامت وہ کرے جو زیادہ پڑھا ہوا ہو۔

تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خالی لفظ ہو، جس کو قرآن مجید کا علم زیادہ ہو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حفاظ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

عبرت آموز واقعہ:

دیکھئے! جس شخص کو ذرا سی بڑی چیز ملتی ہے وہ چھوٹی چیزوں سے بالکل بے پروا ہو جاتا ہے، پھر چھوٹی چیزوں کی طرف اس کی نگاہ نہیں جاتی، میں نے ایک عجیب اپنے مدرسہ میں ایک قصہ سنایا، وہ قصہ آپ کو بھی سناتا ہوں۔ بڑا عبرتناک قصہ ہے، بڑے کام کی بات ہے۔

ایک شخص نے کہیں سفر پر جاتے ہوئے اپنے کسی معزز آدمی کے یہاں اپنی امانت رکھوا دی، اسی زمانہ میں قرمطی ایک ہزار دینار، اور کہا کہ میں سفر پر جا رہا ہوں، یہاں سے آکر لے لوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا رکھ دو، اللہ مالک ہے، آ کر تو جا لے لینا۔ وہ سفر سے واپس آیا، مہینہ کے بعد اس نے ان سے جا کر مانگا کہ بھئی امانت دے دیجئے تو وہ بالکل انجان بن گئے، کہنے لگے کہ میں تم کو پہچانتا نہیں کہ تم کون ہو، اور کب آئے تھے اور کیسے رکھوایا تھا؟ بے چارہ حیران ہو گیا، شریف سمجھ کر اس نے زبانی لکھا پڑھی نہیں کی تھی، نہ ہتھیار باندھوائی تھی، اب وہ بتاتا یا ثابت کرتا، وہ بھلے بیٹھے یہاں تک کہہ گئے کہ پاگل ہو گئے ہو، اور کہنے لگے کہ ایک شریف آدمی کو بدنام کرتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی، تم مجھے پھنساتے ہو، اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، اس نے جا کر قاضی سے شکایت کی۔ قاضی صاحب بہت ہی سمجھدار اور ماہر نفسیات تھے، انہوں نے کہا کہ اس کا علاج میں دنوں کو قرمطی سے ترکرنا چھوڑ دے، دنوں کے بعد ایک شخص کو بھیجا اور کہلوایا کہ آپ قاضی بننے والے ہیں، میں آپ سے بہت خوش ہوں، بڑا اعزاز تھا، اس دن کے بعد اس شخص سے کہا کہ جاؤ اپنی امانت مانگ لو، وہ گیا اور اس نے کہا کہ شاید آپ کو یاد آ جائے کہ میں فلاں وقت آیا تھا، کہا ہاں مجھے یاد آ گیا اور تمہارے جانے کے بعد ہی مجھے یاد آ گیا تھا اور میں تمہارا منتظر تھا، تمہارے گھر کا پتہ مجھے معلوم نہیں تھا بہت اچھا کیا کہ تم آ گئے، تمہاری امانت میں رکھی ہوئی ہے جا کر لے لو، جیسے تم رکھ کر گئے تھے ویسے ہی رکھی ہوئی ہے، دیا۔ اس نے دیکھا تو بڑا تعجب ہوا، دو ان دو باتوں میں تعلق سمجھ میں نہیں آیا، اس نے قاضی سے کہا، وہ قاضی اقتضاء تھے، خیر میری امانت مجھے مل گئی، مگر یہ انتظام آپ نے کیسے کیا؟ اور انہوں نے قرار لیے لیا اور وہ انکار کے بعد اقرار، قاضی صاحب نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ ان کو اس سے بڑی چیز ملنے والی تھی۔

اصل میں اس اعلیٰ چیز سے اس کا کوئی لگاؤ نہ تھا جس کو قضاء مل رہی ہو یا

وزارت مل رہی ہو تو وہ کسی کے پانچ سو یا روپیہ پیچھے کیا رہے گا۔ اب ان کے ذہن کی سطح ایک دم سے بلند ہو گئی تو وہ سوچنے لگے کہ میں قاضی ہوں۔ اب قاضی کی حیثیت سے معاملہ کو سوچنے لگے تو یہ حرکت ان کو بہت گری ہوئی معلوم ہونے لگی۔ اور انہوں نے سوچا کہ پانچ سو کی کیا حقیقت ہے۔

تو میں نے اپنے طلباء سے کہا کہ تم یہ سمجھو کہ تم عالم ہونے والے ہو۔ وقت یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تم کو بہت گری ہوئی معلوم ہوں گی، کہ تمہیں ان کے تصور کرنے سے تکلیف ہوگی۔ کہ ہم عالم ہو کر ایسی بات کر سکتے ہیں، ہمارے لیئے یہ زیبا نہیں ہے۔ حدیث ہے اور حضور ﷺ کا کلام ہے تو ہم ایسی ویسی اور گری ہوئی بازاری باتیں کر سکتے ہیں۔

قرآن کی دولت سب سے بڑی دولت ہے:

میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ یہ سوچیں کہ آپ کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے تو پھر آپ میں جو کم درجہ کی باتیں ہیں، کوئی بھی گناہ، کوئی بھی کراہت کی بات، کوئی بھی سوقیانہ اور اوچھی حرکت، جیسے مال کی محبت، عہدہ کی محبت اور تراوتح کا تھوڑا تھوڑا معاوضہ لینا یہ ساری چیزیں آپ کی نظر سے ایسی گر جائیں کہ فوراً آپ اپنی حیثیت پہچان لیں۔ جس طرح سے وہ شخص جس نے صاف کر دیا کہ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم نے کب امانت رکھوائی؟ پھر اقرار کرلیا۔ کہ ہاں ہاں! تم نے امانت رکھوائی تھی اور پھر دے دیا۔ اسی طرح سے آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے۔ تو پھر کبھی کسی گناہ کی طرف، کبھی کسی ادنیٰ کام کی طرف، کبھی کسی پست خیالی کی طرف آپ کا ذہن نہیں جا سکتا۔ بس آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے سینہ میں کیا ہے۔

برخود نظر کشا کہ تہی دامنی مرنج
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر نے تو چاند کو خطاب کر کے کہا کہ بدلی جب بار یک ہوتا ہے تو بے چارہ فقیر معلوم ہوتا ہے۔ تب اپنے اوپر اپنے مستقبل پر نظر ڈالو، اپنی تہی دامنی پر رنج نہ کرو کہ تو خالی ہے بالکل بال کی طرح ہے۔

در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

تیرہ سو سال میں چودھویں کا چاند دیکھا ہے۔ اور چودھویں کے چاند کی حقیقت ہے۔ آپ کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے۔ اسم الٰہی ہے۔ علم اعظم ہے۔ لوگ اسم اعظم کے پیچھے پڑتے ہیں۔ آپ کے سینہ میں اسم اعظم ہے۔ اس علم اعظم میں اسم اعظم بھی ہے۔ آپ تو حامل علم اعظم، حامل اسم اعظم ہیں۔ میں نے قرآن کریم کی فضیلت میں فرمایا ہے حرف کے بارے میں حدیثیں پڑھیں اور میں نہیں جانتا کہ الم ایک ایک حرف ہے یا الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

دیکھ لیجئے قرآن مجید کے کیسے کیسے فضائل ہیں۔ اگر حافظ نہیں پورے پڑھتے اور رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں پڑھتے اور مسجد میں رمضان کی راتوں میں پڑھتے اور اس نے بعد سوا دو پانچ سو روپیہ معاوضہ بھی لیا تو بات یہ ہے کہ جیسے ایک انسان اس پر تیار ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے ایک روز بہت خوش ہیں۔ اگر اپنے لئے خدا کی قسم کھا لیتے تو ایک ملک پیش کر سکتے ہیں کہ پوری سلطنت لے لو اور ایک سرخ اللہ کیلئے کا ٹوپ مجھے دے دو۔ اللہ میں راضی نہ ہوں گا۔ اور قرآن تو اللہ کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ ایک ایک حرف اللہ کا کلام ہے اور اس عالم میں سب سے بڑی قیمتی چیز جس کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے وہ قرآن مجید ہے اور یہ سب سے بڑی دولت اس انسان کے لئے ہے۔ وہ قرآن مجید ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ہے۔ اللہ کا کلام۔ اس کا کلام قدیم کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ متکلم ہے اور یہ کس سے بڑھ کر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے اپنی قدر خود کون جانتے اور سمجھ جانتے کہ آپ کے پاس یہ دولت ہے؟ اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے پاس یا دولت ہے تو آپ کے قدم زمین پر نہ پڑیں۔ کسی اور کی کسی دولت کی وقعت آپ کے دل میں نہیں ہو سکتی۔ اگر ہوتی تو بار بار سنتا کرتے۔ ہمارے دل میں یہ سینہ میں اللہ کا چراغ ہے۔ میں اس تاجر کو اس وزیر کو حقیر سمجھتا ہوں۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ میں نے اس مسئلہ کو اپنے کانوں سے سنا ہے کہ جس کو اللہ

[illegible] ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ اپنے آپ کو [illegible] کہتے ہیں۔ یہ ان کا کام ہے۔ میرا کام اللہ کا کلام پہنچانا ہے۔ جو شخص اس کلام کو قبول کرتا ہے وہ مجھے اپنا قبول کرنے والا سمجھے گا۔ میں تو بالکل آزاد ہوں۔ جہاں بھی رہوں گا آزاد رہوں گا۔

روحانیت پیدا کرنے کے لئے عظمت اور انتساب ضروری ہے۔

لیکن یہ شخص نے اندر کی روحانیت پیدا کر دیتی ہے اور وہ اس کی آواز کو سنتا ہے۔ ورنہ ایک شخص اور دوسرے شخص میں صرف عظمت اور انتساب کا فرق ہے۔ کام تو ایک ہی ہے۔ لیکن اس عظمت کا انتساب بھی ضروری ہے۔ [illegible] صاحب کے [illegible] والے نے [illegible] تھے۔ [illegible] تو اس کی مثال دیتے تھے۔ [illegible] کے [illegible] ہے۔ اور اس کا عظمت اور [illegible] ہے۔ [illegible] تھے۔ [illegible] کی [illegible] ہے۔ [illegible] تھے۔ [illegible] کرتے تھے۔ ایک دفعہ [illegible] صاحب بھی [illegible] میں بیٹھے چلے جا رہے تھے۔ دونوں [illegible] کرنے لگے۔ [illegible] صاحب نے [illegible] صاحب سے [illegible] کہ یہ [illegible] صاحب ہیں۔ انہوں نے [illegible] کی [illegible] کہ [illegible] ہیں۔ [illegible] ہے اور [illegible] ہے۔ [illegible] ہے اور ایک شخص [illegible] میں مشہور تھا۔ [illegible] نے [illegible] کہا کہ [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔

پہلے تھا، جو آپ نے بچپن میں پڑھا، آپ نے جوانی میں پڑھا، جو آپ پڑھا رہے ہیں یا پڑھیں گے، جو آپ تہجد میں پڑھتے ہیں، جو آپ تلاوت کرتے ہیں وہی قرآن مجید ہے۔ اس میں ایک نقطہ کا اضافہ نہیں، لیکن جو آپ کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور کسی اللہ کا کلام اس کی صفت ہے اور کلام اس کی یہ شان ہے، اب آپ کی کیفیت اور ہوگئی۔

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله.

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک کتاب جو ہم آہنگ ہے اور بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلدیں اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے نرم ہو جاتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک کلام اللہ ہے، کلام اللہ کی عظمت، دوسرے ثواب کی نیت اور ثواب کا یقین کہ ثواب مل رہا ہے، اس پر دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص اعلیٰ مقام ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔

قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے:

بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ سلوک کا آخری ذریعہ قرآن ہے، فاضل میں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے، جب سالک تمام مقامات طے کر لیتا ہے، وہ ذکر کرتے رہتے ہیں، اس کے بعد جو آخری درجہ ہے آپ اس کو مقام الٰہی کہتے ہیں، یہ تلاوت سے حاصل ہوتا ہے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آپ قرآن کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ آپ کو کہیں نہیں ملتا اور یہ آپ محسوس کریں، عظمت سے اور ثواب کے یقین سے حاصل ہوتا ہے، پڑھتے جائیے اور یقین کرتے جائیے کہ ثواب مل رہا ہے، ہر حرف پر دس نیکیاں مل رہی ہیں، اس کا شوق آپ کے دل میں زیادہ ہونا چاہئے، جتنا

زیادہ پڑھیں گے، اتنی زیادہ نیکیاں ملیں گی، بس بھائیو! اگر اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلیں تو قرآن مجید کی تلاوت میں روح پیدا ہو جائے۔

قرآن کو بطور پیشہ پڑھنا گناہ ہے:

اور اگر اس کو پیشہ بنائیں تو اس سے بہت اچھا ہے کہ دنیا کو آدمی ذریعہ بنائے کسب معاش کا، قیامت کے دن وہ لوگ جو حلال روزی حاصل کرتے تھے اور جائز طریقوں سے کاروبار کرتے تھے، ان دنیا دار قاریوں، حافظوں اور عالموں سے جو جبا آگے ہوں گے، جنہوں نے دین کو ذریعہ بنالیا تھا اپنا پیٹ بھرنے کا اور دنیا کمانے کا، تاجروں میں بکثرت اولیاء اللہ نکلے ہیں جو سمجھتے تھے ہم دنیا دار ہیں، صرف بچوں کے پالنے اور اپنا پیٹ پالنے کے لئے ایک دھندہ کیا ہے، اور اس میں ڈوبے رہتے تھے، نماز پڑھتے تھے، ڈرتے رہتے تھے، استغفار کرتے رہتے تھے، وہ کئی عالموں اور حافظوں سے بڑھ کر نکلیں گے، جنہوں نے قرآن مجید اور علم حدیث کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا۔

قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے صحبت اور محنت ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، تو اس میں روح بھی، خشیت بھی اور تقویٰ بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور یہ بات بغیر صحبت کے اور بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، قرآن مجید کے یاد کرنے میں آپ نے جتنی محنت کی ہے، اب اس یاد میں جان ڈالنے اور موزونیت پیدا کرنے کے لئے بھی آپ کو محنت کرنی چاہئے، اگر آپ نے قرآن مجید کے یاد کرنے میں دو برس لگائے تو سچی بات یہ ہے کہ اس میں چار برس لگائیے، اس لئے کہ وہ تو الفاظ ہیں جس کو کافر و مومن سب پڑھ سکتے ہیں، اور بے شک کافر کو یاد ہونا مشکل ہے، لیکن یاد ہوتا ہے، اب بھی مصر و شام میں کتنے غیر مسلم ایسے ہیں، جن کو قرآن مجید یاد ہے، النجد کا مصنف جو عیسائی تھا وہ حافظ تھا، تو معانی قرآن، علوم قرآن اور قرآن مجید کو دل میں راسخ کرنے کے لئے، اپنے اخلاق کو صحیح کرنے کے لئے، آپ کو وقت لگانے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سفر میں قرآن مجید میں جو بات حاصل ہوتی ہے اور سمجھ میں آتی ہے وہ

کہ یہ نہیں آتی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور وہ دن انتخاب کیا کہ ۱۱ یا ۱۲ سال بعد ہیں آگئی پڑی ہے۔ میدان جہاد میں ان کو ملی۔ یہ قرآن مجید لے کر گئے تھے اور صحت کے میدانوں میں انہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا اور صحت کے میدانوں میں انہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا ان کی جگہ ہوسے یہاں قرآن مجید پڑھنے سے وہ عمل نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید سے محبت پیدا کرنے کے لئے تجوید کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کی تعظیم کرنے کی اس پر عمل کرنے کی، اور اس کا لطف لینے کی اور اس سے قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت

زیر نظر مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی اس تقریر کا ایک حصہ ہے جو انہوں نے ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے اجتماع میں کی تھی۔ اس میں علماء کو مطالعہ کے وسیع دائرہ اختیار کرنے اور حالات زمانہ کی پوری پوری خبر رکھنے اور اس کے مطابق عوام کی رہنمائی کی اصلاحیت پیدا کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله واصحابه اجمعين اما بعد.

عالم اسلام کی موجودہ صورتحال کا تقاضا

عزیز طلبہ: عالم اسلام کی جس صورتحال کی تصویر ہم نے پیش کی ہے اس نے ہمارے لئے ایک زبردست چیلنج کھڑا کر دیا ہے، وہ چیلنج یہ ہے کہ ہم کیسے اس کا مقابلہ کریں اور ان چیلنجوں کا جواب کیسے دیں۔ ظاہر ہے اس کے لئے ذہنی تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلہ میں ایک باخبر تعلیم و تدریس کا کام کرنے والے تجربہ کار کی حیثیت سے آپ کو علمی تیاری کے سلسلے میں مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔

کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں میں فرق

عزیز دوستو! یہ بات یاد رکھئے کہ درس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں کے درمیان ایک نازک فرق ہے وہ یہ کہ درس کی کتابیں اور نصاب تعلیم پر ایک خاص قسم کی سرکاری مہر یا کسی خاص جماعت کی اور اس کے انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے، اس سے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے، لیکن مطالعہ کی کتابوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ مطالعہ کی کتابیں اپنے شوق رغبت سے خریدی جاتی ہیں اور ان کا انتخاب مرضی کے مطابق کیا جاتا ہے اور آزادی کے ساتھ وہ پڑھی

[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں [

مولانا حبیب اللہ سندھی، مولانا عزیز علی صاحب جیسے علما، ادبا کے، تھے جو یہ طبقہ کے بعض قابل علم اور فضلا، کے مضامین اس موضوع پر آتے رہے۔ یہ تمام مضامین بعد میں الگ سے بھی کتابی صورت میں شائع کر دیے گئے تھے۔

ان تمام مضامین میں ایک مضمون ہمدرد کے مشہور فاضل بشیر احمد (آکسن) کا بھی تھا۔ انھوں نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو مجھ پر بار بار تخلیف اور اداسی طاری ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ کا حصہ ہوتا تھا، ایسے موقع پر علامہ شبلی کی کتاب الفاروق ہمارے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی تھی کہ وہ شخصیت جس کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، ... کمزور نہیں ہو سکتی۔ وہ شخصیت جس دین پر بھی اور جس کے قلم سے یہ لکھی گئی ہے، اس کا ہم کمزور نہیں مان سکتے۔ بس اس کے سہارے ہم کو اس کی زندگی گذارنی چاہئے اور اس پر مرنا چاہئے۔ ایسے ہزاروں اور لاکھوں واقعات ملیں گے کہ سیرت مطاعہ بلکہ زبان و قلم اور زندگی مطالعہ نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

کتاب کے اندر علمی وزن، طرز نگارش اور نفسیات شناسی بھی ضروری ہے

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات تبلیغی طبقت کو غذا پہنچانے والی اور ایمان کے نام سے اپیل اور مطالعہ کرنے والی چیزیں کافی نہیں ہوتیں اس کے ساتھ علمی وزن اور طرز نگارش اور نفسیات شناسی بھی چاہئے، جن کتابوں میں ان صورتوں کا لحاظ کیا گیا، انھوں نے زندگیوں کو بدلا یا اپنی زندگیوں کے ذریعہ انھوں نے پورے معاشرے پر اثر ڈالا۔

میں دوسروں کے سنے سنائے واقعات کے بجائے خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب میں اردو پڑھنے کے قابل ہو گیا تو سب سے پہلے جس کتاب نے ہمیں متاثر کیا وہ سیرت خیر البشر تھی۔

میں چونکہ منتخبات کی فہرست دیکھنے کا عادی تھا، لکھنؤ میں شبلی بک ڈپو اور بمبئی میں عربی کتب کا واحد مکتبہ قیصر تھا، میں نے فہرست اور رحمۃ للعالمین نامی کتاب کا اشتہار دیکھا جو قاضی سلیمان منصور پوری کی قلم سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کتاب کا آرڈر دیا جب وہاں سے کتاب کی وی پی آئی تو میرے پاس اس کے چھڑانے کے لئے پیسے نہیں تھے، والد صاحب کا

انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ صاحبہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ بیٹیں، خانہ اس زمانہ میں سونے کی قیمت بہت کم ہوا کرتی تھی، والدہ صاحبہ نے قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ اب یہ کہ اس زمانہ میں سورتحال خطرناک ہیں ابھی ان کو دو سال ہوئے ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ جہاز میں شامل نہ ہو سکے، والدہ صاحبہ نے کہا کہ ہم اس کتاب کو پڑھیں گے اس کا انتظام کیا اور وہی پی ایم نے چھڑالی، ہم نے اس کتاب کو پڑھا، بلکہ ہم اس کتاب میں ادب کے ساتھ میں ہمارے ایک عزیز سید نکل جاتی تھیں داخل تھے، ہم وہاں رہتے تھے، ایک اشتراق کا عالم تھا، ہر چیز کی شاندار عمارت کے بیچ اور ہر طرف سے آنے جانے والوں کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی، ہماری آنکھیں ان کے بجائے جو واحد کے میدانوں کو زیادہ دیکھتی تھیں اور وہاں کی شہادت گاہوں کو دیکھتی تھیں، پرولیم دوں اور خطبہ کو دیکھنے کے بجائے ہماری آنکھوں میں جو واحد کے مجاہدین اور خلفاء کے راشدین اور صحابہ کرام کا تصور بنا ہوا تھا ایک طرح سے اس میں اس کتاب میں فنا ہو آئی تھا۔

یہ بھی ایک معمہ ہے جو ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ کانپور میں ۱۹۲۶ء میں ندوۃ العلماء کا ۱۷ واں جلسہ تھا اس میں مولانا سلیمان منصور پوری بھی آئے تھے، انھوں نے ہمارے چچا سے جب مزاج پوچھا کہ تم نے اپنے چھوٹے بھائی ابو الحسن کو کتاب رحمت للعالمین بھی تھی وہ بھی پڑھی ان کے دل میں یہ کیسے آیا ان کا چھوٹا بھائی اس کتاب کو پڑھے گا اور اسے فائدہ ہوگا۔

ہمارے گھر پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ہمارے چچا سید صدیق حسن صاحب کے گھر میں مولانا شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا سالک وغیرہ کی تصانیف تھی، ان میں الفاروق اور خلافی بھی تھی اور حیات سعدی بھی، ایک اور کتاب تھی ارشاد رحمانی جو مولانا سید محمد علی مونگیری کی بانی ندوۃ العلماء کی کتاب تھی، جس میں انھوں نے دلیس زمانہ والا فضل الرحمن نام سراج آبادی کی خدمت میں اپنی رائے، ان کی نگاہ دقت اور ان کی تاثیر اور برکتوں کا ذکر کیا ہے، اس کتاب نے بھی پر بڑا اثر ڈالا پھر ہم لوگ بیٹھنے میں آ گئے، اس کے بعد نہ آیا جب ہم نے انگریزی بھی پڑھ لی تو جدید مغربی مفکرین کی تصانیف سے استفادہ کر لیں۔

ہم یہاں آپ کو ایک حقیقت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں، ایک چیز ہوتی ہے

فیکٹر FACTOR اور دوسری چیز ہوتی ہے ایکٹر ACTOR، ہم نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ مسلمان خربوزہ کی طرح ہے، وہ چھری پر گرے تو اس کا نقصان اور چھری اس پر گرے تو خربوزے کا نقصان یعنی مسلمانوں میں صرف اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اثر ڈالنے کی نہیں، ہمارے گھر میں جو ماحول تھا وہ اعتدال اور توازن اور حقیقت پسندی کا تھا ایک طرف ہمارے بھائی صاحب تھے جو ندوہ کے ڈسپلن، دیوبند کے فضل، دوسری طرف سائنس کے بہترین طالب علم میڈیکل کالج میں امتیاز کے ساتھ انھوں نے امتحانات پاس کئے، اور انھیں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا، دوسری شخصیت ہمارے پھوپھا مولانا سید مظفر صاحب کی تھی جو ایک طرف ایم اے تھے تو دوسری طرف شرقی علوم کے فاضل ان دونوں کی گفتگو میں بڑا توازن اور حقیقت پسندی تھی۔

مغربی تہذیب کا سو فیصدی انکار صحیح نہیں ہے

یہ کہنا آسان ہے کہ محض مبالغہ اور زور سے کام نہیں چلتا، یہ چیز اکثر مضر ہوتی ہے، مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ مغربی تہذیب کچھ نہیں، اس میں کوئی چیز قابل استفادہ نہیں، ٹھوکر مارنے کی چیز ہے، لیکن جب آدمی کو اس کے خلاف کوئی ثبوت ملے گا یا اس کو تجربہ ہوگا، سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد کا تو وہ پھر سکڑ ہو جائے گا، اس لئے یہ حقیقت ان لوگوں کے سامنے رکھنی چاہئے جو دعوت تربیت کا کام کرتے ہیں، کہ انھیں توازن و اعتدال اور حقیقت پسندی سے کام لینا چاہئے، نہ یہ کہ انکار پر آئے تو سو فیصدی انکار کہ اس مغربی علوم میں کوئی خوبی نہیں، مغربی علوم میں بہت سی چیزیں قابل استفادہ ہیں اور قابل قدر ہیں، ان کی ضرورت ہے، لیکن وہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہیں، ان کی اخلاقی عناصر اور ان کے اندر تربیتی صلاحیت، خوف خدا پیدا کرنے اور ضمیر کو بیدار کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، یہ حقیقت بھی یاد رکھئے کہ عدم توازن بعض اوقات ارتداد تک پہونچا دیتا ہے، اور یہ آدمی کا رخ بدل دیتا ہے، ان دونوں حضرات کی محبت و گفتگو سے حقیقت پسندی پیدا ہوئی، میں نے امریکی مصنف ڈریپر کی مشہور کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" اور لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ" پڑھی ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے یورپ ذہن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی، مغربی تہذیب اور اس کے عوامل و محرکات کو سمجھنے کے

لئے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے، مذہب و سیاست کے درمیان کشمکش کے موضوع پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سر بزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیا کہ پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا
بگیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و شیری

مسیحی مذہب اور اس کے اجارہ دار کلیسا کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی رہنمائی کرتا اس کی وجہ سے کلیسا اور سیاست کے درمیان ایک رقابت بلکہ محاذ آرائی ہونے لگی، کلیسا میں کیا کمزوریاں تھی اور سیاست کیا چاہتی تھی اور اس دور میں سیاست تھی اس کتاب میں مصر آمہ مذہب و سائنس سے ہمیں بڑا فائدہ پہونچا۔

دوسری کتاب تاریخ اخلاق یورپ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یورپ کے اخلاق اور اس کے معاشرہ کی تشکیل میں مادہ پرستی کا جو کردار رہا ہے، اس نے اسباب و عوامل کیا ہیں، وہ اس کتاب سے معلوم ہوا۔

پھر ایک تیسری کتاب لندن یونیورسٹی میں شعبہ کے صدر کی کتاب AGUDTO MODERN WICKEDNESS پڑھنے کو ملی جس میں اس نے بتایا ہے کہ اس وقت کی خباثت کیا ہے، دوسری کتاب A NEW PHILOSPHY FOR OUR TIMES پڑھنے کو ملی جس سے بڑا فائدہ ہوا۔

یہ دونوں کتابیں مولانا عبدالماجد دریابادی کے ذریعہ ملیں۔

یہ تو ہمارا مختصر تعارف تھا، اب آپ کو یہ بتانا ہے کہ ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ صلاحیت ہی بلکہ اہلیت اور واقعیت ہی نہیں بلکہ ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا کی ہم ایسی کتاب لکھیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ مسلمانوں کا ارتقاء اور عروج کا اور مسلمانوں کا انحطاط و زوال کے اخلاقی، انسانی، معنوی، روحی، ذہنی، معاشرتی اجتماعی اور سیاسی وجوہ کے انحطاط کا سبب ہے، یہ موضوع بالکل نیا تھا، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بالکل اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اس ناکارہ سے اس ہماری حقیر ذات سے کچھ کام لینا تھا، وہ کام عربی میں یہ کتاب تقریباً نے تھوڑی عرب نوجوانوں اور افسروں اور مفکرین نے پڑھا، سید قطب جیسے بڑے لوگ تھے وہاں تھے، انھوں نے جس نظر سے دیکھا پھر اس کتاب سے نئے حلقہ پر جو اثر پڑا، جس احساس کمتری میں عرب ممالک کے نوجوان دب دو بل قسم کا تھا، وہ تھے اس میں فرق پڑا اس کے بعد اور کتابوں کے لکھنے کی توفیق ہوئی۔

چند بنیادی کتب جن کا مطالعہ ضروری ہے

اب میں چند کتابوں کے نام بتا دوں، آپ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں، ایک تو آپ سیرت کے موضوع پر علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتابیں ہیں، میں نے کتاب "سیرت النبی" کو اول اردو کی کتاب عرب ممالک میں دیا گیا ہے، سید صاحب کی کتاب خطبات مدراس کا ضرور مطالعہ کریں، اس کے بعد صحابہ کرام، خلفائے راشدین کی سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، انھیں بھی مطالعہ میں رکھیں، علامہ شبلی کی الفاروق ہے، الفاروق ہے، الجزء خان شیروانی کی سیرۃ الصدیق اور ہماری حقیر تصنیفات میں الرقیق، ماذا خسر العالم اس کا ترجمہ تقریباً دنیا کی مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر مسلمان ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ضرور پڑھیں، یہ وہ بنیادی کتابیں ہیں، جو آپ کے ذہن کو اپنے نظام تعلیم، نظام فکر اور اس سے آگے بڑھنے اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات کے بارے میں اگر احساس کمتری ہے اس کو دور کریں گے، تاریخ دعوت و عزیمت کے یہ تینوں حصے بھی آپ پڑھیں، میں بغیر کسی تواضع اور مبالغہ کے کہتا ہوں کہ یہ اپنے موضوع پر بالکل نادر کتاب ہے، ابھی تک کسی اسلامی زبان میں اس طرح تاریخی تفتیش، دینی بصیرت، تنقید نظر اور جستجو تحقیق کے ساتھ پھر مؤثر طریقے سے صحابہ امت اور مجددین ملت کا تذکرہ نہیں لکھا گیا،

اس کا انگریزی، عربی، ترکی و فارسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

نقوش و اقبال یا واقع اقبال بھی آپ پڑھیں ابھی جو نظر پڑھی اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اقبال کو عشق رسول سے حصہ وافر ملا تھا۔ میں دو مرتبہ ان سے ملا ہوں اس وقت بہت کم لوگ زندہ ہوں گے جو اقبال سے ملے ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا، میں ان کی مجلس میں بیٹھا، ان کی باتیں سنیں، ان کے انتقال سے چند مہینے پہلے ان سے ملا تھا۔ مدینہ منورہ کا نام سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

ایک بار مدینہ منورہ میں مجھے بعد نماز مغرب تقریر کے لئے مدعو کیا گیا، مجھے شرم آئی کہ میں اللہ کے محبوب رسول کے علاوہ اگر کسی اور شخصیت کے بارے میں یہاں تقریر کروں تو یہ زمین میں گڑ جانے کی بات ہے اور سخت شرمندگی اور تعجب ہونے کی بات ہے، میں نے اپنی تقریری میں کہا کہ جو اور رسول میں غیر رسول پر تقریر کرنے کا اگر جواز ہے تو یہ کہ اس شخصیت (اقبال) کے بارے میں میں تقریر کرنے جا رہا ہوں وہ عاشق رسول تھے، پھر میں نے دو شعر ان کے فارسی کے پڑھے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ ہر صبحا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

میں یہ سنا رہا تھا میں مدینہ کی طرف چلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ شعر اور مدینہ کا سفر یہ تو ہر عرب کا سفر یہاں جانا ہے، تو اور کیا سوچ رہے ہو، میں نے کہا کہ پرندہ دن بھر اڑتا رہتا ہے، مارا مارا پھرتا ہے، لیکن شام ہوتے ہی وہ تیزی کے ساتھ اپنے آشیانہ کی طرف جاتا ہے، میں بھی اپنے آشیانہ کی طرف جا رہا ہوں۔

مولانا مسعود ندوی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ کپورتھلہ نے فارن میں کسی آٹوموبائل اسٹاپ پر انگریز کی میم ترجمہ کرانے کیلئے ڈاکٹر اقبال کو بلایا ان کی رہائش نے سارے انتظامات کئے، اتنے کو اچانک مہاراجہ کو خیال آیا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب کو کوئی ضرورت نہ ہو یہ دیکھنے کیلئے جب گئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مسہری پر آرام کرنے کے بجائے زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں، مہاراجہ نے

کئی بار پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ میرے آقا تو زمین پر لیٹتے تھے میں چارپائی پر سوؤں، مجھے یہ لیٹنا نہیں لیا۔

کلیات اقبال ضرور پڑھئے

اس لئے آپ کو مشورہ دوں گا کہ کلام اقبال میں بال جبریل اور ضرب کلیم ضروری پڑھئے، فکر کا بھی فائدہ ہوگا، اور ادبی فائدہ بھی ہوگا، ہم نے بعض عرب فضلاء کو دیکھا ہے کہ وہ روانگ اقبال کے صفحے کے صفحے زبانی پڑھتے تھے، ان میں بعض نے فنی غلطی بھی کی۔

حیاۃ الصحابہ کی افادیت

(۳) یوسف صاحب کی مقبول ترین کتاب "حیاۃ الصحابہ" آپ ضرور پڑھیں، اس میں صحابہ کرام کے مؤثر اور طاقتور ترین واقعات ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے احساس کمتری کے دور کرنے میں مدد ملے گی۔

(۴) ہمارا رسالہ اسلامی بیداری کی سیریا عربی تحریر ترشیدہ الصحوۃ الاسلامیہ ضرور پڑھیں، اس وقت دنیا کی تحریکوں میں کیا کمزوریاں ہیں، مسلمانوں کے کیا طبقات ہیں، اور ان کی ضرورتیں کیا ہیں، ان کے علمی مدارک کیا ہیں اور کس زبان اور کس نہج کی روشنی میں ان سے بات کرنی چاہئے اور کس لہجہ میں ان سے خطاب کرنا چاہئے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بہت سی تحریکیں جمود توڑنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں لیکن خود جمود کا شکار ہو جاتی ہیں، ان پر کائی جم جاتی ہے، جیسے سر عمل پر کائی جم جاتی ہے، اس کائی کو کئی مرتبہ ہٹانا کافی نہیں ہوتا بلکہ برابر دیکھتا پڑتا ہے، آپ کو پونگھ پونگھ کا کرنا ہے، اس سے ان کتابوں کو پڑھنے سے آپ کی ذہن سازی ہوگی، اور آپ کو فکری غذا فراہم ہوگی، دعوت کے موضوع اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور نشاۃ اسلامیہ پر ہمارے مقالات اور تحریروں کا مطالعہ کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدرسہ دینیہ سے فارغ ہونے والے طلبا کے نام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ۱۹۸۰ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے طلبا کے لیے خطبۂ صدارت کے طور پر جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس کی یہ تلخیص ۱۹۸۱ء کی تقریر کے ۱۹۹۶ء میں فرمایا، وہ طلبا و علما کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی جارہی ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و على اله و اصحابه اجمعين اما بعد

فرزندانِ عزیز! میں اس انجمن کے لئے اور یہاں سے فارغ ہونے والوں کے لئے اس سے بہتر پیغام اور اپنے مطالعہ، معلومات اور اپنے علمی ذوق و تجربہ سے بڑھ کر کوئی وصیت نہیں پاتا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر پر جانے والے صحابہ سے فرمایا تھا "استودعك الله دينك و امانتك و خواتيم اعمالك" میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے خواتیم اعمال۔ ان الفاظ میں لفظ امانت ایسا ہے جس کے مفہوم کو ایک مفرد لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ ضمیر کی بیداری، احساسِ فرض، فرائض کی ادائیگی، اللہ تعالیٰ کا خوف، انسانوں سے محبت، احکامِ الٰہی کا احترام اور ان پر عمل، یہ سب مفاہیم اس ایک لفظ میں شامل ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انا عرضنا الامانة على السموات و الارض و الجبال فابين ان يحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان انه كان ظلوما جهولا"۔

ہم نے (بارِ) امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور انسان نے اسے اٹھا لیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا (احزاب)

عزیزو! میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان تینوں چیزوں کو گرہ میں باندھ لیجئے بالخصوص ان پر نظر

لیجئے دین امانت اور حسن خاتمہ، ان میں خواتیم اعمال کی ذمہ داری آپ پر اس طرح نہیں ہے جس طرح دین امانت کی ذمہ داری آپ پر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کرنے کی چیز ہے لیکن اس کے لئے بھی کچھ اسباب ہیں، کچھ صفات و خصوصیات ہیں جن کا آپ کے اندر ہونا ضروری ہے، وہ ہے آپ کا طرز عمل، آپ کا عقیدہ اور آپ کا عمل، وہ کا تو اللہ کی طرف حسن خاتمہ کا فیصلہ ہوگا۔ وہ حسن خاتمہ نصیب کرنے کا شرط یہ ہے کہ ان بنیادی صفات سے آپ متصف ہوں جن پر حسن خاتمہ کا انحصار ہے۔

اپنا وقار بلند کریں

عزیزو! میں صاف صاف آپ سے کہتا ہوں، اور اس میں کسی اشارے کنائے سے کام نہیں لیتا، آپ نماز باجماعت کی پابندی کریں، فرائض تسبیحات، نوافل کی ترک نہ کریں، تاکہ معلوم ہو کہ آپ کسی دنیوی ورکشاپ سے پڑھ کر آئے ہیں مسجد کی طرف جاتے ہیں، بلکہ تمام کاموں میں ثواب کی نیت سے کریں۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جو مضرتیں اور جو امتحان و آزمائشیں آپ کو پیش آنے والی ہیں۔ اور یہ صف بند ملت اسلامیہ جس راستہ سے گزر رہی ہے۔ پھر معاشی ذمہ داریوں، خاندان کی پرورش کا مسئلہ، پھر جو اندرونی بیماریاں اور امراض ہیں وہ سب نمازی اور نمازی میں فرق پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی طرف سے توجہ ہٹا سکتے ہیں۔ خبردار نماز سے کبھی پہلے بنیادی اہمیت عقیدہ توحید کی ہے آپ کا عقیدہ خالص اور بے میز توحید کا عقیدہ ہو، اس سلسلہ میں مسلک ولی اللہ آپ کا معیار اور شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان آپ کا دستور العمل ہو۔ اس عقیدہ پر ہماری جماعت کی بنیاد پڑی ہے۔ اس دور میں کم سے کم ہندوستان بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایشیا اور یورپ و مشرق میں جو فکر سب سے زیادہ عمیق اور سمجھی بنیادوں پر استوار اور اسلام کی نکلی تعبیر اور صحیح تعبیر کے لحاظ سے، نیز سب سے زیادہ مفید، قابل عمل اور وقت کے اعتبار سے زندہ اور طاقتور بھی ہے شاہ ولی اللہ کے مسلک سے بہتر کوئی مسلک نہیں، آپ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ بھی کریں جس میں نظام عبادات کی مزید تشریح کی گئی ہے ہمارے کتب بینی و علمیت کا وہ حصہ خاص طور پر جس جو شاہ ولی اللہ و باوں سے متعلق ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ فکر ولی اللہ سے بڑھ کر ترقی یافتہ عالمانہ محققانہ حقیقت پسندانہ کوئی اور کتب تجدید و اصلاح اور کتب دعوت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر

ملفوظات حکایات و اشعار ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

صفائی سے کہتا ہوں کہ اس ملت کا سب سے بڑا فریضہ اور وقت کا جہاد یہ ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہوگی۔ آپ بلاد عربیہ دعوت دینے کیلئے جائیں، جہاں سے ہمیں ایمان کی دولت ملی، ان عربوں کو ان کا فریضہ یاد دلائے کیلئے جائیں، آپ کے عربی پڑھنے کی یہی قیمت ہے، الحمدللہ یہاں ایسا لٹریچر تیار ہو گیا ہے جس نے وہاں تک ہماری آواز پہنچائی۔ عرب قوم پرستی کے خلاف سب سے زیادہ موثر اور طاقتور آواز ندوۃ العلماء سے بلند ہوئی۔

اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں

عزیزو! آپ اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں اور اپنے جسم کو بھی آزاد رکھیں، اس وقت بہت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے وہ خطرہ یہ ہے ماموں اور مؤذنوں کی تنخواہوں کیلئے باقاعدہ تحریک چلائی جا رہی ہے۔ کہ انہیں حکومت کے خزانے سے تنخواہیں اور تمام سہولتیں دی جائیں۔ اسکا مطلب یہی ہوگا کہ اماموں سے الیکشن کے موقع پر کام لیا جائے گا۔ مسلم پرسنل لا، وغیرہ کے خلاف کام لیا جائے گا۔ اس لئے کہ جب مساجد محکمہ اوقاف کے ماتحت ہوں گی اور وہ سرکاری ملازم قرار پائیں گے تو ایسے ائمہ مساجد کے منبروں سے آزادی کے ساتھ دین کی بات نہیں کہہ سکیں گے۔ اس لئے آپ اپنے دین کی حفاظت کیجئے، عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی، حقوق کے لحاظ سے بھی اور فرائض کے اعتبار سے بھی

اماتک کا مطلب یہ ہے کہ ملت کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آپ پر کتنی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں ملت کن خطرات سے گزر رہی ہے، کس وادی خار سے گزر رہی ہے۔ آج مسلم پرسنل لا کو مٹانے کی کیسی کیسی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مشرکانہ تعلیم کے ذریعہ، جبری حد بندی نسل کو کس طرح ختم کرنے کی سازش میں ڈھالنے کی سرتوڑ کوشش ہو رہی ہے۔ اور یہ منصوبہ ہر حیلہ تیار ہے کہ مسلمان صرف نام کے باقی رہیں باقی ان کی تمام خصوصیتیں ختم ہو جائیں۔ اس ملک کو ایسین بنانے کی زبردست سازش کی جا رہی ہے۔ آپ کو اصلاح معاشرہ کا کام بھی کرنا ہے۔ کہ یہ بھی دینیم میں شامل ہے۔ اس وقت جاہلی رسوم و رواج وبائی طرح پھیلے ہوئے ہیں، دولت پرستی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ معمولی چیزیں خاطر جائیں لی جا رہی ہیں۔ آپ کو اس مہم کے خلاف بھی مہم چلانی ہے۔ بلکہ اس مہم کی پوری ذمہ داری آپ کو قبول کرنی ہے، پھر ثقافتی اور فکری لحاظ سے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی آپ کو حفاظت کرنی ہے،

رسم الخط اور لٹریچر کے لحاظ سے بھی اور زبان کے اعتبار سے بھی، اگر آپ قربانیاں دیں گے زہد واستغناء سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ یہ ملت اپنے مقتضیات کے ساتھ باقی رہے گی، اور یہ دین باقی رہنے کے لئے آیا ہے، اس وقت یہودیت، عیسائیت، ہندو ازم، بودھ ازم، یہ تمام ادیان و مذاہب نہ صرف بدل گئے بلکہ ان کی اصل شکل ایسی بگڑ گئی کہ ان کو پہچاننا ممکن ہو گیا ہے، پھر ان مذاہب و ادیان میں طویل عرصہ سے اصلاح و تجدید کی کوئی تحریک بھی نہیں اٹھی ہے، اسی وجہ سے یہ سب مٹ گئے، صرف اسلام اپنی اصل شکل میں روح کے ساتھ باقی ہے، عائد سے لے کر فرائض تک، مسنون سے لے کر مستحاب تک، اخلاق سے لے کر معاملات اور تہذیب تک سب باقی ہے قرآن باقی ہے اور اس کی زبان باقی ہے۔ اس کے ایک ایک حرف بلکہ حرکات و سکنات تک باقی ہیں، اس کی بنیادی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بقاء کی ذمہ داری لی ہے اور فرمایا کہ اسلام ایک مکمل اور پسندیدہ دین ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" اور "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم اسلام دینا" (دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پورا کر دیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مجددین اور مصلحین کا تسلسل ہے جو اس امت کی تاریخ میں کبھی ٹوٹنے نہیں پایا، یہ واحد دین ہے جس میں کوئی صدی اور کوئی ملک خالی نہیں رہا اگرچہ اس کا کام پورا اسٹیج پر نہیں کیا گیا لیکن ہندوستان کی حد تک اسٹیج پر سے کام لیا گیا ہے ہماری کتاب دعوت عزیمت میں دوسرے ملکوں کے مجددین کا بھی ذکر ہے۔

اسی مادر علمی سے رشتہ نہ ٹوٹنے۔

آخر میں آپ سے کہوں گا کہ اپنے ادارے سے تعلق رکھئے، بہت سے لوگ ہیں جو فارغ ہونے کے بعد یہاں آئے بھی نہیں، اس کا منہ نہیں دیکھا اور نہ معلوم کیا اس پر کیا گزری اور کیا گزر رہی ہے، اس کے ساتھ میں یہ بھی کہوں گا کہ اپنا مطالعہ جاری رکھئے کہ علم کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا علم برابر تازہ ہوتا رہتا ہے، اس میں ترقی بھی ہے، تغیر بھی ہے، پھیلاؤ بھی ہے، یہاں کے ترجمان "البعث" "الرائد" اور تعمیر حیات کا مطالعہ کیجئے، دار المصنفین اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے ماشاء اللہ اچھا خاصا لٹریچر تیار کر دیا ہے، آپ اس کو پڑھیں اور فائدہ

انھائیں۔ علماء نے قیام پاکستان کے وقت اور اس کے بعد بھی جو خدمات انجام دی ہیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ یہی محرکات تھے جنھوں نے مولانا محمد علی جوہر کے دل میں تحریک پیدا کی، چونکہ وہ بھی سیاست کے میدان میں مولانا کے نام سے جانے جاتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز کی زبان سے اور انگریزی تعلیمیں نے اسلامیت سے واقفیت ختم کر دی ہے۔ چنانچہ ثقہ قسم کے ایک خاص طبقہ کے سوا کر رہے ہیں اور بڑی بڑی باتیں مدہوشیاری سے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کر رہے ہیں۔ اس کے کہ وہی جذبہ اقتدار جس کا ذکر بالا میں ہوا ہے اس وقت دانش طبقہ پر اقتدار رکھتا ہے جو یورپ اور امریکہ کا تعلیم یافتہ ہے اس نے ایسی صورت میں ہمیں اس کی خاص طور پر تیاری کرنی ہوگی کہ ایسا لٹریچر تیار کریں جو تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں کو متاثر کرے اور اسلام کی بہ دولت انسانی قیادت کی صلاحیت پیدا ہو ان کے دل و دماغ میں راسخ کرے۔ اس جذبہ کو مطمئن کرنے کی تیاری بھی آپ کے ذمہ ہے۔ علمائے دین کا فریضہ ہے کہ یہ طبقہ ان کی زبان سمجھتے رہے بھی نہ ہی انسلاک کی امداد کی ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ طبقہ ان کی زبان سمجھتے سے اول اس تک اسلام پیش کرنے چاہئیں کس اسلوب میں اس نے متاثر ہونا چاہئے۔ اس تبلیغ میں جن تجربوں سے اپنے تاثرات ملے ان کی امداد میں پیش کئے اور تقریریں کی ہیں۔ ہماری توقع سے بڑھ کر ہیں امید ہے کہ یہ استعداد ہمیں قائم رہنے کی بلکہ مزید ترقی کرنے کی۔

محمد فاروق الرحمن الحمد شیخ الحدیث

علمائے حق نے وراثت نبوت کا حق کس طرح ادا کیا؟؟

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و اصحابه اجمعين اما بعد

دین خالص

علمائے حق حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اجانشین ہیں "العلماء ورثة الانبياء" اس کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کے زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیاء کرام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی وعمل کیا ہے یہ لفظوں میں "دین خالص" یا ایک لفظ میں "توحید" یعنی اللہ کی خالص عبادت اور کامل اطاعت جو انبیاء کی دعوت ہے اس کو اپنی ذات سے عمل میں لانا اور دوسروں میں اس کیلئے جد وجہد کرنا۔

"الا لله الدين الخالص" "ويكون الدين لله"

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون

(انبیاء رکوع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی بندگی کرو۔

دین خالص سے نفرت

دین کی سے انحراف کا قریب ہر سبب نخلت سے اللہ سے بے تعلقی اور اس سے انجام پانے والی سے بے توجہی کا سبب ہمیشہ بغاوت و غرور ہی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دنیا پرستی اور مادیت ہوتی ہے عزت و جاہ کا سودا، دولت کا عشق اور معاش میں مرتا پانے کی دھن کا وہ سے بالکل غافل کر دیتا ہے مادیت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ مرنے سے نجات کا نہیں، رضائے الٰہی

کے تحفظ کا شوق اور اس کے عذاب کا خوف دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں رہتی جس سے غافل لوگوں کی محبت اور گناہوں اور معاشی میں انہماک دل کو ایسا مردہ کر دیتا ہے کہ پھر اس کی اخلاقی حس بالکل ماؤف ہو جاتی ہے۔ نیک و بد اور حلال و حرام کی تمیز جاتی رہتی ہے۔ ایسے غافل اپنے اخلاق و اعمال، سیرت و کردار، معاشرت و آداب اور وضع صورت میں کافروں و ظالموں سے بہت زیادہ مختلف نہیں رہتے۔ شراب کے بے تکلف دور چلتے ہیں، منشیات و محرمات کا آزادی سے استعمال اور کباب کیا جاتا ہے۔ جرائم اور فحش و فجور میں نئی نئی ایجادات کی جاتی ہیں اور ان میں اپنی ذہانت اور ہنرمندی کا لوہا منوایا جاتا ہے۔ پرانی حسیں ان کے سامنے ماند ہو جاتی ہیں۔ شرم و حیا کی کوئی بات باقی نہیں رہتی، ایسے غافر، فاسق اور خود فراموش قوموں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ انہیں نہ تو خدا یاد رہتا ہے اور نہ اپنی حقیقی ہوش نہیں رہتی۔

ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم"

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا

(الحشر ۱۹)

کیسی وہ قومیں ہیں جن کا حال اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔

ان الذین لایرجون لقاءنا ورضوا بالحیوۃ الدنیا و اطمانوا بھا والذین ھم عن اٰیاتنا غافلون (یونس ۷)

بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی میں لگن اور مطمئن ہیں جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

غرض مسلمان اپنے خست شعار اور آخرت فراموش، منکرین آخرت اور اللہ و رسول سے بغاوت کرنے والوں سے ممتاز نہیں رہتے۔ بےشعور لوگوں کی جہالت کے لئے بھی ان کا وجود کبھی اس قدر بے سود اور بعض اوقات سنگ راہ ہوتا ہے جس طرح منکرین اور بعض اوقات یہ مدعیان اسلام، اسلام کے خلاف حجت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ پھر اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ غافلین یا منافقین دنیا کی کشش یا دنیاوی لیاقت کو یا کششوں یا کمتر دراجت سے مسلمانوں کی سند حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں اور مصر لوگوں کی امامت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی میں انتشار و

رسوخ پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کے اخلاق و اعمال عوام کیلئے نمونہ بن جاتے ہیں، اور ان کی عظمت اور وقعت دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہے اس وقت ان "اکابرین مجرمین" کی وجہ سے غفلت و خدا فراموشی اور غیر اسلامی زندگی کا ایسا دور دورہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی میں جاہلیت کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس طرز زندگی کو کچھ زیادہ مدت گزر جاتی ہے، تو اسی کا نام اسلامی تہذیب، تمدن پڑ جاتا ہے، جس کی مخالفت غیر اسلامی تمدن سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

علماء کی اصل ذمہ داریاں

ان تمام حالات میں پیغمبروں کے جانشینوں کو کام کرنا پڑتا ہے، شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں، جتنی نائبان رسول اور علماء و مصلحین اسلامی جماعت ہے جسمانی امراض کی طبیبوں کو بھی آرام اور فرصت کا موقع میسر آ جاتا ہوگا لیکن ان اطباء روح کے لئے کوئی موسم اعتدال و صحت کا نہیں، بہت ہی جماعتیں ایسی ہیں کہ جب ان کی اپنی حکومت قائم ہو جاتی ہیں تو ان کی جد و جہد ختم ہو جاتی ہے اور ان کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے، لیکن علماء حق اور "قوامین للہ شھداء بالقسط" (اللہ کی طرف سے منتظم اور انصاف کے گواہ) جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ جاتا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں جو حکومت و حاکمیت اور دولت و فراغت ہی کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں، اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں، وہ اپنے فریضہ احتساب، نگرانی، اتفاق اور دینی جذبہ کا منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے، اس وقت بھی ان کا جہاد اور ان کی جد و جہد جاری رہتی ہے کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کر رہے ہیں۔ کہیں سامان عیش و غفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے، اور اس کو انڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کیلئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر پیس بٹھا رہے ہیں، کہیں تجارتی اور مردوں و عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں، کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بد اخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں کہیں غیر مسلموں اور عیسائیوں کے عادات اور خصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے، کبھی مسجدوں کے حسن اور مدرسوں کے

ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور "قال اللہ اور قال الرسول" کی صدا بلند کر رہے ہیں، کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں یا مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کر رہے ہیں، اللہ کی محبت و طاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں، امراض قلب حسد، تکبر، حرص، ریا اور دوسری نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں، کبھی ثغور پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں، اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور زبانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے، انھیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علمائے حق اور ان کی جد وجہد سے خالی نہیں رہا۔

ایک لمحۂ فکریہ

بنی امیہ کا دور مسلمانوں کا شاہانہ عہد ہے، بظاہر مسلمانوں کو تمام کاموں سے فرصت ہو گئی ہے، مگر علماء کو فرصت نہیں، حضرت حسن بصریؒ کی مجلس وعظ گرم ہے، جس میں اپنے زمانہ کے منکرات و بدعات کے خلاف تقریر ہو رہی ہے، اپنے زمانہ کی معاشرت، نظام اور اہل حکومت کی بے دینی پر تنقید ہے، نفاق کی علامات اور منافقین کے اوصاف وسیع پیمانہ میں بیان ہو رہے ہیں اور موجودہ زندگی پر ان کو منطبق کیا جا رہا ہے، خشیت الٰہی اور آخرت کا بیان ہے۔ جس سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی ہیں اور روتے روتے حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں، سورۂ فرقان کے آخری رکوع "وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا" کی تفسیر ہو رہی ہے اور صحابہ کرامؓ کے چشم دید حالات اور واقعات اس طرح بیان کئے جا رہے ہیں کہ اس سارک دور کی تصویر کھینچ گئی ہے اور صحابہؓ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں، لوگ مجلس سے توبہ کر کے اٹھتے ہیں، اور سینکڑوں آدمیوں کی اصلاح حال ہو رہی ہے۔

بنی عباس کا دور ہے اور امام احمد بن حنبلؒ شاہ وقت کے زوق و رجحان اور مسلک کے خلاف مذہب اعتزال کی صاف صاف تردید کر رہے ہیں اور بدعات کا رد، اور سنت کا اعلان کرتے ہیں، علم کلام اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے مقابلہ میں خالص سنت اور عقائد سلف کی تبلیغ فرما رہے ہیں اور یہ سب اس جرأت و اطمینان کے ساتھ کہ گویا مامون و معتصم کی

حکومت نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت ہے۔

بغداد اپنے عروج پر اور بغداد کی تہذیب، دولت اور سب خلقی اور آزادی عروج پر ہے، ہر طرف عیش و غفلت کا سمندر رواں ہے، کرخ اور رصافہ کے میدانوں اور مسجدوں کے سامنے میلے لگے ہوئے ہیں، بازاروں میں بڑی چہل پہل ہے، لیکن سینکڑوں آدمی، ان تمام دل چسپیوں اور تفریحات سے آنکھ بند کئے ایک طرف چلے آ رہے ہیں، آج جمعہ کا دن ہے، محدث ابن جوزیؒ کا وعظ ہے، وعظ ہو رہا ہے، سینکڑوں آدمی تائب اور سینکڑوں غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں، لوگ خلاف شرع امور سے توبہ کر رہے ہیں۔

ایک طرف اسی پر شور اور ہنگامہ زدہ بغداد میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس، وعظ اور روحانی فیض جاری ہے، جس سے عرب و عجم کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، بڑے بڑے امراء اور وزراء سے اپنے عیش و دولت کو قبیح یاد کہہ کر زہد و فقر کی زندگی اختیار کرتے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور نشۂ دولت میں مخمور تائب ہوتے ہیں، خلافت عباسی کے عین دار الخلافہ میں، اور خلیفہ بغداد کی حکومت کے بالکل مقابل اس درویش کی روحانی اور دینی حکومت قائم ہے، جس کا سکہ عرب و عجم پر رواں ہے۔

بعد کے تمام عہدوں میں اور حکومت اسلامی کے تمام اطراف و اکناف میں، سلاطین و امراء کے بالمقابل اور تمام دوسری دلچسپیوں، دعوتوں اور تحریکوں اور مشاغل کے ساتھ علمائے حق کی یہ کوششیں اور ان کے مراکز، مساجد، مدارس، خانقاہیں، مجالس وعظ باضابطہ اور بے ضابطہ احتساب جاری رہا۔

علمائے حق کا یہی بدقسمت یا خوش قسمت گروہ ہے، جس کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنان حکومت کے ہاتھوں (جبکہ دوسروں کو سیم و زر کی تھیلیاں اور عہدوں کے پروانے ملتے تھے) دار و رسن اور تازیانے کے انعامات ملے، اسی گروہ کے کتنے افراد کو، ایک مسلم، ان حاکم (حجاج) کے ہاتھوں شہادت کا سرخ خلعت ملا، پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد (حضرت امام ابو حنیفہؒ) کو امیر المومنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا، پھر اسی گروہ کے دوسرے امام (حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کو سب سے بڑے روشن خیال مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں، پا بہ جولاں اور اسیر زندان ہونا پڑا، اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں

دیتے رہے ہیں۔

آخر زمانہ میں بھی کیسے کیسے عادل و دادگر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر زیادتی ہوئی، جہانگیر کی زنجیر عدل مشہور ہے، مگر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ساتھ اس میں بھی زنجیر پڑی، اور ان کو اپنے اظہار حق کے صلہ میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

ان کارناموں اور خدمات کے علاوہ (جو حاملین دین اور محافظین شریعت کے فرائض منصبی ہیں) امت کو ہم اس حیثیت سے دفائی بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ شرک و کفر، بدعت اور فحشت کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کی کوششیں ہیں، اور دین کی تسلسل جدوجہد ہے، جو قیامت تک جاری رہنے والی ہے۔

لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم او کما قال (الجہاد ماض الی یوم القیامۃ) میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر اسلام قائم رہے گا، اس نے مدد کرنے سے اس کو یہ نقصان نہ پہونچائے گا، جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

لیکن ان کے علاوہ اور خدمتیں ہیں، جو ہر زمانہ کے علماء کے ذمہ ہیں، اور علماء ربانی ان کو انجام دیتے رہے ہیں۔

اسلام کو آئے ہوئے ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے ہیں، اس عرصہ میں بعض مسلمانوں کے طرز عمل اور محبت نے اثر سے بیشتر مسلمانوں نے متعدد ممالک میں لاکھوں کروڑوں نے اسلام قبول کیا اور پوری پوری بستیاں اور قبیلے کے قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جا سکا، اور ان پر اسلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ پڑا، یا ان پر کوئی اثر پڑا تو ان کے بعد کی نسلوں میں یہ اثر باقی نہ رہا، کا اثر نہ رہا، اس نے سوا ان کو کچھ یاد نہ رہا کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اور انھوں نے کس زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور سوائے اسلامی نام اور کلمہ طیبہ کے الفاظ کے ان کے پاس اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہا، کچھ دنوں کی اور بے توجہی کے بعد اسلامی رسم بھی باقی نہ رہا، کلمہ بھی ان میں سے چند نے سوا کسی کو یاد نہ رہا، مگر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف باقی رہا، کچھ دنوں بھی ایسے ہوئے اور ان وقت بھی قادیان کا ارتداد مثل

میں آنے لگا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاص حلقہ کے باہر اسلام کی بنیادی بھیشہ کمزور رہی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، تقریباً ہر بڑے شہر سے کچھ فاصلہ پر اور ہندوستان کے تمام اطراف میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی مسلمان قومیں اور برادریاں موجود ہیں، جن کو اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا، دیہاتوں کی بڑی مسلمان آبادی ایسی ہے، جو شروع سے تبلیغ اسلام کی محتاج ہے، ان میں سے بکثرت اپنے "مسلمان" ہیں، جو ہنوز عہد جاہلیت میں ہیں، اور ان کی بعثت نبوی کی خبر بھی نہیں، وہ اسلام سے اتنے بے خبر ہیں، جتنے دیہاتوں کے غیر مسلمان، فرائض و ارکان اسلام کا ذکر چھوڑ کر بعض بڑے شہروں کے اطراف و نواح میں ایسے مسلمان ملتے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تک سے بھی واقف نہیں

بعض علمائے ربانی نے اپنے زمانہ میں ان علاقوں اور دیہاتی رقبوں کی طرف توجہ کی اور بعض مسلمان قومیں اور برادریوں کو از سر نو مسلمان بنایا، ان میں تبلیغی دورے کئے، وعظ و نصیحت، وتلاوت، آمد و رفت اور اپنے اخلاق و تالیف قلب سے ان کے دل مٹھی میں لئے، ان کو مرید کر کے ان کی توحید و اتباع سنت کے راستہ پر لگایا، شرک و بدعت سے تائب کیا، جاہلانہ رسمیں، غیر مسلموں کی وضع و صورت اور کفر و جاہلیت کے شعار چھڑائے، ان میں اخلاق و انسانیت پیدا کی، پابند فرائض اور خوش اوقات بنایا، علم کا شوق دلایا، اور تعلیم کو رائج کیا اور ان میں سے لائق افراد کو چھانٹ کر اور اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت و تعلیم دی، پھر ان سے اپنی قوم اور دوسری جماعتوں کی تبلیغ و اصلاح کا کام لیا، یہ تبلیغی کام، جو انبیاء علیہم السلام کا واسطہ کا طریق کار ہے، سب سے زیادہ ظاہری مشابہت رکھتے ہیں، ان کے دوسرے کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح کم اہم نہیں۔

۳۔ قرآن و حدیث اسلام کی طاقت کا اصلی سرچشمہ ہیں، جن سے ہمیشہ طاقت اور روشنی حاصل کی جا سکتی ہے اور جن کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کے کمزور سے کمزور طبقہ میں روح پھونکی جا سکتی ہے، شرک و کفر، بدعت و غفلت کے خلاف سب سے کارگر حربہ قرآن و حدیث کا علم اور ان کی اشاعت ہے، ان کا صحیح علم اور ان کی روشنی جس قدر پھیلتی جائے گی، کفر و جہالت کی تاریکیاں دور ہوتی جائیں گی، اس لئے ہزار تبلیغوں کی ایک تبلیغ ان کی نشر و اشاعت ہے۔

جانشین انبیاء کی خصوصیات

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کی ہمہ آنکھی اور ایک ہے کہ یہ بات کہتے ہیں اور ایک ہی بات کہتے رہے ہیں وہ یہ کہ یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارا کوئی اور معبود ان کے سوا نہیں ہے

ان کے جانشینوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام کوششوں اور ان کی زندگی کے متنوع مشاغل کا ہدف بھی ایک ہوتا ہے وہ دعوت الی اللہ ہے درس و تدریس وعظ و تذکیر تبلیغ و تذکیر تصنیف و تالیف سلوک و تصوف تربیت و ارشاد سب کے مشاغل خلق خدا کو اللہ کی طرف بلانا اللہ سے ملانا اور اللہ ہی کا بنا دینا ہوتا ہے ان کے مشاغل متنوع اور مختلف ہو سکتے ہیں مگر سب کا سرا اور مقصد ایک ہوتا ہے وہ سب کچھ کہتے ہیں مگر حقیقت ایک ہی بات کہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں۔

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورہ رحمان

حضرت نوح کی طرح وہ بھی ان مشاغل اور مختلف طریق تبلیغ کی طرف اشارہ کرتے کہتے ہیں

رب انی دعوت قومی لیلا ونہارا
اے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن
فلم یزدھم دعائی الا فرارا
پھر میں نے ان کو بلایا۔
وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم
پھر میں نے ان کو کھلم کھلا دعوت دی۔
یہ وہ سیدھی اور انفرادی دعوت کی کوششیں ہیں ظاہر ہے کہ ہر ایک کی تدبیر یہ تھی کہ ہر کہیں اور ہر جہات و اماکن قدیمہ (جہاں ان کی دعوت و تبلیغ کے اعلان و اسرار کی شکلیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اپنے دین سے لگائے رکھے اس پر آپ سے استقامت چاہوں دعا
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علمائے دین کا منصب

استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تقریری مجلس علمی (حیدرآباد) کی اس نشست میں فرمائی تھی جو ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو محسن الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے مکان قدیم قلعہ میں ہوئی تھی اور اس میں ہندوستان بھر کے علمائے کرام شریک ہوئے تھے۔ اس تقریر میں دینی تعلیم کے مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مقاصد بیان فرمائے تھے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط

(المائدہ ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دیتے انصاف کی۔

حضرات علمائے کرام کی اس موقر مجلس میں کچھ عرض کرنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، پرانی کہاوت ہے "لکل مقام مقال" میں کوشش کروں گا کہ اس اہم اور باوقار مجلس اور موقع محل کے مطابق اپنے معروضات و خیالات پیش کروں۔

انہوں نے پھولے پھولے واقعات اور روز مرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں اس میں شیخ سعدی خاص طور پر بڑے ممتاز ہیں اس طریقہ سے مولانا رومؒ شمالوں کے بادشاہ ہیں، دونوں، روزمرہ کے واقعات سے بڑی حکیمانہ باتیں اور بڑے عمیق نتائج نکالتے ہیں، میں اپنا بھی اس قسم کا ایک تاثر اور عبرت کا سبق پیش کرتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کر رہا ہوں دلی سے چلا اور حیدرآباد پہونچا، خدا جانے کاری نے کیا کیا رخ بدلے، کن کن علاقوں سے گزری لیکن قبلہ نما نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا، اس نے بگاڑی کے بجائے کی پروا کی، نہ سمت کے تبدیل ہونے کی، مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سا جماد اتنی چیز جو انسان کی صنعت ہے، وہ اتنی امین، اتنی ثابت قدم، ایسی وفادار، اور ایسی پابند اصول ہے، کہ اس نے نہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے، نہ یہ کہ انسان (جو اشرف المخلوقات ہے)

ہوا اپنا رخ بدلتا ہے ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا اور ہم نے اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی اس سے مجھے غیرت بھی آئی اور عبرت بھی ہوئی کہ قبلہ نما تو کسی کی پروانہ کرے، اور ہمیشہ صحیح قبلہ بتائے اس نے اپنا مقصد و جود تبدیل نہیں کیا اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق آنے دیا اس سے مجھے خیال ہوا کہ علمائے دین کو حقیقت میں "قبلہ نما" ہونا چاہئے، ان کے اندر قبلہ نما کی سی استقامت ہونی چاہئے کسی صرف کی ہوا چلے اور کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور سمجھانے والے کتنا ہی سمجھائیں۔

زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز

لیکن ان کا عقیدہ اقبال (جو خود اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور مفکر و فلسفی اور پھر شاعر تھے) کی اس تعلیم پر ہو۔

صدیث کہنہ نقراں تو با زمانہ بساز
زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں

علماء امت کی شان

گفتند جہان ما آیا بتو می سازد
فتم کی نمی سازد گفتند کی برہم زن

حضرات علماء کی شان یہی ہونی چاہئے امت مسلمہ رستوں میں، اور جماعت علماء حاملین علم میں الگ شان رکھتے ہیں، امت مسلمہ کو ایک قبلہ دیا گیا ہے، وہ جہاں کہیں ہو اسی قبلہ کی طرف اپنا رخ کرے، جس امت کو ایک معین قبلہ دیا ہے اس کو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ تمہارے دلوں کا قبلہ تمہارا قبلہ حاجات، تمہاری فکر اور سعی و جہد کا محور ایک ہی ہونا چاہئے، نمازوں میں خانہ کعبہ اور اعمال و مساعی و مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی (جو معبود و مقصود حقیقی ہے) رضا آپ حضرات خدا کے فضل سے نہ صرف اہل علم ہیں، بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی

قیادت کا مقام عطا فرمایا ہے، خاص طور سے یہ مؤتمر جیسی علمی جہاں اس وقت ہم جمع ہیں اس سے فائدہ اٹھا کر دو اہم حقیقتوں کے بارے میں ایمانی طور پر کچھ عرض کروں گا۔

ایک تو عقائد اور حدود شرعیہ کا مسئلہ ہے، اس میں جماعت مسلمہ کو بالکل قطب نما کی طرح ہونا چاہئے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس کو سامنے رکھنے کا تو وہ اس کی رعایت نہیں کرے گا وہ صحیح سمت بتائے گا، جہاں تک عقائد اور حدود شرعیہ کا تعلق ہے، دین میں کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں، حکمت اور چیز ہے، مداہنت اور چیز، حکمت اور مداہنت میں بڑا فرق ہے، بات آدمی بھی اور صاف بات حکمت کے ساتھ کہہ سکتا ہے، اس کا اسلوب حکیمانہ ہو۔ "ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" لیکن حکمت نہ ہو قرآن شریف میں آتا ہے" وددوا لو تدھن فیدھنون۔

اللہ کے رسول کو صاف حکم ہے "فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین" یہ "اعرض عن المشرکین" کا جملہ "صدع بالامر" کا محل متعین کر دیتا ہے، جہاں پر توحید اور شرک کی سرحدیں آتی ہوں، وہاں "فاصدع بما تؤمر" کا حکم ہے، نرمی اور دعوت، کسی اور چیز میں ہو تو ہو، لیکن توحید و سنت کے بارے میں منصوصات، شریعہ و قطعیات دینیہ کے بارے میں "فاصدع بما تؤمر" کا حکم ہے، اگر "فاصدع بما تؤمر" مطلق آتا تو اس میں کچھ گنجائش تھی، لیکن "واعرض عن المشرکین" نے بالکل تفسیر کر دی کہ اس کا موقع محل کیا ہے، علماء حقانی کا فرض ہے کہ توحید کے بارے میں بالکل بے لاگ اور صاف بات کہیں لیکن حکمت کے ساتھ کہیں، بقول غالب ایسا نہ ہو۔

کہتے ہیں، وہ بھلے کہ لیکن بری طرح

شروع ہو تو علماء شروع میں بھی سے اچھی نرم سے نرم زبان استعمال کریں، بتدریج وہ کلمات سے کام لیں لیکن اس طرح آتا ہے تاویل اور غلط فہمی کی گنجائش، یہ عوامی طرز عمل کا نتیجہ ہے، کہ آج تک یہ دین قائم ہے، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہے، جس کی ہلاکت کا شوق ہے وہ شوق سے ہلاکت میں پڑے، لیکن وہ شریعت اور شریعت کے حاملین والزام نہیں دے سکتا، تاریخ کا اگر عمیق و وسیع نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس امت کی تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا کہ یہ امت عمومی طور پر کسی ضلالت کا شکار رہی ہو جو متقابل طور پر

ضلالتیں رہی ہیں لیکن پوری امت مسلمہ کسی سازش یا کسی عالمگیر ضلالت میں کبھی مبتلا نہیں ہوئی اور خود حدیث میں آیا ہے "لا تجتمع امتی علی ضلالۃ" اس کے برعکس یہودیت بالکل شروع میں تحریف کا شکار ہوگئی اور عیسائیت بالکل عہد طفلی اور آغاز کار میں ایک بالکل نئی بدعی پر چل پڑی جس پر وہ صدیوں سے چلتی آرہی ہے اسی لئے قرآن نے یہود و نصاریٰ کو "ضالین" کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ وہ بھٹک چکے دوسرے راستہ پر چل کے لیکن الحمد للہ اسلام اس سے بالکل محفوظ ہے۔ اس وقت تک توحید و شرک کا فرق سنت و بدعت کا فرق اسلام اور جاہلیت کا فرق غیر مسلمین کی معاشرت، تمدن اور اسلامی معاشرت و تمدن کا فرق بالکل واضح ہے کوئی ملک کسی وقت سے کسی خاص حالت میں بھی خارجی یا داخلی سبب کی وجہ سے کسی سازش کا شکار ہو جائے یا کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے یہ الگ بات ہے علماء حق اس صورت حال سے بھی نبرد آزما اور اس کے مقابلہ میں صف آرا رہتے ہیں اور اصلاح حال کی کوشش جاری رہتی ہے۔

امت مسلمہ کا فرض

پوری امت مسلمہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔" یاایھا الذین امنو کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط" (یعنی تم اللہ کے لئے حق کے سلسلہ میں جان جاؤ) ہماری زبان اور محاورے میں "خدائی فوجدار" ایک لفظ استعمال ہوتا ہے کہ آپ خدائی فوجدار ہیں "لیکن" قوامین" کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ فوجداری کا ہے، مبالغہ کے اس صیغہ (قوامین) سے "خدائی فوجداری" کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ قوامین عدل ہو تو شاید یہ بات نہ پیدا ہوتی کوئی پوچھے نہ پوچھے، کوئی بلائے نہ بلائے، کہتے ہیں کہ آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں آپ یہ جملہ کہتے ہیں، اس آیت میں خطاب اگرچہ پوری امت سے ہے لیکن علماء کی اس بارے میں امتیازی شان ہونی چاہئے، ان کو "شھداء بالقسط" حق و صداقت کا گواہ و علمبردار ہونا چاہئے، اگر امت اسلامیہ کا فرض تو اقوام عالم کا احتساب ہے تو علماء اسلام کا فرض مسلم معاشرہ کا احتساب کرتے رہنا چاہئے، کہیں سے یہ معاشرہ صراط مستقیم کو چھوڑ نے لگے اس بارے میں ان کا کام بالکل پیمانہ کا سا ہے، وہ ہر جگہ ہر موسم میں ہر کارہ بار بتاتا ہے، وہ صحیح شہادت ادا کرتا ہے۔

حضرات! اسی طرح علماء کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو زندگی کے حقائق سے ملک کے

معاملات، معاملوں کے تغیرات اور تقاضوں سے بے خبر اور واقف نہیں، ان کی کوشش ہونی چاہئے کہ مسلمان شروع کا رابطہ زندگی اور دین سے کٹنے نہ پائے، اس لئے کہ آئندہ دین اور مسلمانوں کا رابطہ زندگی سے کٹ گیا اور وہ خیالی دنیا میں زندگی گزارنے لگے تو پھر دین کی آواز بے اثر ہوگی، اور دعوت و اصلاح ہی نہیں ہوگا، بلکہ اس دین سے جو عین اس ملک میں رہنا مشکل ہو جائے گا، تاریخ بھی بتاتی ہے کہ جہاں مسلمانوں نے اپنے کو ایسی زندگی کے حقائق سے بے بہرہ و ناواقف نہیں کیا، اس ماحول میں اپنے فرائض کے انجام دینے کی انھوں نے تمکین نہیں کی، ایک اچھا شہری، ایک مفید عنصر بننے اور اس ملک کی قیادت حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہاں اس ملک نے ان کو اس جرم کی پاداش میں کہ انھوں نے اپنا کام نہیں انجام دیا اور ان کو اکل کے باہر پھینک دیا، اس لئے انھوں نے اپنی غلط کوشش بنائی تھی، آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانشمند اور حقیقت پسند اور فہمی قیادت کے محتاج ہیں، آپ مسلمانوں کو سوفیصدی تجارت کرنا رہنا ہیں، سب کو متقی و پرہیزگار بنانا ہیں، لیکن ان کا ماحول سے بے تعلق نہ ہونا، وہ یہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، ملک کو جب وہ بے ملک میں بداخلاقی، طوفان اور بے راہی عام نہیں رہی ہے، ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو رہی ہے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تجھ تو تجھ پانچ وقتوں کی نمازیں کو پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اگر آپ نے دین و دنیا کے لئے اس ماحول میں جگہ نہیں بنائی اور ان کو ملک کے لوٹ تخصص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا، جو ملک کو بے اور روی سے بچا سکے، تجھ پاؤں رہتا ہے، اور ایک بلند کردار پیش کرتا ہے تو آپ یاد رکھئے کہ عبادت و اکل دین کی علامتیں اور شعائر تو ہیں، وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے گا، اگر آپ نے مسلمانوں و انھیں بنا کر اور ماحول سے کاٹ کر رکھا، زندگی کے حقائق سے الگ تھلگ بند رہیں، ملک میں ہونے والے انقلابات سے بچنے والے قوانین علوم کے دل و دماغ پر حکومت کرنے والے رجحانات سے وہ بے خبر رہے تو پھر قیامت تو الگ رہی (خدانخواستہ) امت کا وجود بھی خطرہ میں ہے، اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی، فاتح مصر سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ نے جس وقت مصر فتح کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت پر منکشف کیا ہوگا کہ اگر اللہ مصر نہ دیں نہیں بلکہ ہزاروں برس اسلام کا حافظ ہوتا رہے گا، مسجد اقصیٰ جس مقدس جگہ اس کے بالکل قریب ہے، وہی شہنشاہ کی

وہاں سے بے دخل ہو چکی ہے، قبلی مسجد سلطنت وہ تو زندہ ہے، لیکن انھوں نے عربوں اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا "اقم فی رباط دائم" یاد رکھو تم ہمیشہ مورچہ پر ہو، تم ہمیشہ سرحد پر پہرا دے رہے ہو، آنکھ جھپکی اور مارے گئے، مورچہ پر کمزور رہنے والے کو ہر وقت چوکنا اور بیدار رہنا چاہئے، اس کے لئے نہ غفلت کی گنجائش ہے نہ تغافل کی، نہ جہل کی نہ تجاہل عارفانہ کی۔

ملک کو تباہی سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے!

حضرات، جس ملک میں اس وقت ہم زندگی گزار رہے ہیں، یہ ملک شر و فساد کے ممالک اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اس ملک میں بہت سے فلسفے، بہت سی سیکی طاقتیں، بہت سی تخریبی تحریکیں کام کر رہی ہیں اور بہت سرگرم اور فعال ہیں، نظام تعلیم برابر بدلتا رہتا ہے اور کبھی وہ شدت سے عقائد و حقائق دینی پر اثر انداز ہوتا ہے، جبری تعلیم نے اور قومی زبان نے بھی نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اس حالت میں ہم کو حالات کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اپنے تحفظ کا سامان کرتا رہنا چاہئے۔

اس کے ساتھ مسلمانوں کو بتانا چاہئے کہ دیکھو اس ملک کو تباہی سے بچانا تمہاری ذمہ داری ہے تم باایمان، باایمان اور باکردار بن کر یہاں رہو، اگر تم یہاں حضرت یوسف کا نمونہ پیش کرو گے تو پھر وہ وقت آئے گا کہ اہم سے اہم اور نازک سے نازک تر اور دشوار سے دشوار تر ذمہ داری تمہارے سپرد کی جا سکے گی، حضرت یوسف نے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفیظ و علیم کی صفت عطا فرمائی تھی، دیکھا کہ اس ملک میں اس وقت تک دین کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور دین کے لئے مقام پیدا کیا نہ جا سکے گا جب تک وہاں اپنی اہمیت اپنی خیر خواہی، انسان دوستی اور عدل کا ثبوت نہ دیں گے، اور اللہ کے بندوں کو اپنا گرویدہ نہ بنائیں گے اس وقت تک اس ملک میں خدائے واحد کا نام لینا بھی مشکل ہوگا، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہمارے بغیر یہ ملک چل نہیں سکتا ہم نہ رہے تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔

میرے بھائیوں اور دوستوں! یاد رکھئے، اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے اور جو گرم و سرد ہوائیں چل رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائیں گے اور ہم کسی تکلیف

(AIRCONDITIONED) مکان میں رہنا شروع کر دیں گے، جہاں بڑے بڑے جھونکا پہنچتے تھے نہ سردی تم اپنے ساتھ بھی یہ خواہش کریں گے، اپنے دین کے ساتھ بھی کوئی ترقی ملک کی آبادی کا کوئی حصہ باقی دنیا سے کٹ کر نہیں رہ سکتا، یہاں اس کے شرائط اور حدود ہیں آپ بڑا تحلیل نہ ہوں آپ اپنے پیغام اور دعوت کے ساتھ رہیں آپ اپنی تہذیبی و معاشرتی خصوصیات کے ساتھ رہیں آپ اپنے ملی تشخص کو پورے طور پر برقرار رکھیں اور اس کے کسی حصے سے بھی آپ دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں لیکن زندگی کے دھارے سے الگ نہ ہوں، میں قومی دھارے کو نہیں بتا رہا خدا نہ کرے کہ اس زندگی میں کبھی میری زبان سے یہ لفظ نکلے کہ قومی قومی دھارے میں جذب ہو جایئے، کٹیں زندگی کے دھارے سے آپ الگ تھلگ ہو جائیں کہ زندگی کے دھارے سے جدا الگ ہو اور الگ ہی ہو لیے، اس کی جگہ زندہ انسانوں میں نہیں رہتی، میں اسلام کو ایسے محدود اور ناقص نہیں سمجھتا کہ حالات اور زندگی کے مسائل کی طرف توجہ نہ دے تو فرائض چھوٹ جائیں گے، عقائد میں خلل آ جائے گا، ہمارے اسلاف نے تبحر علمی اور اجتہاد کئے ہیں لیکن ان کی تجدد بھی نہیں چھوٹی، معمولی سنت بھی ترک نہیں ہوئی، حضرت سلمان فارسی کا واقعہ ہے عراق کے گورنر تھے اور مدائن کے دارالحکومت میں رہتے تھے، ایک مرتبہ کھانے کی کوئی چیز زمین پر گر گئی تو بغور کرنے لگے تو کھانے لگے، کسی نے کہا کہ رہنے آپ والی ہو، ایسے کام کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں اپنے منہ کی سنت تم جیسے بدقوف کی خاطر چھوڑ دوں گا، ایک کہتا ہے کہ آٹے کو پانی نہیں لگنا چاہئے اور پانی آٹے کو آگ بجھ جانی چاہئے یہ غلط تخیل ہے، آپ پوری عزیمت، شان، تمکنت اور کثرت عبادت کے ساتھ رہیں اور کامیاب شہری بن سکتے ہیں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی اچھی شہری بن سکتا ہے جو خدا کا سچا پرستار اور اپنے اصولوں کا پابند ہو، آج ہندوستان ہی نہیں تقریباً تمام خاص مسلم ممالک اور عرب ممالک کی بھی سمجھ میں آ چکا ہے کہ وہاں بھی جو پڑھے لکھے کرم فرما ہوتے آ رہے ہیں، نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، اسلام اور جاہلیت کی کشمکش ہو رہی ہے، اسلام کے نئے نئے تقاضے، زندگی کے نئے نئے مسائل درپیش ہیں، ان سے آنکھیں بند کر لیں اور یہ کہنا کہ نہیں کچھ نہیں ہو رہا ہے غلط ہے، اس حقیقت پسندی، وسیع النظری اور پیش بینی کا ثبوت دینے کا حیدرآباد میں بھی اچھا موقع ہے، یہاں تعلیم بھی ہے اور قوت بھی یہاں کے لئے

[illegible] تنظیمیں اور تحریکیں پیدا ہوئی ہیں لیکن مسلمانوں کو ایک اجتماعی قیادت اور صحیح منزل کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو حق کے بارے میں اصول سے بارے میں شریعت کے خصوصیات کے بارے میں پہلوانی کی استقامت اور فولادی کی صلابت اور دوسری طرف پوری وانصفی، پوری باخبری اور پوری تعمیری صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات سے متصف ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ جماعت جس نے ملک کی بڑی امید ہے کی قیادت آپ کے پاس نمودار ہے کی مسلمانوں میں یا ہی شعور (قومی اسپرٹ) اور ملی وقار کی حفاظت کی صلاحیت پیدا کی، ملک کے لئے فکر مندی اس کو اپنے لئے پسند اور اس کو جوئی کی ضرورت ہے۔ اس لئے آپ کو ان کو دینی مدرسہ دستان کے مسلمانوں سے ساتھ خصوصی تعلق پیدا کرنا ہے۔

صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی حبیبہ ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

بے مثال استاد ۔۔۔ بے مثال شاگرد

[illegible]

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله و اصحابه اجمعين اما بعد

[illegible]

استاد اور شاگرد کا تعلق

اساتذہ، طلبہ، طالبات حاضرین کرام، مجھے خوشی ہے اور میں اپنی سعادت اور ایک حسن اتفاق سمجھتا ہوں کہ آج مجھے اس تقریب میں اظہار خیال کی دعوت دی جا رہی ہے۔ میں ایک ایسی جامعہ کا حاشیہ بردار ہوں جس کا شمار میرے کہنے پر استاد اور میری علامہ شبلی نعمانی سے ہے۔

یہاں میں مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا۔ اگر آپ نے مجھے از راہ کرم اپنی میزبانی سے نوازا ہے تو میں اپنے کو مہمان نہیں سمجھتا چلئے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے گھر آیا ہوں اور اپنے خاندان کو سلام کر رہا ہوں اور اس کے ان افراد سے مل رہا ہوں جو میرے جانے پہچانے ہیں۔

حضرات، اس موقع کا تقاضہ ہے اور احسان کے جس بوجھ تلے میں منت و امتنان کے

[illegible] ہے اس کا تقاضا ہے کہ میں [illegible] کی داستان [illegible]

داستان محفل گزشتی ما و شما مخوان
از ما بجز حکایت مہر و وفا مخوان

خوش نصیب طالب علم

وہ بہت خوش نصیب انسان ہے جو طالب علم ہے۔ جسے ایسا استاد مل جائے جو حقیقی معنوں میں استاد ہو حقیقی استاد کی یہ تعریف ہے کہ وہ اپنے طالب علم کو اپنے جیسا بنانے کے بجائے اس سے بہتر بنانے کی کوشش کرے اور اس کی کامیابی پر خوشی ہو۔ ایسا استاد اس کی صلاحیتوں کو ابھارتا ہے اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اس کی ذہنی نشوونما کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ایسے استاد کے لئے شاگرد کے دل میں جو احترام ہوتا ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے شاگرد کی زندگی میں استاد کا مقام ماں باپ کے بعد تیسرا ہوتا ہے۔ ایسے شاگرد اپنے استادوں کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں۔ ان کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ان کے نام پر اسکول اور کالج قائم کرتے ہیں۔ ان کے نام پر انعامات دیتے ہیں۔ ان کے نام پر یادگاری ٹکٹ جاری کرتے ہیں۔ ان کے نام پر یادگاری سکے ڈھالتے ہیں۔ ان کے نام پر یادگاری مجسمے بناتے ہیں۔ ان کے نام پر یادگاری عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ ان کے نام پر یادگاری ڈاک

لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ ان کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں، مجھے خوشی ہوتی ہے کہ ان میں سے کئی یہاں موجود ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ آپ ہی تو ہیں جو صاحب دل تحریر لکھتے ہیں، آپ اضافات و ترمیم کر رکھتے ہیں کہ لکھنے میں کوئی جز نہیں کو پوری آزادی کہیے یہ بھی خوشی ہوتی کہ لکھنے والوں نے ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں اور ہم آپ سے ہاتھ جوڑ کر دست بستہ التماس کرتے ہیں کہ ہماری ادارت میں کوئی مداخلت نہ کیجیے۔ ہم نے جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی تصانیف کو مرتب کرنا شروع کیا تو ہمارے سامنے یہ سوال آیا کہ ان کی تصانیف کی ترتیب کیا ہو۔ ہم نے ان کی تاریخ وار ترتیب قائم کی۔ ہم نے ان کے ساتھ یہ التزام کیا کہ ان کی تصانیف کے ساتھ ان کے ہم عصر علماء کی تصانیف بھی شائع کریں۔ ہم نے ان کے ساتھ ان کے شاگردوں کی تصانیف بھی شائع کیں۔ ہم نے ان کے ساتھ ان کے مخالفوں کی تصانیف بھی شائع کیں۔ ہم نے ان کے ساتھ ان کے موافق

مارٹن بارکہا: یہی صحیح ترین طریقہ ہے" وہ خود بہت بڑے ماہر تعلیم بھی تھے۔

ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے

حضرات! میں اتفاقیت کی منطق کا قائل نہیں، نہ ہی یہ کوئی اتفاقی واقعہ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ قضاء وقدر کا ایک نظام ہے، اور وہ مربوط ہے، علت ومعلول کا سلسلہ بالکل مربوط ہے، کوئی چیز اس کائنات میں اتفاقی طور پر وقوع میں نہیں آتی" وکل شیء خلقناہ بقدر ومآ امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر" تو ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ آپ مجھے یہ لکھنؤ کی امارت دیں خواہ وہ خود ستائی پر محمول کیا جائے یا اخبار واقعہ پر، کسی کو خبر نہ تھی کہ عربی زبان سیکھنے اور پڑھانے کا میرے شفیق بھائی جو والد کے قائم مقام تھے ان کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ اتنا اہتمام وشان اہتمام عربی کے لئے کیوں کیا جارہا ہے، اور اس کی ضرورت کہاں ہے۔

مجھے ہندوستان میں رہنا ہے ہندوستان میں ہی پڑھنا ہے، اور اردو میں کام کرنا ہے، خدا کا شکر ہے کہ میں لکھنؤ میں ہی رہتا تھا، اور لکھنؤ گویا میرا گھر ہے تو مجھے اردو میں مہارت حاصل کرنا چاہئے تھی یا انگریزی میں کمال پیدا کرنا چاہئے تھا تاکہ میں یورپ اور امریکہ تک اسلام کی دعوت پہنچا سکوں، یا پھر ہندوستان میں کوئی بڑا مقام حاصل کرسکوں، بس یہ تقدیر کی بات تھی اور یہ ایسا نوشتہ تھا جسے آنکھوں سے پڑھا نہیں جاسکتا، اور ایسے بہت سے نوشتے نوشتہ تقدیر ہوتے ہیں، جو آنکھوں سے پڑھے نہیں جاتے میرے بھائی (ڈاکٹر عبدالعلی) کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈال دی کہ ہندوستان میں رہ کر عربی کا جو بہتر سے بہتر انتظام ہوسکتا ہو اور اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے جو بہترین اسباب ہوسکتے ہوں، وہ مہیا کئے جائیں، قدرت نے گویا پہلے ہی سے اس کا فیصلہ کر دیا تھا۔

شیخ خلیل عرب سے ہمارا تعلق

یہ دوست میرے گھر کی تھی اس معنی میں کہ خلیل عرب صاحب ہمارے محلے میں رہتے تھے، اور ان کے والد (شیخ محمد بن حسین) میرے والد (شیخ عبدالحی) کے ادب عربی میں استاد تھے، جبکہ ان کے دادا (شیخ حسین بن محسن الانصاری) میرے والد کے حدیث میں استاد تھے،

شیخ حسین کے والد شیخ محمد بن حسین کا تعارف کم ہوا ہے جو عربی کے نامور الکلام شاعر تھے اور فن عروض کے تو وہ امام تھے، عربی نثر بھی بے تکلف لکھتے تھے، ان کی نثر و نظم اور ان کی جوانی سب بلاد یمن میں گذری تھی، تو وہ اہل زبان تھے اور صاحب دیوان شاعر بھی، میرے والد نے عربی زبان اور ادب میں ان سے کسب فیض کیا، استفادہ کیا، اور حدیث میں میرے والد نے ان کے والد شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی سے جن کو اکثر یمانی کہنا چاہئے جو سارے ہندوستان کے بلند پایہ محدثین کے استاد ہیں، نواب صدیق حسن خان کے استاد ہیں، اور ان کے علاوہ جو علماء بھی فن حدیث کے استاد ہے، اور ان کے علاوہ جو علماء بھی فن حدیث میں پوری کے علماء اور فن حدیث میں اپنی اپنی جگہ یک ستون سمجھے جاتے تھے، اور انھیں سے شاگرد ہیں، تو میرے والد حدیث میں نہ صرف ان کے شاگرد بلکہ ممتاز محبوب شاگرد سمجھے جاتے تھے، یہ ہمارے گھر کی دولت تھی میرے بھائی صاحب نے مجھے عرب کے حوالے کر دیا اور عرب صاحب نے ان شرطوں کے ساتھ لیا، جن شرطوں پر استاد اس زمانے میں لیا کرتے تھے، یعنی مجھے ان کے جسم پر اختیار ہوگا، روح پر بھی اختیار ہوگا، کوئی حد نہیں ہوں تی، کہ آج کیوں، اور کل کیا، کہاں لگا، چوٹ آئی نہیں آئی، عرب صاحب اس زمانہ کی پیداوار تھے، جب شاگرد کو استاد کی محبت سے نوازتے تھے اور تہذیب و ادب کا بھی مستحق سمجھتے تھے تو اس حرج سے انھوں نے کوئی میرا اچارج لیا، میرے بھائی صاحب کا اور ان کا گھر قریب قریب تھا، تو عربی کا الف ب جس کو فعل فعا فعلوا کہتے ہیں، اور جس سے آج کل آپ میں سے بہت سے لوگ گھبراتے ہوں گے، وہ پہلی مرتبہ میری کاپی پر انھوں نے ماضی کے گردان لکھی اور خط سے بنا کر سے یاد کرلو۔

ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ مختلف اساتذہ سے اکتساب ہوتا ہے اور فخر بھی ہوتا ہے، استادوں کو اور طالب علموں کو بھی لیکن میں بڑا خوش نصیب ہوں اور میرے ساتھ یہ استثنائی معاملہ پیش آیا کہ وہ استاد میری عربی کی ابجد سے لے کر الف با، لہجا چاہئے یا عربی کی الف ب سے لے کر تا ے ثا تک وہی میرے استاد ہیں ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ آدمی ایک خاص مرحلے تک کسی ایک کا شاگرد رہتا ہے پھر آگے بڑھ کر کالج یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، یا جہاں کسی دانشگاہ میں چلا جاتا ہے، داخلہ لے کر مختلف پروفیسروں سے پڑھتا ہے۔

لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں عربی کی الف ب (الطلعۃ العربیۃ) یہ کتاب ہمارے

شیخ عرب صاحب نے اپنے خاص اسلوب میں تیار کی تھی، جو طالب علم میں عربی بولنے اور سمجھنے کی استعداد پیدا کردیا کرتی تھی، اپنا نصاب الطلبۃ العربیہ سے لے کر قرآن کریم میں ان کی منتخب سورتیں، صحیح بخاری بھی کھل انھیں سے پڑھی، وہ توحید کا گہرا عقیدہ رکھتے تھے، اور قرآن کریم کے جلال و جمال سے خوب واقف تھے اور اس طرح انھوں نے ہمیں بھی اس کا ذوق و شوق ایسا عطا کیا، تھا کہ قرآن کی تلاوت اور ایمان کی حلاوت کا صحیح لطف ملا اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق ہو گیا تو میں بتا رہا تھا کہ ابتدائی کتاب الطلبۃ العربیہ سے جس کا میں بارہا تقریر و تحریر میں ذکر کر چکا ہوں وہ ان کے خود ساختہ نصاب کی مبادیات میں تھی، عربی ادب کی آخری کتابوں، نہج البلاغہ، دلائل الاعجاز، اور حماسہ ابی تمام، ادبیۃ العرب اور سائل ابی بکر، خوارزمی تک میں انھیں کا شاگرد ہوں، پھر میری ایک اور خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ شیخ ان کی شفقت و توجہ کا وہ بچا کھچا فیصد ملا، میں تو یہ انکسار سے کام لے رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ ۸۰ فیصد سے زیادہ، اس لئے کہ میرے شریک درس صرف ایک تھے میں یہ بات بڑی ذمہ داری سے (جامعہ کراچی) میں عرض کر رہا ہوں، اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس سے متعلق میں اور میں کوئی تعلیمی مشورہ نہیں دے رہا ہوں۔

حضرات! جامعات و کالج کی سب سے بڑی کوتاہی

لیکن آج حالت یہ ہے کہ سو یونیورسٹی اور کالج کی کامیابی بھی جانچی جاتی ہے کہ کلاس میں کتنے طلباء ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کہ ۱۰۰ طالب علم ہیں تو ان کا استاذ کی توجہ کا ایک فیصد حصہ ملتا ہے ہم صرف دو شاگرد تھے اور ایک استاد ایک میں اور دوسرے عرب صاحب کے چھوٹے بھائی حسین بن عرب تو ہمارا تو محبت میں بہت بڑھا ہوا تھا، تو یہ ایک بات تھی، یہاں سے پڑھ کر جب میرے قدم ہندوستان سے باہر نکلے تو رباط سے لے کر جامعہ قرویین سے مصر اور حجاز تک کوئی بڑی جامعہ نہیں کہ جہاں اتفاق سے میں جامعہ زیتونہ کو نہیں دیکھ سکا۔

دنیا کی تین بڑی جامعات

تین جامعات عالم اسلامی میں بڑی اور قدیم کہی جاتی ہیں۔ جامع کہی جاتی ہیں، جامعہ قرویین، جامعہ زیتونہ اور جامعہ الازہر، جامعہ زیتونہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن جامعہ کے شیخ یا

وائس چانسلر ڈاکٹر الطیب بن خوجہ کمیٹیوں میں میرے شریک کار رہے، جامعہ نجران میں نے دیکھی نہیں وہاں کے حالات سے واقف ہوں، ڈاکٹر خوجہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور ہیئت کی کمیٹیوں میں ہم دونوں ساتھ تھے، اور اس کے علاوہ بھی محفلوں میں ملاقات رہتی، اسی طرح مصر کی مختلف انواع و رنگا رنگیوں کو دیکھا، دارالعلوم کو دیکھا اور جامعہ فواد الاول جو جامعہ القاہرہ کہلاتی ہے، وہاں گیا اور جامعہ ازہر کو تو بہت خوب دیکھا اس طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کی عظمت و افتخار میں شاگرد کی حیثیت سے حصہ مجھے بھی ملتا کہ میں نے عربی ادب کا ایک صحیح ذوق رکھنے والا استاد بلکہ جامعہ میں ایک علمی شہادت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ عربی ادب کا ایسا صحیح ذوق رکھنے والا استاد جس کے اندر ادبی ذوق رچ بس گیا ہو، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کام سے لے، ہم لوگ سب ہی یہ کرتے ہیں، میں بھی یہ کرتا ہوں اس لئے کہ استاد رہا ہوں، مثلاً ایک مضمون پڑھانا ہے تو میں نے تیاری کی بک چلتے چلتے بھی ایک نظر دیکھ لیا کہ فلاں چیز ذہن سے نکل تو نہیں جائے گی، مجھے یاد ہے کہ جب بخاری شریف پڑھانے کے لئے ملی تو میں اس کا مطالعہ کرتا تھا اور پھر چلتے چلتے جب تیار ہو کر جاتا تب بھی ایک نظر ڈال لیا کرتا تھا کہ کہیں راویوں کے نام ذہن سے نہ نکل جائیں، ابواب و تراجم کی بار یکیاں نہ بھول جاؤں تو میں طالب علم کو مطمئن کر دیتا تھا، عرب صاحب کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ کس طرح انسان کی گھٹی میں پڑی ہو اور اس کے اندر رچ بس جاتی ہے اور خون کے اندر جاری و ساری ہو جاتی ہے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، پھر وہ بلاتی ہے، چشمہ رواں کی طرح رگوں سے ابلتی ہے، عرب صاحب کا حال یہی تھا، کہ جب وہ پڑھانے بیٹھتے تو ان پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ لعلعو کا یہ بازار تماشا، اہل جو محمد علی لین کہلاتی ہے وہ گلی، اور امین آباد کا ایک حصہ جہاں ایک معمولی سا مکان تھا کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہاں یہ کون سا مدرسہ لگا ہے، اور اس مدرسہ سے عربی زبان و ادب کی کون سی خدمت ہونے والی ہے، بنائی پر صحیح معنی میں میں کوئی استعارہ نہیں بول رہا ہوں وہ فرش ایسا تھا کہ اس موٹے موٹے بال تھے (نمدہ) کے ہم لوگوں کے نشان پڑ جاتے تھے، اگر نشر کی کوئی کتاب ہے تو عرب صاحب اس کے کسی جملے کا بڑا لطف لیتے، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کاش ہر فن تعلیم کی کلاس ہوتی تو وہاں عرض کرتا کہ اچھا جملہ وہ پڑھتے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں

نے دانی لذیذ چیز کھائی ہو اور وہ اس کا مزہ لے رہے ہوں اور ان کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔

استاد اور طالب علم کے درمیان ربط

حضرات یہ ایک حسی کیفیت ہوتی ہے، اسے صرف ذہنی کیفیت نہیں حالانکہ یہ ایک علمی اور ذہنی کیفیت بھی ضروری ہے اور مفید بھی ہے لیکن جب حسی طور پر یہ بات پیدا ہو جائے کہ معلوم ہوا کہ گم ہو گئے اور بس عرب صاحب بار بار فرماتے کہ ارے ظالم نے یہ کیا جملہ کہا کہ یہ اور اتنی بار دہراتے کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کو انتظار ہے کہ ہم اس خوبصورت جملے کو اپنے اندر اٹھا کر لیں تاکہ وہ کرنٹ ہماری طرف منتقل نہیں ہوگا تو طالب علم استاد کا علمی نہیں بن سکتا، اگر عربی کا شعر ہے تو ان کی حالت ایسی ہوتی تھی اور اس قدر جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے کہ پورا کمرہ گونج اٹھتا تھا بعض مرتبہ آدمی اچھل جاتے، مجھے آج تک یاد ہے اور میں یہ بات بتا سکتا ہوں کہ ان کو کون کون سے شعر پسند تھے، اور یہی تعریف ہے، ایک کامیاب استاد کی، آج کتنے طالب علم ہیں جو یہ بات بتا سکتے ہوں، خواہ اردو زبان کا معاملہ ہو یا عربی کا ان سے پوچھئے کہ آپ کے استاد کو کون کون شعر پسند ہیں، ہاں میں بتا سکتا ہوں یا لکھوا سکتا ہوں، جو میرے استاد کو پسند تھے، اور وہ مزے لے لے کر پڑھتے تھے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ عرب ہونے کے باوجود انھیں اردو شاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق ملا تھا، ان کی زندگی کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گذرا تھا جہاں انھوں نے بڑے بڑے اساتذہ سے پڑھا تھا اور ادب کا بھی ایک حاسہ یعنی ایک SCENCE ہوتا ہے، جس طرح آپ حواس خمسہ سے واقف ہیں، ایک حاسہ اور ہوتا ہے، اسے آپ حاسہ سادسہ (چھٹی حس) کہئے اور وہ ہے حاسۂ ادبیہ جس کو حاسہ نہیں ملتا وہ جتنی ہی کوشش کرے کامیاب شاعر یا ادیب نہیں بن سکتا، ہاں ناقد یا مؤرخ ہو سکتا ہے، عروض داں ہو سکتا ہے، خامیاں نکال سکتا ہے، لیکن وہ صحیح معنوں میں ادیب نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ حاسۂ ادبیہ سے محروم ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ابھی کئی حاسے اور ہوں گے جن کا ابھی انکشاف نہیں ہوا، ان میں سے ایک دینی حاسہ بھی ہوتا ہے بعض لوگوں میں دینی حاسہ نہیں ہوتا، ان کو مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ہزار دلیلیں دیں مگر وہ دینی حاسہ ان کے اندر موجود نہیں ہوتا، جو وہ اس سے کام لیں، جیسے بعض لوگوں کے اندر موسیقی (SCENCE) نہیں ہوتا ان کا حال یہ ہوتا

۔۔۔ کے متعلق شعر پڑھے، ہونٹ سے مس نہیں ہوتے۔ میں ایک لطیفہ سناؤں، مجھے دو سال ہوئے میں بولا گیا تھا، وہاں مسلم یونیورسٹیز کا فیڈریشن کا مرکز ہے، وہ معدودۃ العلماء کے نظم کی حیثیت سے اس کا رکن ہوں وہاں ایسے بڑے بڑے علامہ اور دوالحدیث کے شیخ حمید [DEAN] تھے ان میں ساری خوبیاں تھیں لیکن یہ حاکم نہ تھا یا کل نہیں ملا تھا، ایک شخص نے ان کی تعریف کی بڑے اچھے آدمی ہیں لیکن صبح کو جگا دیتے تو شام کو بھی آنکھ لگ جائے اس محرک کو اتنا لمبا سفر کرنا پڑتا ہے پورا ان کر جاتے۔ (اذا عدغه صباحا، فيضك مساء) یعنی بڑے اچھے، بڑے نجیب و صاحب علم لیکن ان میں لطف اندوز ہونے یا انجوائے [ENJOY] کرنے کا حاصہ نہیں ہے، صبح کو جگا دیتے اور شام کو بھی آتے تو شام تک کمزور رہے گا کہ بھی آئی کہ نہیں غرض یہ وہ عرب صاحب کو خوب یاد تھا، مثال مجھے یاد ہے کہ ایک بار وحشت کلکتوی کا شعر انھوں نے اس طرح سنایا کہ بس تصویر بن گیا شعر یہ تھا۔

نشان منزل جاناں سے ملے نہ ملے
مزے کی بات ہے یہ شوق جستجو میرا

ایک عرب کو دیکھئے وہ کس طرح اس کا حلف لیتا ہے، اس شعر پر انھوں نے اس طرح پہلو بدل بدل کر داد دی، ایسے ہی ان کو عربی کے شعر بہت یاد تھے، متنبی ان کا پسندیدہ شاعر تھا، کہتے تھے ان کے ایک شعر پر پورا دیوان قربان کیا جا سکتا ہے۔

و كالسيف ان جئته مستعيذ و كالجرن جئته مستغيثا ان لم يكن فضلي
زنا فقد كفى ان لا ازاك عقابا

کہ اگر میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا جرم تھا تو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہو سکتی کہ میں آپ کے دیدار سے محروم رہا، اس پر انھوں نے کہا تھا کہ دیوان قربان کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ انتظام کیوں کیا جا رہا ہے، ایک متوسط درجے کا ایک لڑکا جس نے بھائی بے شک عربی کے عالم تھے لیکن انھوں نے ڈاکٹری کا کورس (MBBS) بھی کیا تھا، اور مطب کر رہے ہیں، اس کے خاندان کے کئی افراد ہندوستان سے باہر گئے آئی ایس میں شریک ہوئے ان میں سے ایک صاحب یہاں بھی ہیں، حافظ محمد اسحاق آئی ایس دو

میرے خاندان کے ہیں، وہ جس وقت وہاں گئے تو ایک دھوم مچی تھی، ہمارا ضلع رائے بریلی ہے، ہم لوگ نصیر آباد کے رہنے والے ہیں، دھوم یہ تھی کہ ولایت گئے ولایت گئے وہ آئے، جب بھی بڑی دھوم ہوئی، میرے حقیقی خالہ زاد بھائی اس سے پہلے بیرسٹری کرنے انگلینڈ گئے تھے اور ایک تیسرے بھائی بھی امریکہ گئے تھے حقیقی ماموں کے بیٹے تھے کہ ایک چھوٹا سا خاندان جس کے تین تین افراد باہر گئے ان کے ایک لڑکے کے لئے یہی سوچا جا سکتا تھا کہ اس کو انگریزی میں کمال پیدا کر دینا چاہئے یہی منصوبہ بنایا جا سکتا تھا لیکن کیا بات تھی کہ میرے بھائی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے عربی پڑھائی جائے اور عربی پڑھنے کے لئے اس وقت بھی دیوبند تھا، ندوۃ العلماء تھا، مظاہر العلوم سہارنپور تھا، لیکن قسمت اس کے کہ ندوۃ العلماء سے فیض حاصل کرتا مجھے ایک عرب استاد کے سپرد کر دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی زبان سے میرے لئے غیریت نہیں رہی سمجھے یا ہے کہ پندرہ سولہ سال کی عمر میں کتنی مرتبہ لا بورڈ یا تو حفیظ جالندھری سے میری ملاقات کرائی گئی اور تعارف میں کہا گیا کہ یہ لڑکا لکھنؤ سے آیا ہے، جو آپ حیات اور "گل رعنا" کا حافظ ہے، گل رعنا میرے والدہ کی تھی، یعنی اپنے گھر کی دولت اور "آب حیات" میں نے اتنی پڑھی تھی کہ آپ ایک مصرعہ پڑھئے میں دوسرا پڑھ دوں گا، حفیظ جالندھری نے مجھ سے کہا کہ میاں ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم پنجابی میں سوچتے اور اردو میں شعر کہتے ہیں، اس طرح انھوں نے یہ پوچھا کہ عربی میں سوچتے ہو اور عربی میں بولتے ہو، عرب صاحب کے پڑھانے میں یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ طالب علموں میں یہ احساس پیدا کر دیتے تھے کہ عربی گویا تمہاری زبان ہے، اور جو ایسی الفاظ، محاورے ہیں، یہ کسی کی ملکیت نہیں تمہارے لئے بھی اسی طرح ہیں جیسے ان کے لئے جنہوں نے لکھے ہیں، البتہ صحیح جگہ استعمال کرنے کا سلیقہ چاہئے تم صحیح جگہ استعمال کرو تمہاری بن جائے گی یہ سمجھو یہ تصرف ہے، ایک بات مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک جملہ لکھا۔

للعاسل سیف الصبح من سیف الظلام۔

ان کو معلوم تھا کہ یہ جملہ میں نے کہاں سے لیا ہے، ابھی چند دن ہوئے تھے مجھے ان سے پڑھے ہوئے لیکن اس قدر خوش ہوئے اتنا پیار کیا، اتنا جھکایا اور اسی وقت مجھے ایک روپیہ انعام دیا، پھر ملائی کی برف بھی جو لکھنؤ میں بہت پسند کی جاتی ہے وہ بھی کھلائی یعنی وہ یہ احساس پیدا کر دیا کرتے تھے کہ یہ جو ورثہ یا ذخیرہ ہے وہ سربمہر نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ختم ہو جائے یا بند کر کے

رکھ دیا ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ اس کی صداقت اس شخص کے لئے واضح ہو جاتی ہے جو اس کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اس کے ساتھ استدلال کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اور ان سے بحث کرتا ہے جو ان کے استعمال کے جواز میں وہی دلیل پیش کرتے ہیں جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اس کا ہمیشہ لحاظ رکھتے ہیں کہ یہ محاورے وہاں نہیں بولے جاتے یا ایسے معنوں میں نہیں بولے جاتے جو اعتدال کی حد سے تجاوز جائے۔ دوسری صفت جس کے پیدا ہونے کی توقع کی جاتی ہے وہ انسان میں پیدا کرنا ہے۔ اس کے لئے ہمارے لئے ہے اس کی عبارتوں میں تقریروں اور دلیلوں میں استعمال کرنا ہے اس سے لگے بہت زیادہ ہوا۔ ایسی کتابیں بلند پایہ زبان سے تھے۔ آن کی تحریر میں بہت اس قدر خوش الحانی سے کرتے اور ان پر تحریر کی کے مرتبہ ایسی وقت رات عادی ہوتی تھی کہ مجلس کی مسجد سے پہر غیر معمولی کر رک جاتے تھے

استاد ایسا ہو جو اپنا ذوق طالب علم میں

منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو

ہمارے ہاں کئی اچھے اساتذہ ایسے تھے جو اپنا ذوق منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا اپنا ذوق ان میں ایک زندہ شے کی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اس چھلکتے ہوئے جام کو ہونٹوں سے لگانے کا موقع ملے۔ اور اس کی چاشنی کو چکھنے کی اجازت دی جائے تو پھر یہ ہے

سقونی وقالوا لاتغن ولی سقوہ
حبل سقیتنی مسقیت لغت

شاعر کہتا ہے کہ انہوں نے مجھے شراب پلائی اور کہا کہ گانا نہ گانا۔ میں نے کہا کہ تم نے مجھے جام شراب پلایا ہے پھر میں گانا کیوں نہ گاؤں۔ اس لئے ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنے طالب علم کے اندر ذوق شعر کی آگ بھڑکا دے۔ اس کی زبان کی بھی ایسی تربیت کرے جس کی پذیرائی ہو۔ دیکھا جائے تو اس موقع پر غیر ملکی تربیت کے علاوہ ہمارے ہاں ہندی سے ہمارے طریق تعلیم کو بھی بعض پہلوؤں سے سامنے رکھنے ہیں۔ ان کے لئے نئی کتابیں پرانے چراغ نہیں بن سکتے مستقل نمونے ہے

میں عربی میں کئی خطبات کا تذکرہ اور ان کی خصوصیت کا ذکر کر چکا ہوں، خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پہلی مرتبہ یہاں آیا جہاں عرب صاحب کے نام کی لائبریری قائم کی گئی ہے، یہ ۲۲ سال بعد میرا پاکستان کا دورہ ہے

اب جب آیا ہوں تو سنا یہ لائبریری قائم ہوئی ہے، اللہ دے اور بڑھ کر آیا تو ان کے نام سے کوئی عربی ادارہ بھی قائم کر دیا گیا ہوگا تاکہ عرب صاحب کے کامیاب طریق تعلیم کے مطابق پاکستان میں عربی کا ذوق پیدا کیا جائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

میں جناب احسان رشید وائس چانسلر یہ معہد کو اپنی کوشش کو مبارکباد دیتا ہوں اور مبارکباد سے زیادہ دعا دیتا ہوں کہ آپ کی یہ معہد پہلی یہ معہد ہے جس کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس میں ایک عربی النسل خاندان کا ایک فرد نہیں بلکہ میری اسناد ہی میری، لیکن پروفیسر خلیل عرب اس کی سربراہ اور استاذ ہیں۔ میں ان الفاظ کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں، دوسرے پروگرام بھی ہے اگر چہ۔

حق تعالیٰ کرے حق ادا ہو
وما علینا الا البلاغ المبین
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ

قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب

یہ تقریر ۲۰ جولائی ۱۹۷۸ء کو قرآن اکیڈمی کراچی میں ہونے والے ایک مختصر سے تربیتی کیمپ میں کی گئی تھی جس میں طلبہ کو قرآن سے تعلق پیدا کرنے اور اس کا مطالعہ کرنے کے طریقے سکھائے جا رہے تھے۔ خصوصی اور قرآن اکیڈمی کے تحت اس سلسلے میں منعقد ہونے والے دوسرے کیمپوں میں بھی یہ تقریر کی گئی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا كثيرا. اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. الله يحتبي اليه من يشاء ويهدي اليه من ينيب O

قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے:

برادران عزیز! قرآن مجید نے تجربات میں سے جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا یہ بھی ہے کہ وہ ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے۔ مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ میں کسی تقریر کے موقع پر پہلے سے طے کر کے کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں گا اور کیا کہنا ہے، آج کیا کہنا ہے اور قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے منہ سے پہلے وہ آیتیں مجھے سننی چاہئیں اور ان آیتوں کا انتخاب میرے لئے کیا گیا ہے۔ مجھے اپنے نیم علمی دور میں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ ان بھرتی مصروفیتوں اور عمل و حرکت میں اس پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ آتی کہ کس موضوع پر تقریر ہونی ہے، کہیں تو موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا تو میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ وقت پر راہنمائی فرمائے گا، چونکہ جو چیز اس کی طرف سے آتی ہے، اس کو ہم فیضان "وارد" کہتے ہیں یعنی ایک عزیز مہمان جس کا ورود ہوا ہے، اس میں اپنے ارادہ اور انتخاب کو کوئی دخل نہیں، اس موقع پر جس کی پیش آیا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیز قاری کو جو انہوں نے آیتیں پڑھیں اس میں ہماری رہنمائی ہوئی۔ قبل

اس نے کہ میں آیت کی تشریح میں کچھ عرض کروں اور قرآن مجید کے طالب علموں کے سامنے اپنے چند تجربے اور مشورے پیش کروں۔ حقیقت میں وہی میرے مخاطب ہیں۔ میں اپنی تقریر ذات اور بھی نظر کے بارے میں عرض کر دیتا ہوں۔

قرآن مجید کی حکمت دعوت:

ڈاکٹر صاحب نے بڑی تواضع سے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ میں اس قدر تعارف شروع کی سمجھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ عالم پر اس کی خوبی اجاگر ہو جاتی ہوں۔ جب حضرت یوسف کے پاس تعبیر پوچھنے والے آئے تو انہوں نے فرمایا ذلکما مما علمنی ربی سب سے پہلے ان کو یہ بات کہنے کی ضرورت ہوئی کہ وہ جس کے پاس آئے ہیں اس سے کچھ مدد بھی مل سکتی ہے یا نہیں۔ انتخاب میں انہوں نے کچھ علمی توانائی کی تھی انہوں نے ضرور سمجھ لیا ہوگا کہ میں ذلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وھم بالاخرۃ ھم کفرون O

یہ ان کا کلام تھا اور اس میں ایک طرح کی توصیف بھی تھی۔ اس میں اپنی تعریف کی بات تھی۔ میں نے کہا تھا۔ اس نے فرمایا کہ "ذلکما مما علمنی ربی" میں تمہاری اس بات کی تردید کرتا ہوں۔ مگر اللہ نے یہ حکم دیا ہے۔ لیکن یہ حکم کیوں دیا گیا ہے؟ "انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ" یہ میری ذاتیات کا تجربہ نہیں ہے۔ میری عبادت کا بھی یہ نتیجہ نہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور بدرجہ کمال و جمال لیکن انہوں نے فرمایا "انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وھم بالاخرۃ ھم کفرون" اس علم کا اقتضا اس لئے ہوا کہ میں نے اس قوم کی ملت چھوڑی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کی منکر تھی۔ "واتبعت ملۃ ابائی ابراھیم واسحاق ویعقوب" اور اس کے بعد انہوں نے وہ بات کہی جو میرے مطالعہ کا حاصل بنی۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک راستہ تم نے اختیار کیا ہے اور جو مشکل تم کو یہاں پیش آئی ہے اس سے بڑی مشکل مرے پیش آئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ میں نے خواب دیکھا تھا۔ خواب تو خواب ہی ہوتا ہے لیکن خواب دیکھنا ذمہ داری کا ہے۔ مطالعہ اور تحقیق کا ہے۔ حالات اور واقعی زندگی کا ہے۔ ممکن ہے تم کو خواب نہ آتے ہوں۔ ہو سکتا ہے تم نے خواب دیکھا بھی ہو مگر تعبیر نہ بتائی ہو۔ لیکن اس خواب کی تعبیر دینے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دنیا میں آنے کا مقصد عطا

ہے؟ کائنات کا خالق و مالک کون ہے؟ اس کی مخلوق سے اس کی توقعات کیا ہیں؟ کچھ لوگوں نے اس کا نام Dose یا Dose رکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ فوٹل لے کر آئے میں ان کو ایک دن پریشانی ہے۔ یا تو صحیح نہیں کر سکتے۔ ان کو ایک دوا کھلتے ہیں۔ ان سے کہتے ہیں ہم نے بالکل ٹھیک تشخیص کی ہے ساتھ ہی ایک دوا تجویز کر دیتے ہیں اور ایک دوا کی تجویز کرتے ہے ایک ہم رکھتے ہے اتنا ہی اور یا بیٹھ اور کہتے وہ مکمل تھے۔

دل کا دروازہ کبھی کھلتا ہے

آپ اس تناسب دیکھئے اس میں اس یونی پورے عصر پر ہیں ہے اس میں کہتے ہے زیادتی۔ ناپ تول کر جہاں تک جانا چاہئے وہاں تک گئے۔ یعنی تو جیدی پوری بات ہی لیکن اس کو تھا راز نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ اگر خواب کی تعبیر دے سکتے ہیں تو مجھے اور ہم فرصت سے آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کا دماغ کو راز کھلا ہے اور دل کا دروازہ بھی کھلتا ہے۔ قسمت سے کھلتا ہے کبھی کسی خوش سے کھلتا ہے کبھی کسی پریشانی سے کھلتا ہے۔ اس دروازہ سے جو عمل چاہتا ہے وہ داخل ہو جاتا ہے لیکن وہ چاہتا ہے اس میں سب روشنی کے ساتھ داخل ہو۔ اور وہ اس سے بند کر دیا جائے اور اس انتظار میں بیٹھ جائیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ وہ تاہوں کا فرمان ہے کہ یہ دل اصل بادشاہ ہے ملک ہے اور جسم کا علاوہ ہوتا ہے کہ یہ دل کسی کی تصنیف ہے اور قرآن اس کا دل ہے اور اس کو خوب اندازہ تھا کہ یہ کتنی بات کے قابل ہو سکتے ہیں۔ کتنی دیر بات انہوں نے کی۔ سر پیش چاہتا ہے کہ اس کو اس کے اوراک کا مدار بنا دل جائے۔ انہوں نے کہا قبل ان یاتیکما طعام ترزقانہ تمہارا راشن نہ مقرر ہے اس کے آنے سے پہلے تمہیں اس کا علم ہو جائے گا۔ کہ آپ کو میں دانستہ یا نہیں اس کی دل تعلق ہے یا نہیں ہے اور جہاں تک ہے یا نہیں ہے اس درمیان میں تو جیدی کا معجزہ دیا۔

مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز

میں ان تھوڑا سا تصرف کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں قرآن شریف کا ایک طالب علم اور ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میری علمی زندگی قرآن مجید کی مطالعہ سے شروع ہوئی۔ میں نے بی اے کے بعد

[illegible] اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا جس نے [illegible] قرآن پڑھا تھا اور پڑھتے تھے۔ پہلا قافلہ جو آپ کے پاس آیا وہ ان لوگوں کا تھا جو [illegible] میں [illegible] ہوئی تھی۔ وہ قرآن مجید کا اصل مزاج بھی یہی ہے۔

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے:

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق سے کہا گیا کہ [illegible] اور [illegible] کی تلاش [illegible] تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر کو اس سے دور رکھا جائے۔ وہ رقیق القلب ہیں جب وہ قرآن شریف پڑھنے لگتے ہیں تو رو رو کر [illegible] ان پر [illegible] جاتا ہے اور [illegible] نہیں نکلتے ہیں اور [illegible] ہوتی ہے [illegible] آپ نے جب حضرت ابوبکر کو [illegible] کی اجازت دی تو انھوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک [illegible] بنائی جب تک وہ وہی نماز پڑھتے رہے تو لوگ وہاں جمع نہیں ہوتے تھے لیکن جب وہ قرأت کرنے لگتے تو عورتیں اور بچے وہاں جمع ہونے لگے۔ پھر وہ رات کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے لگے تو پھر بھی وہ ہونے لگے اور لوگ پریشان ہونے لگا کہ قریش کو یہ فکر پڑ گئی کہ نہیں عورتوں اور بچوں کی زندگی میں تبدیلی نہ پیدا ہو جائے اور ہمارے کمزوروں کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ اس میں قرآن کا مزاج بتایا گیا ہے کہ [illegible] کے ساتھ ایمانی حلاوت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں آتا ہے "الایمان یمان والفقه یمان والحکمة یمانیة" یہ یمنی خوش نصیبی کہ پہلا علم جو مجھے عطا کیا گیا وہ یمنی [illegible] تھا۔ ان کا دروازہ کھلا تھا اور عورتوں کو حسرت رہتی تھی کہ وہ کب قرآن شریف پڑھیں اور سنیں۔ وہ ہمارے محلے کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ شاید ہمارے بھی ایسی نوبت آئی تھی کہ وہ پوری سورہ پڑھیں۔ پڑھنا شروع کیا۔ کریہ جاری رہا آواز بلند ہوئی۔ ان کا رونا [illegible] تھا۔ انھوں نے مجھے قرآن مجید کی پوری سورتیں پڑھائیں تو یہ سورتیں خاص طور پر انہوں نے مجھے پڑھانی شروع کیں۔ اور وہ زم سے شروع کیا۔ پھر وہ وقت آیا کہ [illegible] میں [illegible] ہو گیا اور ان میں مشغول ہو گیا۔ لیکن قرآن مجید کا [illegible] جو [illegible] تھا اور [illegible] تھا اس کے بعد جب میری

(۱) [illegible] تفصیل [illegible] (مفتی محمد)

تعلیم تھی تو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے نصاب میں داخل تفاسیر پڑھی جاتی تھیں۔ ان سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہاں (لاہور) آکر مولانا احمد علی سے قرآن مجید پورا پڑھا۔ یہاں بھی جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی قرآنی زندگی تھی جس سے قرآن بحق کیا گیا ہے۔ اس سے قلب میں جلا محسوس ہوتی تھی۔ مولانا کی زاہدانہ زندگی، درویشانہ معاشرت اور عمل بالسنت کا مجھ پر وہ اثر پڑا جس کو "برکت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر عرصہ دراز تک دیوبند میں بھی رہا۔ میں نے مولانا سید حسین احمد مدنی سے وقت بوقت کہ خاص خاص آیات قرآن میں کچھ اشکال محسوس ہوتا ہے جو عام تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں، وہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ مولانا مدنی اپنے زمانہ کے بلند ترین علماء میں تھے (علوم الفنون اور حدیث کے علاوہ) جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا۔ اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کا دن دیا۔ لکھے دیا ہے کہ ان آیات کو منتخب کر لینا تھا جو حل نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا کثرت سے سفر کرتے تھے اور وہ تحریک کا زمانہ تھا لیکن مجھے پھر بھی استفادہ کا کچھ موقع ملا۔

مولانا سید سلیمان ندوی اور علوم قرآن:

ان کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندوی سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا۔ اور یہ اتفاق ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندوی کا۔ یہ ایک تاریخی للشوف ہے۔ لوگ سید صاحب کو مورخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں (اعظم کی حیثیت سے جانتے ہیں) لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پلہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو۔ اس مدتہ مطالعہ کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان، ادب اور بلاغت اور اعجاز قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع و عمیق تھا۔ پھر مولانا حمید الدین فراہی (جو اس فن کے گویا امام تھے) کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعہ قرآن سے بڑا استفادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار تم لوگ دارالمصنفین گئے ہوئے تھے تو انہوں نے سورۂ تحریم پر تقریر کی۔ میں نے ایسی عالمانہ، ایسی محققانہ اور ایسی نکات سے بھری ہوئی تقریر آج تک نہیں سنی۔ کاش کہ وہ محفوظ ہو جاتی۔ تو مجھے

سید صاحب سے تلمذ اور استفادہ کا موقع ملا۔ پھر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاذ میرا انتخاب ہوا تو خاص طور سے قرآن مجید کا درس دینے پر مامور ہوا۔ وہاں قرآن کے درس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو متن قرآن پڑھایا جاتا ہے اور یہ سب سے پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شروع ہوا، پھر دوسرے مدارس میں اس کی تقلید کی گئی اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ ابتدا متن قرآن سے رکھا جائے، پڑھایا جائے، فہم میں تعمیق کی مدد لی جائے۔ استاذ تیار کرتا ہے اور وہ اپنا مطالعہ قرآن پیش کرتا ہے۔ تو مجھے کئی سال تک قرآن مجید کی خدمت کا موقع ملا۔ تفسیر بھی پڑھائی لیکن زیادہ متن قرآن پڑھایا، جو مضامین میرے ذہن میں آئے، وہ میں نے تحریر میں لائے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تفسیر ہدیٰ للمتقین تھی۔ میں نے اپنا تعارف اس لئے کرایا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

"کچھ اپنا بیان ہو جائے قرآں کر کے"

میں نے جو کچھ لکھا، پڑھا، تحریریں اور تصنیفات و تحقیقات ہیں ان کو اندازہ ہوگا کہ میری تحریروں کا محور قرآن مجید ہی کی تشریح ہے۔ میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پڑھا بھی ہے اور لکھا بھی ہے۔ قرآن مجید ہی کی تفسیر سمجھتا ہوں۔

اجتباء و خاص، ہدایت عام

اس وقت ہدایت پر کئی باتیں آئی ہیں، دو چیزیں یہاں ذہن میں ایک مقام اجتباء اور دوسرے ہدایت اجتباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف کہا ہے "اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کو چنتا ہے وہ چنتا ہے۔ نبوت کے لئے اس کو چنا ہے، اجتباء کا درجہ عطا کرتا ہے لیکن ہدایت کی جو قسم ہے وہ اس کو ضرورت ہے۔ "یھدی الیہ من ینیب" وہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور جن میں انابت کی تڑپ اٹھتی ہے اور بندگی کی اور اپنے کو سمجھ بوجھ کی نعمت پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو راہ پر لگاتا ہے اور آخر تک پہنچا دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان میں انابت کی صفت پائی جائے۔ "یھدی الیہ من ینیب" میں اسی لفظ پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کے دو پہلو ہیں ایک اس کا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے یعنی وہ عقائد جن پر ہر

شخص کو ایمان لانا چاہیے اور کھٹکھٹانا چاہیے اور قرآن سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے کہ "لسان عربی مبین" روشن اور واضح زبان میں ہے۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتادیا "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔ کون نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہوسکتا

کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس سے کیا چیز بتائی ہے۔ اس کی ہدایت کے لئے کیا شرائط ہیں اور توحید و رسالت اور معاد کا قرآنی تصور کیا ہے؟ قرآنی تعلیم کیا ہے؟ وہ اس حقیقت کو پاسکتا ہے کہ وہ کیا ہیں ہدایت اور آخرت میں جاسکتا ہے۔ اس نے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا ہے اور اس کو پڑھنا ہے۔ یہ عذر نہیں کہ ہم قرآن مجید سے ان باتوں کو سمجھ نہیں سکے اور قرآن ہمارے سمجھ نہیں آتا۔ توحید کے بارے میں واضح ترین الفاظ میں بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں کوئی بات جو کہی جاسکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ جان سکتا ہے لیکن یہ مشرک کیسے ہوسکتا ہے۔ میں پہلے ان مثالوں کا ذکر کرچکا ہوں کہ ڈاکٹر بن کھا سکتا ہے۔ میں ہوسکتا ہے۔ وہ فیل ہوسکتا ہے۔ وہ فیل ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک توحید و شرک کا تعلق ہے تو قرآن مجید پڑھ کر فیل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ قرآن اور سورتیں کیا ہے اس میں کیا تعلیم دی گئی ہے اس کی تفصیل نہیں اور جہاں تک رسالت کا تعلق ہے کہ رسالت کیا چیز ہے؟ نبی کیا ہوتا ہے؟ ان کے ذمہ کیا چیز سپرد کی گئی ہے؟ ان کا حکم کیا ہوتا ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ ان کی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ یہ قرآن مجید میں صاف طور سے بیان کردیا گیا ہے۔ وہ ان تعلیمات کو بھی کراتے ہیں۔ وہ شبہوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ آپ سورہ اعراف پڑھیں۔ سورہ ہود پڑھیں۔ سورۂ شعراء پڑھیں۔ اس میں ایک ایک نبی کا نام لے کر تعارف دیا گیا اور ثبوت دیا گیا ہے۔

عقل کا جج نہیں بلکہ وکیل ہے

جہاں تک رسالت و نبوت کا تعلق ہے اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں کسی نام تھی کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کوئی آدمی گمراہی کا راستہ ہی کرلے تو گنجائش تو ہر چیز کی ہے۔ آپ

ان میں سے کوئی صاحب جس کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت وطن اور مطالعہ سے نوازا ہے، کہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دن ہے، سورج روشن ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمازت محسوس ہو رہی ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے کوئی جواب کریں۔ اس کا تو زبان اور ذہانت سے تعلق ہے۔ مقدموں میں عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبدالباری صاحب ندوی فرمایا کرتے تھے کہ عقل بیچنے نہیں ملتی۔ اس کو فیس ملتی چاہئے تو پھر یہ ہر مقدمہ کو ثابت کر سکتی ہے۔ جب کوئی فلاسفر یا عقل نے اس صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ وہ بالکل بدیہی حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ ایک بات ہے کہ کوئی ذہن لے کر لے کر قرآن مجید سے کوئی بات نکالتا ہے اور اس کی مثال میں آپ کے سامنے دیتا ہے۔ میں نے ملاک امتیاز کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک تھا، وہاں ایک صاحب نے مقالہ پڑھا، میں ان کا نام اور جگہ کا نام نہیں لوں گا۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد حکومت ہے اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے اور ثابت کیا کہ سارے قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مجھے اس وقت بڑی سختی سے اس کی تردید کرنی پڑی۔

ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے:

ہدایت کے لئے قرآن مجید آسان ہے، اس میں کہیں کوئی شبہ نہیں لیکن جہاں تک اس کے علوم کا تعلق ہے اس کے رفیع و دقیق مضامین کا تعلق ہے، اس میں کسی چیز کے متعلق ہم سے کے ساتھ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم جو کچھ سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ قرآن کے بارے میں سب سے الگ منفرد و شاذ رائے قائم کرنا بڑی خطرہ کی بات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے "ای سماء تظلنی و ای ارض تعلنی اذا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم" اے اللہ کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین پر چلوں گا اگر میں کتاب اللہ کی آیت کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کی کوئی بنیاد، کوئی تحقیق نہیں۔ ابن قرآن کے بارے میں سحابہ کرام کا یہ عام رویہ تھا۔ حضرت عمر خود کسی کے لفظ کے بارے میں فرمانے کہ اس کے کیا معنی؟ اور پھر خود ہی کہہ دیتے کہ ثکلتک امک یا عمر تیری ماں تجھ پر روئے، اگر تجھے اس ایک لفظ کے معنی نہیں معلوم تو کیا غضب ہوا۔ صحابہ کرام کا انداز فکر بتاتا ہے کہ

افادہ اللہ کی طرف سے:

ہے۔ اور قرآن مجید اپنے مخاطبوں میں نہیں سمجھا جاتا۔ آیۃ آن مجید پڑھنے والا ہے۔ وہ تو بتاتا ہے انسان عربی میں ان الرجل قرانا عربیا لعلکم تعقلون اور آپ نے دیکھا ہے ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک قرآن مجید نے فلاں فلاں کی حقیقت آج تک کسی نے نہیں کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا ان والے ہاتھوں تک بند رہا علی لاد مسلم یونیورسٹی سے آپ نے سنا ہوگا میں اس کی افتتاحی تقریر میں میں نے اہل علم کی اہل علم کی تحقیق و یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں مطالعہ کا بہت موقع ملا اس کے نتیجے میں ہمارا خیال یہ ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں لیکن پھر بھی میں اپنے نتائج فکر کو حرف صحیح کہنے کے لئے تیار ہوں اور کسی اور نے بھی ہو سب وقت قرار دے نہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں آپ نے کہا کہ اس کا یہ معنی نازل ہی نہیں ہوں اور اس کے مخاطب کوئی اور ہیں۔ تو آپ کو ٹھوکر بھی لگے اور آپ قرآن مجید کے تدبر میں صحیح ہو تو ہر روز نئے معانی کھلتے ہیں۔ ہر زمانے کا علم کا مقتضیٰ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہدایت کو قرآن مجید اب تک سمجھا نہیں گیا یہ بہت بڑی ظلمی ہے۔

میری ذاتی کتاب:

آخری بات یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھا جاتا ہے یہ کتاب ابدی ہے کتاب آسمانی ہے لیکن میری ذاتی کتاب بھی ہے میری ذاتی ہدایت نامہ بھی ہے اس میں میری ذاتی گمراہیاں بیان کی گئی ہیں اور میرے ذاتی امراض کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہر آدمی اپنے کو تلاش کر سکتا ہے یہ ہے وہ کتاب ہے اس کو زندہ کتاب سمجھیں اپنی کتاب سمجھیں اور آپ میں اپنی اصلاح کا جذبہ ہو لوگوں کی اصلاح تو بعد میں ہوگی پہلے اپنی اصلاح ہو جائے۔

جیسا کہ ظاہر ہے کہ پہلے میری ہدایت ہو جائے تب میں دوسروں سے کچھ کہوں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ قرآن مجید اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ ثابت ہے دوسروں پر منطبق کیا جائے۔ دوسروں پر ثابت قائم کی جائے۔ حالانکہ رام قرآن مجید پڑھتے تھے اپنی اصلاح کے لئے ایک آیت پڑھی اس پر عمل کرنا شروع کیا پھر دوسری آیت پڑھی اس طرح بعض اوقات کئی کئی سال ختم ہوتی۔

یہ چند باتیں ایک طالب علم کی حیثیت سے میں نے اپنی سمجھ کے مطابق لکھی ہیں، اور سب میں نے آپ کے سامنے رکھ دی۔ "یھدی الیہ من ینیب" کے میدان میں ہماں تک ہم دوشش کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ جس کو چاہے ہدایت عطا فرمائے۔ ہمارا کام صرف کوشش ہے، ہمارا کام ہدایت حاصل کرنا نہیں ہے۔ ہم اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو قرآن مجید ہمارا رہنما ہے اور ہماری رہنمائی بھی کرے گا اور منزل مقصود پر بھی پہنچائے گا۔ ہم اس ہدایت کی طلب، اپنی احتیاج و احساس اور اپنی سب سے بڑی کمزوری کا اعتراف ہونا چاہئے۔ اسی کے بعد ہدایت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین O

عالم اسلام میں اعلیٰ تعلیم کا مقصد و منہج

یہ تقریر ۱۲ جولائی ۲۰۰۸ء کو کراچی یونیورسٹی میں ہونے والے جلسے میں یونیورسٹی کے اساتذہ، طلبہ، علماء کرام اور علمی و ادبی شخصیتوں، سیاسی رہنماؤں اور دینی اداروں کے ذمہ داران و طلبہ کے علاوہ مختلف دینی، علمی و ادبی شخصیتوں، سیاسی رہنماؤں اور دینی اداروں کے ذمہ داران و طلبہ سے تعلق رکھنے والے معروف اصحاب شریک تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے آرٹس آڈیٹوریم کی وسعت کو سامعین کی کثرت نے ناکافی ثابت کر دیا تھا۔ بڑی تعداد کو باہر بیٹھ کر اور کئی سو افراد کو واپس جانا پڑا۔ استقبالیہ اور خیر مقدمی کلمات ڈاکٹر احسان رشید صاحب نے پیش کیے اور اختتامی کلمات تشکر ادا کیے۔ محمد صاحب، جنرل سیکرٹری کراچی یونیورسٹی ٹیچرز ایسوسی ایشن

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین

علم ایک صداقت ہے:

جناب وائس چانسلر، اساتذہ کرام، طلبہ و طالبات اور برادران عزیز! اگر یہ میں علم میں تقسیم کا قائل نہیں ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم و جدید، شرقی و مغربی، نظری اور عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

حدیث کم نظراں قصۂ قدیم و جدید

میں علم کی دینی و دنیوی تقسیم کا بھی قائل نہیں ہوں۔ میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں یا ایک انسانی تجربہ جو کسی ملک و قوم کی ملک نہیں اور نہ ہونی چاہئے۔ میں زندگی کے دوسرے سرچشموں کی بھی جغرافیائی، نسلی، تاریخی یا سیاسی حد بندیوں کا قائل نہیں۔ میں علم کو ایک "وحدت" مانتا ہوں اور جس کو کثرت کہا جاتا ہے اس کثرت میں بھی مجھے وحدت نظر آتی ہے۔ علم کی وہ وحدت سچائی ہے، سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے اور اس کو پانے کی خوشی ہے۔ اس کے باوجود میں جناب وائس چانسلر صاحب کا اور اس جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے آج ان عزیز طالب علموں اور پوری امت اسلامیہ کے ان سپوتوں کو خطاب کرنے کے لئے ایک

ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے جس کا (صحیح یا غلط طریقہ پر) حقیقتاً یا شہرت کی بنا پر) انتساب اور تعلق قدیم طرز تعلیم سے ہے۔ اس لئے میں وائس چانسلر صاحب کی وسیع النظری اور آپ کی جامعہ کی اس فراخ دامانی کا معترف ہوں کہ اسنے اس میں کوئی تفریق نہیں کی۔ میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ، حکومت، کسی بھی اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی "وردی" پہن آئے وہی "عالم" اور "دانشور" ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر وردی نہ ہو وہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت۔ بدقسمتی سے ادب، شاعری میں بھی یہی حال ہے کہ جو ادب کی دکان نہ لگائے اور اس پر ادب کا سائن بورڈ آویزاں نہ کرے اور ادب کی وردی پہن کر کے مشاعرے میں یا کسی ادبی محفل میں نہ آئے وہ "بے ادبی" کا مرتکب ہے۔ لوگوں نے ان پیدائشی ادیبوں اور شاعروں کا تصور بھی معاف نہیں کیا ہے جن کے جسم پر وہ وردی دکھائی نہیں دیتی ہو یا جن کو بدقسمتی سے ان وردیوں کے گوداموں سے کوئی وردی نہیں مل سکی ہو۔ اگرچہ میں علم کی آفاقیت اور علم کی تزئی کا قائل ہوں، جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خلوص ہے اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے فیضان میں کمی نہیں، بہرحال یہ ایک جرأت مندانہ قدم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی تقلید کی جائے۔ ہماری قدیم درسگاہوں میں جدید ماہرین کو دعوت دی جائے اور، ہماری ان جامعات اور دانشگاہوں میں ان لوگوں کو یاد کیا جائے جنہوں نے خلوص کے ساتھ پڑھا ہے اور انسانوں کے پیدا کئے ہوئے علمی اور ادبی ذخیرے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

تعلیم کا اصل مقصد:

حضرات میں شکر گذار ہوں کہ مجھے اس باوقار دانشگاہ میں ایک ایسے مجمعے کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جارہا ہے جو کل اسی ملک کی نہیں بلکہ شاید دوسرے آزاد ملکوں میں بھی کوئی اہم کردار ادا کرسکیں یا جن کے ہاتھ میں زمام کار آئے، کم وزکم تعلیم و تربیت کی رہنمائی اور سربراہی کا ان کو موقع ملے۔

میں نے تعلیم کی غرض و غایت اور اس کی فائدے و نتیجے کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے لیکن میں یہاں صرف ایک حوالہ دوں گا۔

مشہور برطانوی ماہر تعلیم Sir Percy Nunn نے تعلیم کی بڑی جامع و بلیغ تعریف کی

ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"تعلیم کا بنیادی خیال جو پورے نظام تعلیم پر حاوی ہونا چاہئے یہ ہے کہ تعلیم اس کوشش کا نام ہے جو بچوں کے والدین اور سرپرست مدنظر یہ حیات پر جس پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں اپنی نئی نسل کو تیار کرنے کے لئے کرتے ہیں" آگے چل کر یہ فرماتے ہیں کہ "وہ دماغی رویہ جو ان قوتوں کو جو اس نظریہ حیات سے وابستہ ہیں طالب علم پر اثر ڈالنے کا موقع دے اور وہ طالب علم کو ایسی تربیت دے جو اس قوم کی زندگی کی تسہیل و ترقی میں طالب علم کی دلچسپی کو بڑھائے اور اس کے ذریعہ وہ مستقبل کی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکے۔

میں نے تعلیم کی تعریف کے سلسلہ میں جو کوششیں دیکھی ہیں اور جو خود میں میری نظر سے گزری ہیں ان میں میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ جامع اور مکمل تعریف ہے، تعلیم کیوں دی جاتی ہے اور تعلیم پر اتنی جدوجہد کیوں اور قومیں اپنی توانائیوں میں سے اتنا حصہ اور اپنے مستقبل کو اس پر کیوں صرف کی جاتی ہیں؟ کیوں اس لئے کہ وہ تعلیم ایک خیر پیدا کرتی ہے اس قوم کے معتقدات، مثل مسلمہ اور حتمی و قطعی سرمایہ ان بچوں کے درمیان جو اس کو عزیز ہیں، جو خیالات اس کو عزیز ہیں، اور عزیز ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، جو چیز جس کو عزیز ہو، وہاں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ چیز اس کو عزیز بنانے کے قابل بھی ہو یا نہیں، نہیں جو چیزیں اس کو عزیز ہیں، جو معتقدات اس کو عزیز ہیں، جو خیالات اس کو عزیز ہیں، جو اقدار اور جو مثبت اور جو تصورات و معتقدات اور جو افکار اس کو عزیز ہیں، جو قومیں ان کو اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، تعلیم کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک رشتہ پیدا کرے اور قوم کی نئی نسل کو اس خیر کو منتقل کرے جو اس قوم کو عزیز ہے اور جس پر اس نے اپنے اسلاف کی بہترین صلاحیتیں اور بہترین مدت صرف کی ہے اور جن کے لئے بعض اوقات وہ قومیں تباہ و برباد ہوئی ہیں، اس نے اپنی جان کی اپنی عزت کی، آزادی کی بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، یہاں یہ بات بڑی بے موقع اور بڑی غیر ہمدردانہ بات ہے کہ ان قوموں نے ان اقدار کے لئے کیوں دلیل تلاش کی، تعلیم یہ سرمایہ منتقل کرے اور طوطے کی طرح اس کو رٹا دے بلکہ اس کو اس کے قلب و دماغ میں جاگزیں کرے، اس کا ذہن اس کا ذوق اس کو تبھی کرے اور جذب کرے، وہ اس کے لئے تیسری اور اجنبی چیز نہ ہو بلکہ وہ اس کے لئے ایک داخلی چیز بن جائے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مزاج بن جائے۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی:

میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعریف بہت جامع ہے، لیکن جب ایک ملت کا وجود ہو کر وہ عقائد اور وہ اقدار اس کے اپنے بنائے ہوئے اور پیدا کئے ہوئے نہ ہوں، بلکہ ان کا سرچشمہ وحی الٰہی ہو، ان کا سرچشمہ کلام الٰہی ہو، ان کا سرچشمہ نبوت ہو، ان کا سرچشمہ وہ علم غیب ہو، اور وہ علم غیب ہو جس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، جب ذہن و عمل ارتقا پذیر ہوتا ہے، اب اگر کوئی نظام تعلیم یہ خدمت انجام دیتا ہے، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، ارادی طریقے پر یا غیر ارادی طریقے پر، غلطی کی بنا پر یا کسی بڑی سازش کے ماتحت، وہ سازش اس ملک کے اندر ہوئی ہو، اس ملک سے باہر ہوئی ہو، کہ اس نظام تعلیم کے ساتھ پروان چڑھنے والے تمام عقائد اور اقدار سے اعتماد جاتا رہے یا متزلزل ہو جائے، اس کی چولیں ہل جائیں اور وہ ایمانی شک میں، تردد میں مبتلا ہو جائیں، وہ ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں اور انفرادی زندگی کی حد تک نہیں بلکہ یہ کشمکش افراد کی حدود سے تجاوز کر کے اس ملت کے سیدھی زندگی میں کارفرما ہو، وہ اس کو متاثر کرنے لگے اور ایک بڑی خونریز کشمکش، ایک بڑی خونریز جنگ برپا ہو جائے۔ اس تعلیم و تہذیب کے درمیان اور ان اقدار کے درمیان، ان مفاہیم کے درمیان اور ان عقائد کے اور خیالات کے درمیان، میں اسلام کو ایک ترکے (LEGACY) حیثیت سے نہیں، میں اس کو اسلام کی بڑی تعریف نہیں سمجھتا۔ اس لئے Legacy of Islam اور Heritage of Islam پر جو کتابیں پڑھی گئی ہیں ان کا زیادہ قائل نہیں ہوں۔ میں اسلام کو ایک پیغام ربانی سمجھتا ہوں، میں اسلام کو زمانہ کے ساتھ چلنے والا نہیں بلکہ زمانہ سے آگے چلنے والا، زمانہ کا رہبر، زمان کا رفیق اور شریک کار دیکھنا چاہتا ہوں، میں اس کو نسب اور تعلق (GAURDIAN) سمجھتا ہوں، اس لئے جب غیر ارادی طریقے پر یا نقد قایا کسی سازش کے، تحت کوئی اہل تعلیم یا ایسا نتیجہ پیدا کرے کہ اس کی نسل ان تمام اقدار کے بارے میں، ان تمام عقائد و خیالات کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جائے، اس کا یقین اس سے اٹھ جائے اور وہ اس کو ایک طفل تسلی یا جھوٹا سا سمجھنے لگے یا کم سے کم اس کو ان اقدار پر اس طرح یقین نہ ہو کہ وہ ان کی حمایت کرے، سینہ سپر ہو، ان کے لئے کسی خطرہ کا سامنا ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ تعلیم صرف انتشار کا باعث ہے۔

اسلامی ملک کا معاملہ زیادہ اہم ہے

(اب میں یہاں آپ کے سامنے مخلص مہربانوں کو میرے سامنے تمام اسلامی ممالک میں میرے سامنے آئی ہے میرے سامنے تھے وہ میرے سامنے ہیں وہ میرے سامنے تھے یہ بھی ہے جیسا کہ پہلے ایک آل انڈیا اسلامک ایجوکیشن کانفرنس (ALLWORLD ISLAMIC EDUCATION CONFERENCE) ہوئی تھی۔ اس میں یہاں سے احسان رشید صاحب اور اسے سے دوسرے صاحب بھی گئے تھے میں ہندوستان کی طرف سے آیا تھا وہاں میں نے جو پیپر (PAPER) پڑھا تھا اس میں میں نے اس چیز کا ذکر کیا تھا کہ جامعہ ملیہ زیادہ اہمیت اس لئے رکھتا ہے کہ اس کی اسلامی ملک کا معاملہ ہے اسلامی ملک میں ہونا ہی ہے اپنی ایک شخصیت رکھتی ہے ایک (Personality) رکھتی ہے اس کی ایک شخصیت ہوتی ہے اس کے پس ایک پیغام ہے اس دنیا میں ایک فرض انجام دینا ہے اور تعلیم وہ اس قسم کی اس قسم کا پیغام لے کر آتی ہے اور صرف یہ خدمت انجام دینی ہے کہ وہ اس دنیا کی جدید ضروریات سے پڑھا لکھا بنا دے اپنے معتقدات سے بیگانہ بنا دے ہے وہ ایک قوم میں باقی ہے وہ ایک قوم میں باقی ہے جو کہ اپنے اس ملک میں فتنے نہیں ہوتے ہیں ہوں گے وہ ایک بہتر خدمت انجام دیتی ہے اس سے ایک نئی چیز پیدا ہوتی ہے ہوں گی زندگی میں ایک نیا مقصد ہوتا ہے آپ کا ہے ایک نئی زندگی ہوں گے رشتہ حیات میں پڑ جاتی ہے وہ ملک یا وہ ملت اس کے معتقدات اور اس کے اقدار روایت اور اقدار فکر کی بنیاد وہی الٰہی پر ہے اور وہاں کی تعلیم کا ثمرہ اور نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک نئی نسل ایک نئی خود اپنے ملک اور ایک زندگی ایک نئی تشکیل اس کی نئی نسل کے دماغ اور اس نے تمام لوگوں کے دماغ اس معاشرے کے دماغ جس کا اس سے تعلق ہے ان نوجوانوں کے دماغ اس کی پوری تاریخ اور پورے ورثہ اس نے منصب و مقام سے دماغ جو خدا نے اس کو عطا کیا ہے اور مسلمان کا پیغام اور اس کے تمام ہونے کا جو مقام ہے اس نے درمیان ایک تشکیل پیدا ہو جاتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی خدمت نہیں ہے Service نہیں ہے بلکہ یہ خدمت کی ہے (Disservice)۔

کسی اسلامی ملک کی جامعہ کا اولین فریضہ:

آپ نے صاف محسوس کر لیا ہوگا کہ کسی اسلامی ملک کی جامعہ کا اولین فریضہ کیا ہے۔ اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کے نوجوانوں کے ذہن کو اس طرح تیار کرے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ ان کے دل میں ان عقائد کی صداقت پر یقین پیدا ہو جائے۔ اس یقین کے بعد وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو ان عقائد کی روشنی میں طے کرنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش کے نتیجے میں ان کے اندر ایک خاص قسم کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس صلاحیت کو میں "اسلامی ذہن" کہتا ہوں۔ اسلامی ذہن کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہو۔ اس یقین کے بعد وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اسلام کی روشنی میں طے کرنے کی کوشش کرے۔ اس کوشش کے نتیجے میں اس کے اندر ایک خاص قسم کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس صلاحیت کو میں "اسلامی ذہن" کہتا ہوں۔ اسلامی ذہن کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہو۔ اس یقین کے بعد وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اسلام کی روشنی میں طے کرنے کی کوشش کرے۔ اس کوشش کے نتیجے میں اس کے اندر ایک خاص قسم کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس صلاحیت کو میں "اسلامی ذہن" کہتا ہوں۔

قلب اور دماغ دونوں کا اطمینان ضروری ہے:

آپ نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں جامعہ کے مقصد کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان نوجوانوں کے دل میں یقین پیدا کرے۔ وہ یقین جو صرف دماغ کے راستے سے نہیں بلکہ دل کے راستے سے بھی دماغ تک پہنچے۔ دل کے راستے سے دماغ تک پہنچنے والا یقین کسی قلعے کی طرح ہوتا ہے۔ اس یقین کو کسی قلعے کی طرح کوئی شکست نہیں دے سکتی۔ وہ اپنے دماغ کو اطمینان دلاتا ہے۔ وہ اپنے دماغ کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہے۔ وہ اپنے دماغ کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہے۔ وہ اپنے دماغ کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہے۔ وہ اپنے دماغ کو یہ بتاتا ہے کہ اس کے اندر اسلام کے بنیادی عقائد پر یقین ہے۔

شعور کی زندگی و بیداری میں اپنے مذہب کی موت سمجھتے ہیں، اس لئے کلیسا اور علم میں وہ کشمکش پیش آئی جس کی خونریز کہانی اور ولڈورز کہانی ڈریپر کی مشہور کتاب میں آپ پڑھتے ہیں۔ یہ کشمکش اس لئے پیدا ہوئی کہ کلیسائی بنیاد اس پر تھی کہ انسانی شعور جتنا سوتا رہے اچھا ہے۔ اسے لوریاں دے کر اور سلانا چاہئے، اور انسان کا علم جتنا محدود ہے اچھا ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ علم سے بالکل عاری اور محروم ہو۔ اس وقت تک مسیحیت کی زندگی ہے، اسی وقت تک بائبل پر ایمان راسخ ہوگا۔ عہد عتیق کی کتابیں بعض ایسی باتیں پیش کرتی ہیں کہ جن کی علم جدید تصدیق نہیں کرتا بلکہ اس کی نفی کرتا ہے، اس لئے کلیسا اپنی خیریت اسی میں سمجھتا تھا کہ مسیحی کا شعور بیدار نہ ہونے پائے اور علوم ترقی نہ کریں، اس لئے وہ علم کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا، علم کے لئے وہ سنگ راہ ثابت ہوا بلکہ اہل کلیسا نے علم کو اپنے مدمقابل اور حریف سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علم تو انسان کی فطرت کا ایک تقاضا تھا، علم تو انسان کے اندر ایک جذبہ تھا، علم تو خدائی ایک نعمت تھی، علم تو دنیا کی ایک ضرورت تھی، علم تو خدا نے پھیلنے پھولنے اور بڑھنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ مٹنے اور مرجھانے کے لئے نہیں پیدا کیا تھا۔ صدقتیں مٹ نہیں سکتیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کو علوم کے مقابلہ میں اور لوگوں کے طلب علم اور شوق جستجو کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ یہ وہ منحوس واقعہ تھا جو اگر چہ مسیحی یورپ میں پیش آیا لیکن اس کا اثر تقریباً تمام دنیا اور تمام مذاہب پر پڑا اور بہت سے لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ علم و عقل اور علم و مذہب کی ترقی ساتھ نہیں چل سکتی، تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ تھوڑے وقفے کے لئے بعض اسلامی ملکوں میں بھی یہ غلط خیال پیدا ہوا، لیکن اسلام چونکہ اس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسلام کی روح اس سے یکسر اور اس سے باغی ہے، اس لئے یہ چیز زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکی۔ اور یہ مصنوعی کشمکش عالم اسلام میں قائم نہ رہ سکی۔ مسیحی یورپ کے اثر سے پیدا تو ہوئی لیکن بہت جلد مغربی ممالک کا یہ سایہ دور ہو گیا۔

علم کی قسمت قلم سے وابستہ:

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلامی یونیورسٹیوں اور ان اسلامی جامعات کا ایک فرض تو یہ ہے کہ علم و دین میں کہیں یہ خلیج پیدا نہ ہونے پائے جو مسیحی یورپ میں یا ان مذاہب میں جن کا علم و عقل کے

ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا بلکہ وہ علم و عقل سے بہت دور تھا اور بلکہ اس کی آنکھوں میں دھول ڈال کر پیدا ہوئے اور اسی حالت میں وہ پھلے پھولے، وہاں تو اس بات کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن جس نے سب سے پہلے اپنے دین کا اور اپنی دعوت کا اور اپنے علم کا اعلان اس طرح کیا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

جس نے اپنی وحی کی پہلی قسط میں دور اس پر ان رحمت کے پہلے چھینٹے میں بھی اس قلم کو، اس حقیر قلم کو فراموش نہیں کیا جس نے اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے۔ غار حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی امی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود نہیں سیکھا، جو قلم کے فن سے واقف نہیں تھا، آپ خیال کیجئے کہ دنیا میں، نبی کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے اور اس بلندی کا تصور ہو سکتا ہے کہ نبی امی پر، ایک امت امی کے درمیان ایک ایسے ملک کے درمیان کہ جہاں علم کا جنرل عام نہیں تھا، جامعات اور دانش گاہیں اور سکائیں تو بڑی چیز ہیں، جہاں حرف شناسی بھی نہیں تھی، وہاں اس نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے اور آسمان و زمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے، اس کی ابتدا "اعبد" سے نہیں، اس کی ابتدا "عمل" سے نہیں بلکہ اس کی ابتدا ہوتی ہے "اقرأ" سے جو خود پڑھا ہوا نہ تھا اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ "اقرأ" اس لئے کہ تمہیں جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف علم کی پیاسی طالب نہ ہوگی بلکہ وہ علم آموز ہوگی، وہ علم کی اس دنیا میں اشاعت کرنے والی ہوگی، جو دور تمہیں دیا جاتا ہے، صلاح اور ہدایت کا، جو دور تمہارے حصے میں آیا ہے وہ دور امیت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور تخریب کا دور نہیں ہوگا، وہ دور عدم کا دور ہوگا، عقل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا، اس لئے پہلی بار

انیاں، مذاہب کی تاریخ نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ آپ کی توجہ اس بات کی طرف مبذول ہوئی کہ اس نبی امی کو ایک ایسی قوم کے درمیان جو وحی نازل ہو رہی ہے اس کی ابتدا ہوتی ہے "اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ پڑھو اللہ کے نام سے جو تمہارا پروردگار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" غور کیجئے کہ اس کی ابتدا کس چیز سے ہوئی؟ اس میں کس چیز کو اولیت دی جا رہی ہے؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک آدمی بھی ہو اس امی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا وہ سب کچھ کر سکتا تھا لیکن یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جو پہلی وحی نازل ہوگی وہ "اقرأ" کے لفظ سے شروع ہوگی۔ پڑھو! اقرأ! قرأت کا لفظ ہے، یہاں خالص علم کا بھی لفظ نہیں ہے، یعنی اس کا تعلق کاغذ سے بھی ہے، اس کا تعلق نقوش سے بھی ہے اور اس کا تعلق قلم سے بھی ہے، وہ علم نہیں جو لدنی طریقہ پر آتا ہے بلکہ وہ علم جو قلم کے ساتھ ہے، کاغذ کے ساتھ ہے، کتابوں کے ساتھ ہے، کتب خانوں کے ساتھ ہے، تجربوں کے ساتھ ہے، دماغوں کے ساتھ ہے۔ "اقرأ باسم ربک الذی خلق۔"

دین علم سے الگ نہیں ہو سکتا:

[illegible]

[illegible] بہت طویل ہے۔ بہت پرانی ہے۔ بعد کے لوگ ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹ ڈالنے والے ہیں۔ قدم قدم پر [illegible] قدم قدم پر کہ [illegible] ہیں۔ قدم قدم پر [illegible] قدم قدم پر [illegible] اور کچھ ہیں۔ اس لئے ان میں ایک [illegible] کامل نبی رفاقت ہونی چاہئے اور وہ ہے کامل مقتدا نہ نبی ذات ہے۔ اس نے اقراء باسم ربک الذی خلق پڑھا۔ خلق پڑھا ہو کچھ پڑھا ہو۔ وہ علم ہیں۔ وہ علم ہیں جو علم ان کو نقل پڑھنے بتانے کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو علم نقل کھوں کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو علم ان [illegible] کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو [illegible] کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو [illegible] کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو [illegible] کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو اپنے معدہ کی [illegible] کا ذریعہ کمانے کا نام ہے۔ وہ علم ہیں جو زبان کو صاف استعمال نہ سکھاتا ہے بلکہ اقراء باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم پڑھا تو پڑھا۔ اب بڑا کرم ہے۔ وہ تمہاری ضرورتوں سے تمہاری مدد میں کے لیے آلہ ہوتا ہے۔ اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم آپ نے سنا کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بتایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی ہو۔ قلم کے ذریعے سے کچھ تم میں کی حد تک بتائے اس میں شک ہے کہ وہ قلم اور آپ سے تاش کرنے کے لئے لکھتے تو علوم نہیں ہیں ہر قسم کے علوم کے لکھنے میں مثلاً علوم کا سب سے پہلا ہوتم سے کوئی پوچھے کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے۔ وہ قلم جس سے انسان اپنی ضروریات کی بہت سے آپ اگر آپ شعراء کے دیوان دیکھیں۔ پڑھتے ہی چلے جائیں تو ان میں قلم کا نام آپ بہت پائیں گے۔

سب کا خلاصہ، علم الانسان مالم یعلم:

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور ایمانی حقیقت بیان کی کہ ہمیں کوئی انتہا نہیں۔ "علم الانسان مالم یعلم" سے ختم کیا ہے "علم الانسان مالم یعلم" [illegible] ہے "علم الانسان مالم یعلم" [illegible] ہے "علم الانسان مالم یعلم" سے خطاب ہم نے طے کر لیا ہے اور ہم نے دنیا کی لائبریریوں میں جا کر ان کی جلدیں تحقیق کی ہیں اور سورج کی شعاعوں کو بھوں قبال [illegible] قدر لایا ہے اور سترہوں کے ارسیان

اپنی ریگلذر پیدا کی ہے، یہ کیا ہے؟ "علم الانسان مالم یعلم" "علم اشیاء کی جب تکثیری۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جس امت کی اور جس پیغام کی بنیاد قرأت سے پڑی، فن قرأت سے پڑی اور قلم کے ذکر سے پڑی، اس ملت کا، اس قوم کا، اس امت کا ساتھ کبھی قلم سے نہیں چھوٹ سکتا، اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب اس امت کے لئے جو دانش گاہ تعمیر کی جائے، جو نظام تعلیم مرتب کیا جائے اس میں جو بنیادی چیز ہو، جو اصل کار فرما اور رہنما اصول ہے، وہ یہ ہے کہ یہ علم، یہ نظام تعلیم ان اقدار پر، ان حقائق پر اور ان عقائد پر ایمان کو راسخ کرے اور یہ پختگی صرف دل کی راہ سے نہیں بلکہ دماغ کی راہ سے بھی ہو، یعنی دل و دماغ دونوں مطمئن ہونے چاہئیں، اگر دل و دماغ دونوں مطمئن نہیں ہیں تو فرد کی زندگی میں کشمکش پیدا ہوگی اور یہ کشمکش پھر وسیع ہوتی جائے گی۔ پہلے وہ اپنے اندر ایک دوسرے سے دست و گریباں پھر جماعت سے دست و گریباں ہوگا، پھر نسل اپنے معاشرہ سے دست و گریباں ہوگی، اپنے دین سے دست و گریباں ہوگی اور بہترین توانائیاں اس نسل کو اس ملبے کو سمانے میں، اس کھنڈر کو دور کرنے میں صرف ہوں گی، پہلے اس ملبے کو ہٹاؤ پھر اس کے بعد تعمیر کرو اور تمام توانائیاں اس پر صرف ہو جائیں گی۔ ہماری بعض مسلم قوموں کے رہنماؤں نے اس طریقہ پر کام کرنا شروع کیا کہ پہلے ماضی کا ملبہ ہٹائیں، پہلے حقائق و عقائد کا ملبہ ہٹائیں پھر اپنی دعوت پیش کریں۔ اس میں ان کی عمر بیت گئی اور ان کو جو وقت دیا گیا تھا کام کرنے کا وہ ختم ہو گیا اور وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے، تو جامعات کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان عقائد اور حقائق پر یقین کو استوار کریں اور صرف قلب کی راہ سے نہیں بلکہ دماغ کی راہ سے بھی کہ ایک طرف دل ان کا حلقہ بگوش ہو اور ان کو اپنی تہہ میں، اپنی گہرائی میں جگہ دے تو دوسری طرف دماغ کا کام یہ ہو کہ وہ ان کے لئے دلائل فراہم کرے اور وہ بھی اس طرح سے مطمئن ہو جس طرح سے دل مطمئن ہو، اس لئے اس نظام تعلیم کی سب سے بڑی کامیابی یہ سمجھتا ہوں، خاص طور سے مسلمانوں کے سلسلہ میں کہ وہ ان حقائق پر، ان اقدار پر، اس نسل کا، اس تعلیم یافتہ نسل کا، ان اسکالرز کا، ان یونیورسٹی گریجویٹس کا، فلاسفرس کا، مفکرین کا یقین مضبوط کرے اور ان کو اس قابل بنا دے کہ وہ دماغ سے ان کے لئے دلائل فراہم کریں، دنیا میں جو علمی ذخیرہ پرانا یا نیا پھیلا ہوا ہے، وہ اس کو اپنے اس دعوے کے ثبوت

میں یا اپنے اس مقصد کی تکمیل میں استعمال کر سکے اور استعمال کرنے کا نیت رکھے۔ یہ ہے نزدیک ایک جامعہ کی بہترین تعریف یہ ہے۔

سیرت سازی:

جامعات کا دوسرا کام سیرت سازی ہے۔ یونیورسٹی ایک کیریکٹر بنائے۔ اور آپ ضمیر و بقول اقبال ایک کف خاکستر کے بدلے میں بیچنے کے لئے تیار نہ ہو۔ آج کل کے خلاف اسلام فلسفے اور نظام یہ سکھاتے ہیں کہ اس بازار میں سب کی قیمت مقرر ہے، وہ اگر کم قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا تو زیادہ قیمت پر خرید لیا جائے گا۔ ایک جامعہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے۔ وہ کیریکٹر بنائے۔ وہ ایسے طالب علم افراد پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کر سکیں۔ جس کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ، کوئی غلط حکومت، کوئی حکومت ان کو کسی دام کریدنہ سکے اور جو یہ کہہ سکیں کہ ہے

برد ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

اور اقبال نے کہا ہے

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامان موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ملک، باعزت ملت، صاحب پیغام ملت بنانے میں صرف کرے، یہ دو چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ دل و دماغ کو وہ غذا دی جائے، وہ روشنی دی جائے کہ جس سے دل و دماغ دونوں مل کر یا کسی تعاون کے ساتھ، ایک دوسرے کی رفاقت کے ساتھ ان حقائق اور عقائد پر ایمان کو پائے کریں اور دوسروں کو سمجھنے، قائل ہونے کا موقع دیں اور انہیں مطمئن کریں۔

آپ یہ دیکھیں کہ آپ اپنی صلاحیت کے نوٹ کتنی تعداد میں پیدا کر رہے ہیں۔ میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کسی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں کتنی یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہوگئی ہے بلکہ قابل قدر بات یہ ہے کہ علم کے شوق میں، ریسرچ کی راہ میں اور علم کو پھیلانے کے جذبہ سے کتنے آدمی اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو صاحب شعور، مہذب اور باضمیر قوم بنانے کے لئے کتنی تعداد میں وہ نوجوان موجود ہیں جو اپنی ذاتی سربلندی اور ترقی سے آنکھیں بند کر کے اس مقصد کے لئے اپنے کو وقف کرتے ہیں۔ اصل معیار یہ ہے اور یہی معیار ہونا چاہئے۔ کتنے نوجوان ایسے ہیں کہ جو دنیا کی تمام آسائشوں اور ترقیوں سے آنکھیں بند کر کے کسی گوشہ میں بھوکے علمی کام کر رہے ہیں، ملت کی سربلندی کے لئے یا کسی نظریہ کی دریافت کے لئے یا کسی علمی تحقیق کے لئے اور اپنے ملک کو طاقتور بنانے کے لئے۔

یہی دو حقیقی مقصد ہیں، باقی صرف پڑھا لکھا دینا اور ملازمت کے قابل بنا دینا میں سمجھتا ہوں اب کسی جامعہ کے لئے قابل تعریف نہیں اور میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے وائس چانسلر اور جو اس جامعہ کی رہنمائی کرنے والے ہیں وہ اس پوزیشن کو قبول کرنے پر کبھی تیار نہ ہوں گے کہ ہماری جامعہ کا مقصد صرف یہ رہ جائے کہ پڑھے لکھے نوجوان ہزاروں کی تعداد میں پیدا ہو جائیں اور محکموں، کارخانوں اور دکانوں میں فٹ ہو جائیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئے۔

مقصود ہنر سوزِ حیات ابدی ہے:

اس جامعہ کا مقصد جو ایک ایسے نازک ملک میں، ایسے نازک دور میں قائم ہوا ہے یہی ہونا چاہئے کہ وہ اس انتشار کو رفع کرے جو تمام ممالک اسلامیہ میں تقریباً سو برس سے نمایاں

نے اب مغربی تہذیب اور مغرب ہی سیاسی یلغار شروع ہوئی تو اس وقت ہمارے ملک اور ملت کے دانش ور پیدا ہوئے جنہوں نے اس یلغار کا مقابلہ کیا۔ ان میں سرسید احمد خان، علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے نام سرفہرست ہیں۔ ان تینوں نے اپنے اپنے انداز میں مسلمانوں کی رہنمائی کی۔ سرسید نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کی طرف واپس لوٹنے کی دعوت دی اور قائداعظم نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کے حصول کی جدوجہد کے لیے متحد کیا۔ اب ہم علامہ اقبال کے تصورِ قومیت کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب، شاعری، فلسفہ، حکمت، فلسفہ، تصوف، تالیف، سب کا مقصد یہ ہے کہ آپ میں زندگی، یقین پیدا ہو اور آپ کے اندر سے مایوسی ختم ہو اور ایک نئی زندگی پیدا ہو۔

میں اس وقت علامہ اقبال کے شعر پڑھوں گا جو انہوں نے اپنے کسی مرید یا شاعر سے مخاطب ہو کر نہیں بلکہ پوری قوم سے مخاطب ہو کر کہے ہیں۔

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
مقصد ہے ترا فکر معنی کا تنزل ہو
اس فکر سے انساں کو دو یا بال و پر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

آج ملت اسلامیہ پاکستان کو ایک مذہب کی ضرورت ہے اس لئے کہ قومیں کی کشتی اس نے نہ ساحل تک نہیں پہنچ سکتی۔ جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں وہ ایک معجزے کا طالب ہیں۔ یہ معجزہ اسلام نے ابدی پیغام میں مضمر ہے

ہے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟

اس وقت پاکستان کو ایک ضرب کلیمی کی ضرورت ہے بلکہ تمام عرب اور اسلامی ملکوں میں بھی زندگی کی نئی روح پیدا کرنے کی ذمہ داری پاکستان پر ہے۔ اسلام کے عقائد و حقائق پر ایک نیا یقین، ایک نیا اعتماد، ایک نیا جوش، ایک نیا ولولہ، فعل، نئی جرأت اور ایک نئی لذت آشنائی، ایک نیا جذب دروں پیدا کرنے سے ان ابھرتی ہوئی قوموں کا مقابلہ کرنا

قوموں ان سرکش قوموں کو جن کے تذکرے بھی اب کتابوں میں رہ گئے ہیں۔ ان کو بھی زندہ کرنے کے دعوے سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ کی ذمہ داری صرف آپ تک محدود نہیں ہے۔ ہر پیدا ہونے والے مسلمان کی ذمہ داری ہے تم سب اسلام پر فائق ہیں۔ آپ فکری طور پر بھی اسلام کی برتری کے لئے آگے بڑھیں اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو ثابت کریں کہ ساری دنیا کی تاریخ کے دور میں اسلام چل سکتا ہے، پاکستان ایک معمولی ایٹمی تجربہ کامیاب ہونے کے بعد یہ ثابت کرے گا کہ اسلامی نظریات اس دور میں چل سکتے ہیں۔ وہ صحیح ہو سکتے ہیں۔

آخر میں میں وائس چانسلر صاحب اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے پوری سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ میری باتیں سنیں۔

زرخیز زمین مردم خیز خطہ

۲۳ جولائی ۱۹۸۹ء کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں پہلی کانووکیشن منعقد ہوئی۔ اس جلسہ میں یونیورسٹی نے اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ بعض ممتاز شہریوں کو بھی ڈگریاں عطا کیں۔ اس یونیورسٹی میں زرعی تعلیم کے مختلف شعبوں کے قیام کے سلسلہ میں قریباً ۱۲ سال تک مسلسل جدوجہد کرنے والے ڈاکٹر محمد اسلم سلیمی نے اس موقع پر خطاب فرمایا۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

ملک کی عظمت کا حقیقی معیار:

اساتذۂ جامعہ، بزرگان محترم اور طلبائے محترم!

مجھے بڑی مسرت اور خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں آپ کی اس یونیورسٹی میں جو اپنا ایک خاص کام اور مقام رکھتی ہے، اپنے رفقاء کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ میں اس عزت افزائی کے لئے یونیورسٹی کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں۔

کسی ملک کی ترقی اور اس کی بڑائی کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ اس میں یونیورسٹیوں کی کتنی تعداد ہے، اس کی زمین میں زراعتی صلاحیت کتنی ہے، اس کے خاصل کتنے ہیں۔ اس میں کتنے سرمایہ دار پائے جاتے ہیں، اس کا معیار زندگی کتنا بلند ہے؟ بلکہ ملک کی عظمت کا حقیقی معیار یہ ہے کہ اس کے اہل علم میں تحقیق کرنے کا کتنا ذوق پایا جاتا ہے اور خاص فنی اور تحقیقی دانش گاہیں اور بیوت الحکمت کتنی ہیں؟ اگر کوئی ملک سب کچھ رکھتا ہے، اس کے اندر قدرتی دولتوں کے بڑے بڑے خزانے ہیں، بنظری اور قدرتی وسائل بھی ہیں، لیکن اس میں ذوق تجسس نہیں ہے، تحقیق کا خالص علمی اور سنجیدہ ذوق نہیں پایا جاتا، ایسے لوگ کافی تعداد میں نہیں ہیں۔ جو اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہوں، تعریف و تحسین سے بے نیاز ہو کر تحقیق کا سرکرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے جو اصل مقصود ہے اور اس کی ترقی اور بہبودی کے لئے وہ دن

رات کا کھانا کھلتے ہیں۔ ان کو حکومت یا کسی ادارے سے انعام کا کوئی پیسہ نہیں ملتا ہے وہ تھکتے ہوں اور تھکتے ہی سے ان کو راحت ملتی ہو تعجب ہے اور یہ کہ ان کے اہل و عیال ان کے لئے اس سے بڑھ کر راحت کا سامان مہیا کرنے سے رک دیا جائے وہ ہم ہی ان کی طرح ہو وہ اہل و عیال ان کا انتظار ہو۔

یہاں آ کر خوشی حاصل ہوئی:

یہاں یہ دیکھ کر اس ملک میں ایک ترقی یافتہ قوم کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور یہاں کی دولت اس ملک خاص طور سے عرب ممالک کے نوجوان اپنے ملکوں سے چلتے اور تحقیقات کرنے کے لئے آتے ہیں، بڑی مسرت ہوئی۔ اس سے ایک مسلمان اور غریب طالب علم کا دل شاد و خوش ہونا چاہئے۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان بھی ہوں، طالب علم بھی ہوں، اس لئے مجھے یہاں آنے سے بڑا خوشی حاصل ہوئی۔

اگر میں کوئی بڑا امیر آدمی ہوتا یا کسی بڑے سے بڑے ایوان میں میری ضیافت و عزت افزائی کی جاتی تو مجھے وہ خوشی نہ ہوتی جو آپ کے اس ادنیٰ گاؤں میں آ کر ہوئی۔

اپنی بہترین صلاحیت اس ملک پر صرف کریں:

مجھے امید ہے کہ جو نوجوان یہاں تعلیم پا رہے ہیں وہ اپنی بہترین صلاحیتیں اس ملک کے ہی پر صرف کریں گے، جانتے ہیں کہ وہ اپنی تنخواہوں کی خواہش میں امریکہ اور یورپ جائیں، جس کا عام طور پر رواج ہو گیا ہے۔ میں پورے امریکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں کہ ہمارے مشرقی ممالک کے بہترین نوجوان، بڑے باصلاحیت افراد جو اپنے ملکوں کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ اور یہ ملک ان کی ذہانی کوشش سے اپنی زمین سے نکالے اگل سکتے تھے، انہوں نے اپنے اپنے ملکوں سے باہر میدان کا انتخاب کیا۔ اس سے ان افراد کا خود تو بڑا فائدہ ہوا، لیکن ان ملکوں کا بڑا نقصان ہوا کہ پڑھ لکھ کر جب کام کے آدمی بنے تو اغیار کی سرزمین میں پہنچ گئے، تاکہ اپنی جھولی بھریں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اپنے ملکوں کی جھولی اپنے ہنروں سے، ان کے تعاون سے بھرتے لیکن افسوس ہے کہ ہر دن دولت اغیار کے کام آ رہی ہے، اس

لئے تیار ہیں اس ملک نے نوجوانوں سے اور عرب نوجوانوں سے بھی اتنے امید نہیں رکھی تھی جتنی وہ رکھتے ہوں گے کہ میری بات سمجھ میں آجائے اور وہ اس کو اپنی زبان میں اپنی صلاحیتوں اپنے مطالعے اپنی تحقیقات کا اصل مستحق اپنے حسن و تحسین پر بڑے افسوس کی بات ہے اور سب اوطنی اور غیرت اسلامی کے خلاف ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچائیں جنہوں نے تمام اسلامی علوم و علماء پر ظلم کیا ہے آج وہ ظلم یا اور کسی نہ کسی صورت پر تقسیم علوم پر علمی اور فنی صورت سے اور یہ اور ان کے بے تحریر ہیں ہمارے نوجوان اگر ہمارے نوجوان اپنی صلاحیتیں اپنی سرزمین پر صرف کریں تو وہ بہت بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں اور اس راستہ سے خدا سے اپنے خالق سے بھی بہت قریب ہو سکتے ہیں۔

نظریات، فلسفوں اور علمی تحقیقات و مسلمات کا غلبہ جاری ہے:

مجھے امید ہے کہ نوجوان ان علموں کا مقابلہ کریں گے جو علمی تحقیقات نے اور یورپ اسلام کے قلب و دماغ پر حملہ آور ہیں، وہ زمانہ گیا کہ وہ فی ملک کی خلک و خام بنانے اور اس کو اپنی کہیں کسی کو اس کا شوق ہے تو وہ ایک قصہ پارینہ کی تقلید ہے لیکن علمی نظریات علمی تحقیقات اور علمی مسلمات کے نام پر جو باتیں پیش کی جاتی ہیں ان کا حملہ اسلام پر ہمیشہ جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ ایک زمانہ میں فلسفہ یونان کا حملہ تھا، اس زمانہ میں اسلام نے فلسفہ کی بنیاد پر اسلام تیمیہ اور امام رازی پیدا کئے۔ اس کے بعد پھر مغربی استعمار نے تاریخ کی بنیاد پر مسلمانوں پر حملے شروع کئے۔ مثلاً یہ کہا جانے لگا کہ کتب خانہ اسکندریہ مسلمانوں نے جلایا ہے اور اس کو یورپ نے اپنی علمی تحقیقات نے بطور پیش کیا کہ یہ ایک احمق آدمی عمر تھا جو ہمارا یہ خزانہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں نے اس کو جلا دیا تو اس کی پیش بینی کی یا انکار کیا تو میں نادانہ اور غیر تعلیم یافتہ سمجھا جاؤں گا۔ پورے عالم اسلام پر اس کو اچھالا گیا کہ مسلمان علم کی کیا سمجھ رکھتے ہیں کہ علم نے سلسلے آتے بڑھا کیں۔ وہ تو ایسے غیر روادار ایسے علم دشمن ہیں کہ اپنے خلیفہ عمر فاروق کے حکم سے کتب خانہ اسکندریہ کو آگ لگا دی اور کہا کہ اگر یہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔ یورپ کے عیسائی مصنفین نے یہ بات کہی اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تسلیم

کر لیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ تاریخی حقیقت ہے۔ برصغیر میں مولانا شبلی نعمانی پہلے مورخ تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور مستقل رسالہ لکھا اور ثابت کیا کہ یہ محض افسانہ اور قصہ کہانی ہے جس طرح تاریخی حقیقت ہوتی ہے، بعد میں چار اہل طریق نے تاریخی دلائل سے ثابت کر دیا کہ کتاب نہ تھی نہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت اور مسلمانوں کے داخلہ مصر سے پہلے جل چکا تھا اور یہ متعصب عیسائیوں کا گھڑا ہوا افسانہ تھا۔ اسی طریقہ سے تاریخ کے بہت سے جھوٹے واقعات پیدا کئے گئے اور جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کو متزلزل کرنے کی راہ پیدا کی اور غریب مسلمانوں نے تحقیق مشہور کر لیا کہ وہ ختم کر دیا گیا تھا، جلا دیا گیا تھا، تباہ کر دیا گیا تھا۔ ہے۔ اس کا جواب بھی مولانا شبلی نے دیا اور معتقدین کا منہ بند کر دیا۔

علم کسی منزل پر رکتا نہیں:

اب اسلام نے علمی، سیاسیات کی راہ سے، اقتصادیات کی روسے شروع ہونے تو اقوام عالم پر عظیم کے مسلمان فلاسفہ کے قلم چلے اور انہوں نے ان علوم کا ان نظریات کا علمی محاسبہ کیا جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ بھی کسی منزل پر جا کر رکتا نہیں اور اس میں برابر ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اس لئے کہ یہ وقف آخر ہے۔ یہ علم کی حیثیت و منصب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اب آپ حضرات کا فرض ہے کہ علم نباتات کے ذریعہ جو غلط نظریات آرہے ہیں اور جو علوم نے قرآن مجید کے حقائق کو ان کی تعلیمات سے متصادم پایا ہے آپ ان کا جائزہ لیں اور قرآن شریف سے ان چیزوں کی تائید کا ثبوت ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ "تو من کل شیء خلقنا زوجین" اور کہتا ہے کہ نباتات میں بھی ازدواج ہے، اس میں بھی نر اور مادہ ہے نباتات میں بھی ہوتا ہے، سمجھتے ہیں، سمجھنے علوم نہیں کہ قرآن سے پہلے بھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا یہ بات پہلی ہی ہوا اب آپ اس کی صحت ثابت کریں اور بتائیں کہ اس کتاب ہدایت میں اس نئی کائنات کا خزانہ ہے کہ نباتات سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ ہر چیز میں نر و مادہ ہوتے ہیں اور خاص طور سے نباتات کے متعلق تو سورۂ رعد کی ابتدا میں ایسی حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے، یہ حقیقتیں تو ایسی ہیں کہ ان پر مستقل ریسرچ کی ہونے اور میں سمجھتا ہوں اب آپ کی یہ مصداق بات کی پورے طور پر مستحق ہے کہ اس پر کام کرے اور وہ کام ہونا چاہئے

کے سامنے اور دنیا کے سامنے آئے۔

کاش یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا:

ڈاروِن نے نظریہ ارتقاء نے جس طرح سے لوگوں کے دماغوں کو الٹ پلٹ کیا ہے صرف یہ کہ بھی دنیا میں انقلاب پیدا کی بلکہ عام دنیا دانش بلا کر رکھ دیا۔ اس نظریہ کا پوسٹ مارٹم ہے وہ بہتر جانتے ہیں۔ اس کی ضرورت تھی کہ عالم اسلام میں اس نظریہ کا پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ اتفاق سے یورپ میں خود اس نظریہ کا کام ہوا اور اس نظریہ کا اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے شروع میں جو بہت بڑا سقم تھا اور غلط اندازے لگائے گئے تھے وہ بعد میں آنے والے دانشوروں نے خود یورپ کی تحقیق کی زبان میں بڑی جرأت سے اپنی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے ان باتوں کو رد کیا اور ان کی نشاندہی کر دی۔ آج ان نظریات میں وہ دم خم نہیں رہا۔ لوگوں نے دلوں میں تحقیق دبی شروع کر دی تھی۔ بظاہر نظریہ ارتقاء کو اصل مان کر منسوب سے آگے کی جو دلیل لے رہے تھے، لنکس اب بھی بظاہر یہ نظریہ یہی ہے وہ حقیقت نہیں رہی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں تھی لیکن یہ کام یورپ میں ہونا تھا کہ یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا، عراق میں ہوتا، ہندوستان میں ہوتا، تو ہمارے لئے بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔ ہماری کوشش کا میدان بہت بڑھ جاتا۔ انہوں نے تحقیق علوم پر اس نظریہ کے منفی اثرات کی بھی اس طرح نے میدان کی طرف کھلونے دی۔ اسی صدی کا ایک آدمی تھا ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس نظریہ کا اضافہ مرتا ہو سکے اور اپنے تحقیق کا اپنا مواد لیتا، اور ان اقوامی دلائل کا تحقیق کرتا۔

آپ نوبل پرائز حاصل کریں:

اگر یہ طے ہو جائے تو آپ یہ ٹیلیفون کی لیٹنے میں کوئی ایسا نظریہ پیش کریں کہ آپ نوبل پرائز کے مستحق قرار پائیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ کی محنت کی تحقیقی یا علمی دنیا میں نوبل پرائز کے تو مسلمان نوجوانوں کا حوصلہ کتنا بلند ہوگا، وہ کتنا فخر محسوس کریں گے۔ اس کا علماء سے تعلق رکھنے کے بعد دنیا اس وقت سعید کو محسوس ہوں جب میں کہ کسی اسلامی ملک میں سے کسی نے بیانات یا زراعت کے میدان میں ایسا کام کیا ہے کہ وہ نوبل پرائز کا

تحقیق علم اور آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس نئے مسلمان نوجوان کتنا خوش ہوتا ہے۔ یہ وہ خوشی ہے جس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی حکومت اس پر تنقید نہیں کر سکتی۔ میں نے یہ دیکھا ہے اور عرب ممالک کے نوجوانوں کو بھی یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب وہ اپنی تحقیقی کام میں مصروف ہوتے ہیں تو ان کی طرف دنیا کی نگاہیں اٹھ جاتی ہیں اور وہ جان جاتے کہ یہاں مسلمانوں میں بھی ایسی غیر معمولی ذہانت اور تخلیقی صلاحیت پائی جاتی ہے اور ان میں ایسے جینئس (GENIUS) پائے جاتے ہیں۔

مسلم اقوام کے دل کی زرخیز زمین:

آپ نے مسلم قوم کے دل کو دیکھا ہے۔ آپ اس زمین کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں۔ اس میں کیا کیا چیزیں پیدا کی جا سکتی ہیں اور اس کی پیداوار کس طرح زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد آپ کی توجہ زمین کی طرف ہوتی ہے۔ اس کی طرف جاتے ہیں۔ علم حیاتیات کی ترقی کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔ اب مسلم قوم کے دل کی زمین، مسلم قوم کے دل میں کیسے کیسے خزانے دفن ہیں، دل کی یہ زمین کن کن دولتوں، کن خزانوں اور ان طاقتوں سے مالا مال ہے۔ ان کو ابھارنا، ان کو کیسے استعمال میں لانا چاہیے۔ ہمارے سیاسی قائدین اور قومی رہنماؤں نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ دو قومیں ہمارے حصے میں آئی ہیں وہ قومیں جن کی ایمانی حرارت یعنی قربانی کی حالت کیا ہے، جذبہ کیا ہے، ہم خوشی یعنی سادگی کیسی ہے اپنے اندر رکھتی ہیں۔ یہ اس کے لئے ضرورت نہیں کہ یہ یونیورسٹی قائم کی جائے، ہوں ہی ان زمینوں میں مسلم اقوام کی ان صلاحیتوں کے متعلق تحقیق کرے اور ان کے ابھارنے کے ذرائع معلوم کرے اور پھر ان کو عملی دنیا (CULTIVATE) کرے۔ ان کی پرورش کرے۔ ان کی نشوونما کرے۔ اگر یہ ہو جائے تو دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا۔ آپ کسی تحقیق کے ذریعہ دنیا کے حالات و اخلاق میں انقلاب عظیم برپا نہیں کر سکتے، دنیا کو حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتے لیکن اس کام سے دنیا کے حالات و اخلاق میں انقلاب عظیم برپا کر سکتے ہیں۔ میں اقبال ہی کے الفاظ میں مخصوص نہیں ہوں۔ نہ صرف ایران سے بلکہ اس قسم کی بڑی عظیم بلکہ عالم اسلام سے کہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اور پھر اپنے دل کو تسلی دوں گا اور آپ کو مژدہ سناؤں گا کہ

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

زرخیز زمین میں مردم خیز خطہ:

خدا نے آپ کو پاکستان کی سرزمین دی، اس کی مٹی بھی زرخیز، اس کی تو بھی زرخیز، اس کا دماغ بھی زرخیز، اس کا دل بھی زرخیز۔

اسی طرح ایشیا کے سارے ممالک جہاں سے یہ طالب آتے ہیں زرخیز ہیں، یہی عراق کا علاقہ ہے، ابھی فرات کی وادی ہے، یہی سوات کا علاقہ ہے جو نہایت خوبصورت ہے، وہاں کی زمین کیسی زرخیز ہے لیکن مردم خیز بھی ہے۔ آپ نے یہ نتیجہ نہ نکالا کہ زرخیز ہے لیکن آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ مردم خیز بھی ہے، زرخیزی کا کام تو ہو رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ مردم خیزی کا کام ابھی شروع نہیں ہوا، ممکن ہے کہ کل ہم میں سے کوئی آپ ہی میں سے زراعت بن گئے، یہ عرب نوجوان ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی وزیر زراعت ہو جائے، یہ زمانہ انقلاب کا زمانہ ہے، جمہوریت کا دور ہے، اس لئے اس کا پورا امکان ہے کہ آج آپ یہاں فیصل آباد یونیورسٹی کے طالب علم ہیں لیکن کل آپ اپنے یہاں منسٹروں، لیڈروں، کسی سیاسی پارٹی کے رہنما بن جائیں یہ عین ممکن ہے، ہو سکتا ہے، تو میں آپ کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ آپ زمینوں کی زرخیزی اور مردم خیزی دونوں کی طرف توجہ دیں اور اپنے ہم وطنوں کو بتائیں کہ ان نے اس مسلم عرب اقوام کو جو باطنی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، یورپ و امریکہ کی قومیں ان سے محروم ہیں، مسلمانوں کے اندر جو سائنس کی ہے، جو اخلاص ہے، اس کا عشر عشال بھی ان امریکن یورپین اور ان غیر مسلم قوموں کو حاصل نہیں۔ آپ اس خصوص کا فائدہ اٹھائیں، مسلمان محسن سے اس خلوص سے ملتا ہے، ایمان کی کتنی بڑی طاقت اس کی اندر ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے نام پر وہ کیا کر سکتا ہے، اس طاقت کو بھی سمجھیں، اس کو بھی بڑھائیں، آپ کا ملک ایسا زرخیز، بلکہ ایسا مردم خیز،

زرخیز، انقلاب خیز اور نئی بہاروں کا پیغام دینے والا بن جائے گا کہ دنیا محو حیرت رہ جائے گی۔

ان الفاظ کے ساتھ اپنے ان داعیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہ مسرت و عزت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس جامعہ کو نیک نام بلکہ نامور اور باعث عزت و افتخار بنائے۔ نہ صرف اس ملک کے لئے بلکہ عالم اسلام کے لئے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یہ تقریر مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۸ء کو جناب پروفیسر ملک لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ کے کیمپ میں کی گئی۔ اس تقریر میں کیمپ میں موجود جناب نے مختلف مقامات کے طلبہ و طالبات اس کیمپ کے تربیت دار مسئول اور نگران سے موجود تھے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے:

میرے عزیز بھائیو! مجھے آپ کی اس مجلس میں آ کر وہ مسرت ہوئی جس کو کسی ایسی دعوت کے خادم سے یا مدرسہ کے ایسے استاد سے پوچھنا چاہیے جس کو نوجوانوں پر اور ملت کے نونہالوں پر اپنا خون جگر صرف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہو اور جو ایسے نوجوانوں کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہو جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

خدا کے گھر میں ایک جگہ پر اتنے نوجوان، جنہوں نے اپنے مالک کے ساتھ عہد کیا ہو اور جنہوں نے ارادہ کیا ہو کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے کام کریں گے اور صراط مستقیم پر چلتے رہیں گے۔

صراط مستقیم پل صراط ہے:

صراط مستقیم اصلاً تو صراط مستقیم ہے، لیکن کبھی پل صراط کی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز، خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ خدا نے ہم کو اس پل صراط کے لئے انتخاب کیا ہے اور اس راستہ سے وہ ہم کو انعام دینا چاہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب مصائب پر انعامات ملنے لگیں گے قیامت میں تو وہ جنہوں نے اسلام کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی

ہیں اور بڑی بڑی مشکلات سے گزرتے ہیں وہ تمام لوگ ان کی جاں فشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اس نے کہیں اس تمام محنت کا ذکر بھی کیا ہے جو اس نے امتحان میں پرچہ آؤٹ کرنے کے لئے کی تھی اور راتوں کی نیند حرام کی تھی۔ اب کہیں پرچہ آؤٹ کرتے ہوئے پکڑا گیا تو پتہ چلے گا کہ اس کو کتنی محنت کرنا پڑی تھی۔ اور اگر اس نے محنت

تمہارے پاس جو ہے اگر تعداد، سامان میں اضافہ کریں گے "ان تنصروا اللہ ینصرکم" اگر اللہ کی مدد کرنے کو تیار ہو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے خطاب کیا گیا "یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعھدی اوف بعھدکم" اے یعقوب کی اولاد میری نعمت کو یاد کرو اور میرے وہ عہد کو یاد کرو تمہارے عہد کو میں وفا کروں گا۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ شکایت کی گئی کہ پانی نہیں ہے، آپ اللہ سے دعا کر سکتے تھے اور پانی آسمان سے برس سکتا تھا، لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارے پاس جو پانی باقی ہے وہ پانی جب آتا ہے تو اس میں اکثر مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ پانی کم پڑ جاتا ہے، آپ نے عرض کیا گیا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کھانے کو ہے تو سہی کھجوریں، خشک روٹیاں اور جو کچھ ہو لے آؤ۔ لایا گیا تھوڑا سا ذخیرہ تھا، آپ ﷺ نے دعا کی ہاتھ اٹھایا اور وہ بڑھتا گیا اور سارے لشکر کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ کا رسول، اللہ کے رسول کی حیثیت سے بھی کر سکتا تھا کہ "وما انزل علینا مائدۃ من السماء" مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کی اس امت کو تکلف اور رسک نہیں کرنا تھا، اس امت والوں کی عادت اور عزم اور ارادہ کا مضبوط بنانا تھا اس لئے اس کی تعلیم دی گئی۔ یہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نہیں ہے، یہ عہد عمل کا ہے، جدوجہد اور کوشش کا ہے، اس لئے امت سے کہا گیا کہ تمہارے پاس جو ہے اس کو پیش کرو، پھر تم اس میں اضافہ کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے معجزات کو بھی اس طرح پیش کیا گیا ہے، آپ نے تین سو تیرہ آدمیوں کو لے کر میدان بدر میں کھڑا کر دیا، آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ پھونک مار دیتے، لشکر بھیج دیتے، لیکن آپ ﷺ نے عمل کرنے کے بعد بقیہ کا فاصلہ سترای میل کے قریب ہے، اس کو طے فرمایا، اس زمانہ کے طریقہ جنگ کے مطابق صفوں کی ترتیب کی، جیسے ایک لوہار کام کرتا ہے، یہ ہے سنت نبوی ﷺ۔

مسئلہ ربوبیت کا تھا:

میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انعم نجیئ" اونٹنی کے چند نوجوان تھے، حکومت وقت نے غذائی سامان اور معاشی وسائل پر قبضہ کر رکھا تھا، وہ غلہ دے تو لوگوں کو غلہ ملے، وہ لوگوں کو ملازمتیں دے تو لوگوں کو ملازمتیں ملیں، تو وہ حکومت کو ایک طرح

سے "استوی رب" بن آئی تھی۔ "اصوا مربھم" یعنی وہ اپنے حقیقی رب پر ایمان لا کے کہ ہمارا پالنے والا ہمیں غذا دینے والا، ہماری زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے والا ہمیں حیات دینے والا وہ ہوتی اور ہے، وہ ایک الملک ہے، وہ رب حقیقی ہے۔ جب انہوں نے یہ منزل طے کرلی تو "زدناھم ھدی" ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی معرفت ہے، ہدایت وہاں سے ملتی ہے۔ اپنی دماغی صلاحیت، اپنی ذہانت سے تجربوں سے، محض مطالعہ سے، کتب خانے بھی ذہنی وسعت نہیں دلا سکتی، ہدایت کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور بادشاہوں نے انداز خطاب کی طرح جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ "زدناھم ھدی" ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا تو وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے، اللہ کے سامنے سر جھکایا، اس سے مانگنا شروع کیا، اس کی معرفت پر محنت کی۔ اس کی سنت عالیہ اور اسمائے حسنیٰ کی معرفت و فہم حاصل کرنے میں انہوں نے غور و فکر سے کام لیا تھا تو ہم نے ان کی ہدایت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

نوجوانوں کا جذبۂ عمل:

اب مشکلات کا سامنا پڑا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب عیسائیت نئی نئی جزیرہ نمائے سینا اور اپنے اصل مرکز روم سے نکل کر روم پہنچی تو وہاں کی قسم کی بت پرست حکومت تھی، جب یہ دین وہاں پہنچا تو ان کی تبلیغ سے نوجوان بھی متاثر ہوئے، تاریخ کے بہت سے اوراق میں ایسا نظر آتا ہے کہ نوجوان پہلے متاثر ہوئے ہیں، اس لئے کہ زیادہ فکر رکھنے والے معمر لوگوں کے ساتھ بہت سے وزن بندھے ہوتے ہیں، جیسے تیرنے کے لئے آپ دریا میں جاتے ہیں، جتنے بھی ہوں کے، اتنی ہی آسانی سے تیر لیں گے لیکن اگر کسی کے ساتھ بوجھل پتھر بندھے ہوں، کچھ سامان بھی اس کے ساتھ ہو تو اس کے لئے دریا کو پار کرنا مشکل ہوگا۔ جو جتنا ہلکا ہوتا ہے وہ اتنی ہی جلدی منزل طے کرتا ہے:

سبک سار مردم سبک تر روند

خاندان، روایات، بادشاہ اور حکمرانوں سے تعلقات اور رسم و رواج کے پتھر معمر لوگوں کی راہ میں جیسے حائل ہوتے ہیں، نوجوانوں کے راستے میں حائل نہیں ہوتے، رکاوٹ نہیں بنتے،

یا ان کی عمر میں جوش کی امنگیں نئے حوصلے تھے ایک آواز ان سے دین حق کی سنی تھی قرآن مجید میں سورہ کہف میں آپ نے پڑھا ہوگا اذ اوی الفتیۃ الی الکہف فقالوا ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔ یہ وہ نوجوان تھے جنہوں نے اپنے رب پر ایمان لایا تھا ہم یہاں ان کے نام نہیں لیتے ان کے بارے میں دو رائیں ہیں ایک رائے یہ ہے کہ یہ شاہی خاندان کے لوگ تھے ان کے باپ دادا بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے ان کے باپ دادا کی بڑی جائیدادیں تھیں بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں بڑی بڑی کاریں تھیں ان کے پاس بڑی دولت تھی ان کے باپ دادا کی بڑی عزت تھی ان کے باپ دادا کی بڑی شان تھی ان کے باپ دادا کی بڑی حکومت تھی ان کے باپ دادا کی بڑی سلطنت تھی ان کے باپ دادا کی بڑی ریاست تھی ان کے باپ دادا کی بڑی ریاست تھی ان کے باپ دادا کی بڑی ریاست

وقت اندرونی مدد کی ضرورت تھی۔

تین باتیں:

میرے عزیز بھائیو! یہ میں نے آپ کے سامنے سورۂ بقرہ کی آیتیں پڑھی ہیں، اس کی تشریح کی ہے، اس میں ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ پہلے ایمان مستحکم ہونا چاہیے، ہمت ہمیشہ کے ساتھ قوت کے ساتھ ہمارا ایمان اللہ پر، اس کی صفات پر مستحکم ہونا چاہیے، اگر ہم طالب علم ہیں تو علمی انداز کے ساتھ، اور اگر ہم عوامی مسلمان ہیں تو بھی پوری صداقت کے ساتھ ہمارا ایمان خدا پر قائم ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "اولئک علی ھدی" ان کو ہدایت سے ہمارا تعلق ہونا چاہیے جہاں سے ہدایت کا فیضان ہوتا ہے۔ کتاب وسنت کے مطالعہ، اسوۂ رسول اور صحابہ و تابعین اسلام کے حالات سے بھی طاقت حاصل کرنا چاہیے۔ جس طرح کہ بجلی چارج کی جاتی ہے، بجلی جب ختم ہو جاتی ہیں تو بدلے جاتے ہیں، ہم اور آپ اس دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، ایسے اساتذہ سے بھی پڑھتے ہیں جن کو خود بھی پورے طور پر ان دینی حقائق پر یقین حاصل نہیں ہوتا، ہمارا دور ایسی چیزوں سے بھرا ہوا ہے کہ قدم قدم پر ہم کو خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ملتی ہیں اور ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہر چیز خود فراموشی اور خدا فراموشی پیدا کرنے والی ہے، ٹیلی ویژن کو دیکھیے، ریڈیو سنیے، اخبارات پڑھیے، حتیٰ کہ خالص ادب، جس کو پاک، معصوم اور غیر جانبدار ہونا چاہیے، وہ بھی غیر جانبدار نہیں، بلکہ وہ فسق کا ایجنٹ بنا دیا ہے اور بہت ہی سستا ایجنٹ بالعمل اقدار کا، ہمارا ادب اس وقت مشاہدہ بنا ہوا ہے معصیت اور سفلی جذبات اور فسق اخلاق کا۔ یہ ساری چیزیں جو ہمارے چاروں طرف دریا کی طرح موجزن ہیں اور دریا میں ہم کو ڈال دیا گیا ہے، ہمارے حالات نے، ہمارے نظام تعلیم نے ہم کو اس دریا کے حوالے کر دیا ہے، بجز اس کا کہنا یہ ہے کہ:

"دامن تر کن ہشیار باش"

خبردار رہنا، دامن تر ہونے پائے، تو دامن بچانے کے لئے ضرورت ہے کہ "اولئک علی ھدی" پر غور کریں، ایمان کا چراغ روشن کریں اور جرأت و ہمت پیدا کریں۔ جس کے ذریعہ ہم ان

مسئلہ مادیت کا مقابلہ:

ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے۔ روزے سے پیدا ہوتی ہے، طہارت سے پیدا ہوتی ہے، وضو سے پیدا ہوتی ہے، ہمارے نماز پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس کی مادیت کا مقابلہ کرنے کی طاقت کیسے پیدا ہوتی ہے، اپنے بچوں کو اپنے بچپن میں اسکے لئے تیار کرنا ہے، اس لئے کہ بچپن آتی ہے جانے والی ہے، کون جانے بڑا ہونے کے بعد ان کے دل اللہ کی محبت سے بھر جائیں، مادیت کا مقابلہ کرنے کی طاقت ان کے اندر پیدا ہو جائے۔ اس لئے اپنے ضابطہ عمل سے ہمیں کرنا ہے کہ ان کے اندر یہ روحانی طاقت پیدا ہو جائے۔ اللہ کی محبت ان کے اندر پیدا ہو جائے۔ اللہ کے ساتھ یہ تعلق پیدا ہو جائے۔ اللہ کو ایک بار دیکھ لیں تو پھر اس کی زندگی کا انداز کیا ہوتا ہے۔

وہ کچھ اور ہی زمیں اور ہے کچھ اور ہی آسماں
اہل نظر سمجھتے ہیں عشق کا آسماں اور

اللہ کی محبت کا پیمانہ کیا ہے؟ اللہ کا قرب کیا ہے؟ اللہ کی محبت کیا ہے؟ آنکھیں تو ہمارے پاس بھی ہیں، یہ آنکھ جب اللہ کی محبت سے بھر جاتی ہے تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ کے اندر کی طاقت کی خاصیت ہے کہ آپ کے اندر وہ طاقت ہو خدا کے نام سے محبت ہو، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو، قرآن کی آیتوں سے محبت ہو، اس کی نظر سے دیکھنے کی عادت ہو، سب نظریں ہوتی ہیں لیکن اپنی نظروں کو آپ کیسے ان پر مرکوز کریں، ان کے اندر کیسے تبدیلی پیدا کریں، یہ تبدیلی تو ہمیں ہے، اسی کو قرآن نے کہا تو تم ہو جس نے خلق عظیم کو حاصل کیا۔ اپنی نگاہوں کو معطوف کرنا، محبت کی روشنی اور تابانی ہو، اس سے آپ کے حصے میں آئے، اس میں اللہ کی کے تقاضے پورے کرنے اور

اسلام کے بعض دشمن اور بعض نادان دوست کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو جو کچھ دیا تھا آپ کو بھی وہی ملنا چاہئے، اس سے زیادہ آپ کو کچھ نہیں ملنا چاہئے، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسلام کے ہاتھ میں رہنمائی

یہ ہوائی قلعہ نہیں ہے، بات یہ ہے کہ نوجوانوں میں سے ایک تحریک چلانی ہے، یہ بات عمل انتظار نہیں ہے، اس وقت اور ہمیں آپ کو **کچھ باتوں کو کرنا چاہئے**، میں نے دیکھا ہے، میں نے دیکھا ہے، شام میں دیکھا کہ نوجوانوں میں خلاص تھا، ہے یہ اس کے علم اور وہ تھے، اور ایسے عمل کرنے والے تھے، طلب میں تھا اسی جذبہ سے، وہ انسان کی بات ہے کہ ہمت ہی نہ ہو، ہمت ہی نہ ہو، کاموں کے طلب میں نہیں ہے، شام میں، انسان وہاں پر ایسی جگہ ہو، جہاں پر ہو، ایسی جگہ ہو، جہاں پر ہو، خدا جانے کہاں سے یہ ہمت آ جاتی ہے، کہ اسلام کی عزت اور اس کے لئے وہ اپنی جان کی قربانی پر آمادہ کرتی ہیں، انہوں نے اصرار کیا کہ ہم عمل پر اسے کے ساتھ پر نہیں کرنے، اگر آپ کو منظور ہو تو ہم داخل نہیں کرنے، وہ نہ داخل نہیں کریں گے، یہ اخلاقی بات نہیں ہے، پاکستان کے مخصوص حالات نے نوجوانوں میں ایک نیا دلائل پیدا کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو ابھی منظور ہے اور اس پر سے پیچھے ہٹنی اور خاتمہ کا منظور نہیں ہے، وہ نوجوانوں کے نوجوانوں میں ایک نئی تحریک، ایک نیا جذبہ، ایک نیا جوش کہاں سے آتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمان نوجوان رہنے آئیں اور زمام کاران کے ہاتھ میں رہے، تو **ایھم فلہ اصنوا مربھم** کے مصداق ہیں۔

اپنے محدود فہم کی روشنی میں چند اور باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ سیرت سازی کی کوشش کریں، اس کے لئے کام کرنے چاہئیں، ہماری دینی دعوتوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ سیرت کی تعمیر نہیں ہوتی اور نوجوان اگلے مرحلہ پر جا کر پست ہو جاتے ہیں، سیرت کی تعمیر کتاب و سنت، اسوۂ رسول ﷺ کے مطالعہ سے ہوتی ہے پھر اس کے ثبات میں لغزش نہیں آتی۔

اپنی فکر کیجئے:

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی فکر کیجئے، اس زمانہ کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ دوسروں کی فکر زیادہ

منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے:

تیسری بات یہ کہ منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے۔ اگر سب سے زیادہ اہم چیز میں آپ کا مزاج یا دماغ ہو جائے کہ ہر چیز کو آپ کے مخالف ہی دیکھیں، ہر طرف سے یہاں آپ پر اعتراض ہی ان کے پیش نظر ہو، آپ کچھ بھی کریں وہ کوئی نہ کوئی اعتراض ہی ان نے پا لیں، ہر معاملہ میں ان کی طرف سے آپ پر حملہ ہی ہو رہا ہو، آپ کا ہر قدم ان کی نظر میں غلط ہی پڑ رہا ہو، آپ کے ہر کام میں ان کو کوئی نہ کوئی خرابی ہی نظر آ رہی ہو، آپ کے ہر کام کی تعریف کرنے والے ان کو بہت کم ملیں، اور آپ کی مخالفت کرنے والے بہت زیادہ ملیں

اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہرِ ذاتی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امّا بعد

فراغت کا غلط تخیل

لیکن ویسے وقت پر جب کہ آپ فارغ ہوتے ہیں اور اپنے کو اس سے مامور سمجھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ اور اطمینان دلاتا ہے کہ اس کی تعمیل ہی چاہئے کی اس وقت آپ کے اور اس سے فارغ ہوتے لیکن اس موقعہ پر جو اہم بات آپ سے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اس کا مفہوم یہ سمجھ لیا کہ ہم تعلیم سے فارغ ہو گئے اب ہمیں تعلیم و تربیت کی مزید ضرورت نہیں تو یاد رکھئے جناب کے ارتقاء کے میں یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ نے کچھ بھی نہیں سیکھا اور آپ کا اندازہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام ہے اور آپ بالکل ناکام ہیں لیکن جیسا مجھے یقین ہے کہ آپ نے فارغ ہونے کا یہ مفہوم نہیں سمجھا ہے فارغ ہونے کا مفہوم آپ نے یہ سمجھا ہے کہ آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ اپنے کو تمام دنیا سے برتر سمجھیں اور جب یہ ہو گیا تو اس سے استفادہ کا نہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ کو اب علم کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو زیادہ صحیح ہوگا آپ اس کنجی کے ذریعہ سے قفل کھول سکتے ہیں اور علم کے خزانے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں تو آپ اس کنجی کو بیکار ہی استعمال کریں اس قدر وہ بیکار چلی جائے گی۔

یہ تصاب کی ایک خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ تصاب اپنے فارغ شدہ طلباء کے اندر اس احساس کو پیدا کرے کہ ہمیں تکمیل کا اعتراف۔ ثانیہ یہ لفظ بعض لوگوں کو ناموں معلوم ہوں شاید مجھے اس لفظ پر اصرار ہے۔ جتنے اوقات بھی سے تعبیر کرتے ہیں، آپ کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا ہے تو آپ کامیاب اور فائز مراد ہیں ورنہ میں آپ سے اس کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اس کے بعد اس مختصر وقت میں اپنے ہونے والے بھائیوں سے میں صرف تین باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اخلاص

پہلی چیز اخلاص ہے آپ کی زندگی سے بڑے سے بڑے کام یا جس کا نام آپ دنیا میں روشن کرتے ہیں اگر آپ اس کی زندگی و مطالعہ کریں گے تو اس کی زندگی کی تہہ میں اخلاص کو ایک اہم عامل پائیں گے آپ دیکھیں گے کہ اس کی ہر چیز و اخلاص سے رہا بخش ہے آپ ان اصلاحی کو کچھ دیکھئے جس کے ذریعہ ہندوستان کا کایہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام عالم میں

چل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اپنی بھلائی کا جذبہ نہیں ہے۔ اگر ان کے دلوں میں اپنی بھلائی کا جذبہ ہوتا تو وہ ان کے حاضرین کی بات سے اپنے اشکال کے جواب کو سن کر بات واضح ہو جاتی۔ اور وہ اس کو قبول کر لیتے۔ اس کے بعد وہ اپنے اشکال کو پیش کرتے۔ اس بات سے ان کا مقصد ان کو زندہ کرنا ہوتا۔ اگر ان کا مقصد ان کو زندہ کرنا ہوتا تو وہ اپنے اشکال کو پیش کرتے۔ اس کے بعد

ہے تو وہ بات بھی ہو جاتے گا۔ اس لئے کہ اگر کسی کی نیت یا ارادہ اس کے پاس ہوگی، اس کا اثر ہوا اور اپنے مخالف پر ہے گا۔ پھر تمام خوبیوں کا اثر آپ نے یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں تو آپ سے لئے عالمین کا زمانہ بھی عالمین کا زمان اور عالمین کا زمانہ بھی عالمین کا زمان ہے۔ اس لئے یہ ہے کہ آج کی مخلوق سے زیادہ آپ کے زمانہ کی مخلوق ہے۔ اس لئے کہ آج کی مخلوق ہے یہ صفات نہیں ہے۔ زمانے میں وہ چیز نہیں ہوتی ہے اگر کسی زمانہ میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز ہے کوئی چیز ہو کسی نہ کسی زمانہ میں ہوا ہے وہ جس فارم زمانہ کی وہ چیز ہے اس زمانہ کے اعتبار سے ہوا ہے تو اس لئے

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں

[illegible]

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

فاضل علماء کرام اور اساتذہ مدارس وجامعات!

قبل اس کے کہ آپ حضرات سے کوئی تخصیصی اور تعیینی بات کہوں، ایک اصولی اور اساسی بات کرنا چاہتا ہوں۔

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں

اس وقت علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ اسلام کی دعوت و کوشش کے ساتھ عالی طبقہ کے دو لوگ جو دین اور اسلام کا بڑا فکر کیے جاتے ہیں اور جو دین کا بڑا علم رکھتے ہیں تو ان میں تعلیمی گہرائی اور پختگی ہوتی ہے اور اس کے بارے میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ کسی غلط راستے پر نہیں پڑ سکتے۔ اس تحریک میں جذباتیت کہیں نہ کہیں اس میں سرایت کر جاتی ہے اور تعدل اور توازن نہیں رہ پاتا۔ اس وقت عالم اسلام میں علماء کی اور دینی خدمتوں اور کارکنوں کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ یہ ذمہ داری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لیکن اس زمانے میں یہ ذمہ داری بہت عظیم بن گئی ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کریں اور تحریک، محبت و جذبہ اور جذبات سے بچائیں کہ اس کے تعلق سے غلط اور برا تاثر قائم ہونے نہ دیں کہ اس کا ذمہ دار نہ صرف ہے بلکہ اس سے متعلق یہ تاثر دیں کہ اس کی ذمہ داری اور علم و دین کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

مسلم حکومتوں میں علماء کا کردار

خلافت کی اپنی خصوصیات ہیں جو دوسری حکومتوں سے مختلف ہیں۔ اسلام نے خلیفہ کے لیے مرتب احکام قانون کی شکل میں مہیا کیے ہیں۔

تاریخ میں ان لوگوں کی خدمات واضح طور پر نظر آتی ہیں جنہوں نے قانون کی تدوین کی۔ ان میں سے بعض نے قانون کی تشریح کی اور بعض نے قانون کو نافذ کیا۔ ان میں سے بعض نے قانون کی تشریح کی اور بعض نے قانون کو نافذ کیا۔ ان میں سے بعض نے قانون کی تشریح کی اور بعض نے قانون کو نافذ کیا۔

مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح

مثال کے طور پر مغلوں کے حملے کے وقت مسلمانوں نے اسلام کو اپنا لیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ آپ اس زمانے کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ مسلمان کی واحد امید کی کرن تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔

زندگی میں ان تھا اور کوئی اقوام دنیا کے اخلاق میں اس کا مثل نہیں تھا۔ تمام وحشی اقوام میں بھیجے گئے تھے۔ وہ سے تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی تعلیم نہیں تھی۔ کوئی تعلیم یا قانون نہیں تھا۔ یہ وہ ایمان تھا جو ان کے دلوں میں تھا اور انہوں نے خود بڑی مصیبتیں اٹھا کر اس کو ان تک پہنچایا تھا۔ جب ان کے دلوں پر یہ حقیقت کھلی تو ان کی حیرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے کہ ہم نے تو اپنا دین یہاں سے نہیں لیا تھا۔ یہ تو ہمارے پاس کبھی نہیں آیا۔ یہ تو مسلمان ہیں جو ہمارے پاس آئے تھے۔ ان سے ہی ہم نے سنا تھا۔ ان کے پاس تو کوئی تعلیم نہیں تھی۔ ایسے وحشی اقوام کو بھی خیر وحسنہ اور آئین سازی کا گُر یہ سکھانے والے مسلمان ہی تھے۔ کاریگروں کو ان کی ضرورت پیش آئی۔ فلسفہ تاریخ کا یہ ایک اصول ہے کہ جس وقت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے پیچھے ایمان نہ ہو۔ آئین سازی کی حالت نہ ہو اور کوئی منظم اور مضبوط نہ ہو۔

یہ دین جہالت سے نہیں بلکہ علم سے پیدا ہوا ہے:

جو یہ میں عالم اسلام کے علماء، پروفیسر صاحبان اور ہمارے قانون دان اور ہمارے ادیب وہ اشرافیہ طبقہ کی ایک ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ یہ دین جہالت کے بطن سے اور فولادی طاقت سے نہیں پیدا ہوا ہے۔ محبت سے پیدا ہوا ہے۔ اللہ کی رحمت کی بدولت سے پیدا ہوا ہے۔ وحی سے پیدا ہوا ہے۔ یہ زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، یہ تمدن کو راستی دکھا سکتا ہے۔ اس کی نگرانی کر سکتا ہے کہ یہ تمدنی بے راہ نہ ہونے پائے، فساد نہ ہونے پائے، تعمیری راستہ اختیار کرنے پائے۔ یہ تو علماء دین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری ہے اور یہ بڑی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی دین یا کسی قوم کے متعلق یہ خیال قائم ہو جائے کہ اس کا علم کے سر تھ کوئی جوڑ نہیں ہے بلکہ علم سے اس کو نقصان پہنچتا ہے اور جہالت سے اس کو فائدہ تو خواہ تھوڑے عرصے کے لئے اپنے زور شمشیر، اپنے بازو سے وہ دعوت یا جماعت یا قوم دنیا کے کسی حصے پر قبضہ کر لے لیکن دلوں پر اس کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ آپ یہی خیال کریں کہ اس کو زندہ رہنے کے لئے جہالت کی تاریکی چاہئے۔ جب تک وہ تاریکی ہے تب تک وہ زندہ رہے گا اور جب علم آئے گا وہ غائب ہو جائے گا۔ اس کا پردہ چاک ہو جائے گا اور جس طرح

ہدایت مستقل شریعت نہیں رہتی تھی

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہدایت اور شریعت میں فرق ہے۔ ہدایت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص وقت میں کسی خاص قوم کی اصلاح کی جائے۔ اس لیے ہدایت کا ہر حکم اور ہر ہدایت اپنے اندر ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مستقل قانون بنا دیا جائے جو ہمیشہ کے لیے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو۔ اس لیے شریعت کے احکام میں عموماً ایسی باتیں نہیں بیان کی جاتیں جو کسی خاص وقت یا خاص قوم کے لیے مخصوص ہوں۔ بلکہ ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے یکساں مفید ہوں۔ اس کے برعکس ہدایت میں عموماً ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو کسی خاص وقت اور خاص قوم کے لیے مفید ہوں۔ اس لیے ہدایت کا ہر حکم اور ہر ہدایت اپنے اندر ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مستقل قانون بنا دیا جائے جو ہمیشہ کے لیے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو۔ اس لیے شریعت کے احکام میں عموماً ایسی باتیں نہیں بیان کی جاتیں جو کسی خاص وقت یا خاص قوم کے لیے مخصوص ہوں۔ بلکہ ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے یکساں مفید ہوں۔ اس لیے ہدایت کا ہر حکم اور ہر ہدایت اپنے اندر ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مستقل قانون بنا دیا جائے جو ہمیشہ کے لیے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو۔ اس لیے شریعت کے احکام میں عموماً ایسی باتیں نہیں بیان کی جاتیں جو کسی خاص وقت یا خاص قوم کے لیے مخصوص ہوں۔ بلکہ ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے یکساں مفید ہوں۔ اس لیے ہدایت کا ہر حکم اور ہر ہدایت اپنے اندر ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لیے ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شریعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک مستقل قانون بنا دیا جائے جو ہمیشہ کے لیے ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو۔ اس لیے شریعت کے احکام میں عموماً ایسی باتیں نہیں بیان کی جاتیں جو کسی خاص وقت یا خاص قوم کے لیے مخصوص ہوں۔ بلکہ ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے یکساں مفید ہوں۔

زندگی کو آئین سازی کو کھلی چھوٹ دے دی، دوسرا طبقہ سائنس کا تھا، انہوں نے مخالفت شروع کر دی اور کہا کہ ترقی ضروری نہیں ہے، بلکہ ترقی زندگی سے فرار میں ہے، کلیساؤں میں جانے میں، جنگلوں میں چھپ جانے میں، شادی نہ کرنے میں، ازدواجی زندگی سے منہ موڑ لینے میں، عورت کے سایہ سے بھاگنے میں ہے، اور اس میں روحانیت کا بھید ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طبقوں نے عیسائیت کو فاکدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچایا، جو عالم طبقہ تھا اس نے آزادی کے ساتھ اپنے تمدن کا اچھا خاصا بنانا شروع کیا، لوگوں کو تعلیم دینا شروع کیا جو مسیحیت کی تعلیم کے خلاف تھا، اس نے مسیحیت کو بدنام کیا، سینٹ پال کے زمانہ سے یہ عمل شروع ہوا اور پندرہویں چوتھی صدی عیسوی تک آتے آتے جاری ہے، یورپ اسی راستے پر گامزن ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے کلیسا سے رشتہ توڑ لیا، علیحدہ ہو گئے، ریاست میں ہمیشہ کے لئے جدائی ہو گئی اور عیسائیت سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ ہو گئی۔

اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

یہ غلطی عالم اسلام میں الحمدللہ نہیں ہونے پائی، اس لئے کہ شروع سے اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ تھا، میں نے گرانپی یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس کی پہلی وحی "اقرأ" کے لفظ سے شروع ہوئی ہو اور جس کی پہلی وحی میں قلم کو فراموش نہ کیا گیا ہو وہ علم اور قلم کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اسلام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دین و علم میں کبھی بھی دوری ہوئی، اس لئے کہ اسلام اور علم کا شروع سے ساتھ رہا ہے، جب بدر کے قریشی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کئی ایسے تھے کہ روپیہ دے کر اپنی رہائی نہیں حاصل کر سکتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ہر شخص انصاریوں اور مہاجرین کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔

اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہنما ہے:

اس وقت عالم اسلام میں جو سب سے بڑی امید واری یہ تھی کہ یہ تازہ نوجوان طبقہ میں نہ آنے پائے کہ اسلام محض طاقت اور حکومت کے بل پر قائم رہ سکتا ہے، وہ زمانہ کی تبدیلیوں اور علوم و فنون کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا، وہ اس زمانہ میں چلنے والی چیز نہیں، وہ ابتدائی سادہ اور محدود زمانہ کا ساتھ دے سکتا تھا، جب انسانیت عہد طفولیت میں تھی لیکن اس

کر رہا تھا کہ ایک خرد وہ میں گئے تھے، وہاں ہمارے پڑوں میں بچھا نے پڑ گئے تھے، ہم نے
بچوں سے پوچھا ہے، ان کے ہوتے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے
ہوئے ہوئے ہوئے ہوئ

تو کبھی دیر ہو تو کبھی اس وقت لڑائی کسی غلط خیال کی نہیں ہے، اس وقت لڑائی وہ ہے اور غیر اسلامی ہے اس طرح سمجھئے کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے اس میں ہر شخص شریک ہو جائے سب اجر میں شریک ہوں گے اس میں یہ کس کا نقشہ ہے اور کس کا نہیں ہے اور اس کا ہو یہ ہو، کس نے یہ کیوں ہوا چاہئے اس جگہ ہونا چاہئے جہاں تک ہو سکے مخلصانہ کوشش کرنا چاہئے اپنے اپنے مسلک پر پورے طور پر قائم رہتے ہوئے ہم تو ان کو مخلص سمجھتے ہیں، ان کو اخلاص سمجھتا ہوں اس سے بحث کی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے کسی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اب اگر ہوتے ہوئے ہماری کاوشوں اور ہماری زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیں اس ملک میں اسلامی زندگی پیدا ہو اور وہ آنکھوں سے نکلتی جا رہی ہے اور یہ ملک دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔

ایثار و قربانی:

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں، ہماری زندگی بھی سادہ ہو ولی ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہو سکے، اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا سب سے خطرناک بات آپس کی نزاع ہے، ہماری آپس کی دینی مباحث کا میدان اور ہے، اس کے نمٹنے کا موقع اور ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اکبر اس لئے دین سے نکلا، جس اس نے علماء کو مرغوں کی طرح لڑتے دیکھا اگر کوئی مسئلہ سمجھ نہ آتا تو ان میں آپس میں اتنی تیز بحث ہوتی اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا اس طرح فضا بنانے کی کوشش کرتا جیسا کہ پہلے دیانا لے اور جاہ طلب کرتے ہیں، اس نے سوچا کہ یہ کیسے لوگ ہیں یہ ہمارے وزراء، ارکان سلطنت اور خاص خاص دوست بھی اس طرح لڑتے ہیں جب حضرت مجدد صاحبؒ کو یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ کا ارادہ ہے کہ وہ چند علماء کو اپنے دربار میں مشورہ کرنے کے لئے رکھے تو انہوں نے نواب سید فرید کو لکھا کہ تم خود جاؤ، دوش کو دو، وہ مخلص اور متقی عالم تھے ایک آدمی اور کہ دیا، یہ مجدد صاحب کی فراست ایمانی تھی انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا، میں نہیں کہتا کہ یہ موقع اور محل میں صرف ٹیک ہی ہو رہے لیکن میں کہتا ہوں کہ مجدد نے آپس کے کرامات اور بحث اور نفی کرنے سے دوسرے دوسرے کی تذلیل کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

خطرے کے ظہور کرنے کا بہرحال ہر شخص کو حق ہے، ایک بچہ بھی خطرہ کا اظہار کر سکتا

ہے۔ یہ ہے وہ خلاصہ جو میں آپ سے عرض کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ تین چیزیں آپ سے کہتا ہوں۔ اب آپ چاہے قبول کریں یا نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ وقت اور اس کی تقریبات میں سے اصول اور قانون جو خیر ہے وہ مادہ و قدرت کے ساتھ کیوں نہ نکلا ہو وجود و عمل میں لائیں۔ یہ خیال رہے کہ فطرت کے ہر ایک ذرہ میں ہمیں کچھ نہ کچھ ملتا ہے اور یہی بات ہے کہ آپ عمل سے ہمیشہ ہر روز اس پر جو مخلوقات میں چیز ہے تو ہمیں کہ آپ کی تمنا جلد سے جلد پوری ہو۔ آپ کی زندگی میں سادگی نظر آئے۔ وہ یہ ہیں کہ آپ تھوڑی چیزوں پر قناعت کرتے ہیں یہ نہیں کہ آپ چیزیں کہ آپ کی بڑی بڑی خواہشیں ہوں اور بڑی بڑی امیدیں اور بڑے بڑے کام ہوں اور بڑی بڑی دولتیں اور بڑی بڑی توقعات اور واقعی ہر شخص ہیں وہ تو بھی ہر شخص ہوں۔ ہماری یہ کمزوری ہے وہ تو ہے جس نے ہمیں ہمارے ہوش سے صاف صاف میں یہ کہوں کہ ولی ہر ہے تمنا نہ ہو تو زیادہ کامیاب ہے۔ اس لئے کہ یہ بچہ اپنی نے کے سامنے اٹھاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اولی بالکل ہر یہ تمنا نہ ہے۔ میں ان کی تکمیل نہیں دیتا لیکن یہ بچہ سے یہ بچہ اس کے سامنے آ۔ اس کے اور تمنا ہے اس کے سب سے بڑا ہے یہ بچہ ہے۔ اس کے ہوا کے سامنے وقت کے اٹھتے ہیں اس لئے کہ یہ بچہ کا بندہ ہے کبھی کسی کی سفارش نہ کرتا ہے اور نہ کسی دربار میں آتا ہے۔ یہ بچہ اقدار کرتا ہے۔ آپ کے بچے مشورہ دیتا ہے۔ ہمارے قاضی نے کہیں کیا بھی پڑھ ہوں کے قریب نہیں نے کلرک سے کلرکی کرتے کرتے حکومت کو اچھے آدمی دیتے رہے وہ کرتے رہے۔ ان کے کان میں مشورہ دیتے رہے۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ آگ تو دوسرے تاپ تب تو ٹھیک ہے اگر ہاتھ ڈال دے تو جل جائے۔

یہ چند باتیں ہیں جو میں نے مختلف موقعوں پر عرض کی ہیں۔ سب کا حاصل یہی ہے کہ اس وقت ہمارا قانون [illegible] اسلام کا قانون ہے۔ ہمیں اپنی علمیت کا ثبوت دینا پڑے۔ کہیں ہماری علمیت کی کمی سے اسلام کو نقصان نہ پہنچے۔ کوئی یہ نہ کہے اور غلط کہے کہ ہمارا عدم علمیت سے یہ ہوا۔ میں اپنی پوری قوتیں امت محمدیہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کر دوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام اور علم کا دائمی رشتہ

[illegible]

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد فقد قال اللہ تعالی فی کتابہ الکریم ولولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون

مریضہ اوّلیں ملاقات کے بعد ہی سے ہمارے کالج کی طالبات کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی تھی کہ آپ ان کے سامنے کچھ ارشاد فرمائیں۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے ہم نے کئی بار آپ سے درخواست کی لیکن آپ کی مصروفیات کی وجہ سے ہر بار آپ کی طرف سے معذرت ہی ہوتی رہی۔ اب آپ نے ہماری درخواست کو قبول فرما کر ہمیں جو موقع عطا فرمایا ہے اس پر ہم آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

میرے عزیز دوستو! جیسا کہ آپ نے سنا ہے میرا موضوع "اسلام اور علم کا دائمی رشتہ" ہے۔ اس موضوع کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں تعلیم کے بارے میں بڑی بحثیں ہو رہی ہیں۔ اور کبھی کبھی ان بحثوں کے نتیجہ میں ایسی تجاویز بھی سامنے آتی ہیں جن کا مقصد اسلام اور علم کے رشتہ کو کمزور کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس موضوع پر کچھ عرض کیا جائے تاکہ اس کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

اسلام اور علم کا رابطہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا علم سے جو رشتہ ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اسلام علم کے لئے کوئی حد مقرر نہ کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ علم بھی اللہ کے لئے ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اتنا علم حاصل کر لیا ہے اب مجھے مزید علم کی ضرورت نہیں ہے۔ علم کی ہر شاخ اور ہر جہت میں ترقی کی ضرورت ہے اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت رہی ہے۔ اسلام کی اس تعلیم کی آگاہی پچھلے لوگوں کے لئے بھی ضروری تھی اور آج بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو آیتیں نازل فرمائی ہیں ان میں سے ہر آیت میں علم کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی وحی میں جو پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں ان میں بھی علم ہی کا ذکر ہے۔

ع ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ

اس وقت ہمارا آپ کا موضوع ہے کہ اسلام میں علم کے کیا درجات ہیں اس کی مثال یہ لے لیں کہ آپ پنسل کو پانی سے نکال دیجئے تو اس کا وہ لکھنا لکھنا ہے اور وہ مر جاتی ہے تو وہی طریقے سے اسلام کے لئے ضروری ہے اللہ کی صحیح معرفت ہو اس کی ذات و صفات کی صحیح معرفت ہو اس کا بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے، بندوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے، زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیا ہے؟ کہاں جانا ہے؟ یہ انسان کہاں سے آیا کیوں آیا، جہاں اس کو جانا ہے وہاں کیا ہوگا، ان سب کا علم ہونا ضروری ہے، اسی لئے اسلام علم کو چاہتا ہے وہ علم ضروری قرار دیتا ہے۔

پہلی وحی میں علم و قلم کا تذکرہ

پہلی وحی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی اور پینتالیس برس کے بعد آسمان و زمین کا پہلی مرتبہ جو رشتہ قائم ہوتا ہے زمین کیلئے کچھ لینے کیلئے اور آسمان کیلئے کچھ دینے کیلئے برسوں کے بعد وہ پیغمبر سے ملتے ہیں، ایک دوسرے کو کیا ان فضاؤں اور ہواؤں میں دکھائیں، بتاتے ہیں لیکن اس وقت جو یہ پیغمبر سے ہوئے ملے تو آسمان سے اس نبی کو جس کو زمین والوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنا تھا سب سے پہلا پیغام "اقرأ" کی شکل میں ملا، اس سے آپ علم و قلم کی اہمیت و عظمت سمجھئے جن کو اس کی پہلی وحی اور پیغام آسمانی میں عزت کا مقام دیا گیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہا تھا

کتب خانہ چند ملت بشست

لیکن آپ نے کتب خانے اٹھائے ہوئے نہیں بیٹھے کتب خانے بنا دیئے وہ جن کتب خانوں سے دھرے ان کو دھونا چاہتے تھے لیکن دھو کر کے پھر کیا دیا؟ نور دیا، یقین دیا، اللہ کی صحیح معرفت عطا فرمائی، انسان کو انسان بنا دیا اور جاہل انسان بلکہ حیوان صفت انسان کو دنیا کا معلم بنا دیا بقول اکبر۔

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا انتظام

دین کی کوئی تو بھلے سے مستقل ہو حق نے کہ نہیں ہوتا کوئی انسان نہیں ہم پر کوئی واجب نہیں ضروری نہیں کہ اپنے ہاں سے اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں انسان روئے زمین پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں وہ ہے مقامات مقدسہ ہوں وہ ہے جزیرۃ العرب ہو یا ہے چپہ چپہ ہو ہندوستان کی سرزمین ہو شہر ہو قصبہ ہو دیہات ہو جہاں مسلمانوں نے چار گھر بھی ہیں بلکہ جہاں چار مسلمان بھی بستے ہیں وہاں ان سے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہاں دین کا انتظام کریں وہ اسی قسم کی ہے جس طرح ان سے قیام سے زیادہ ضروری ہے اور آپ کی وقتوں سے زیادہ ضروری ہے یہ کاروبار ان سے زیادہ ضروری ہے اس میں سے کسی چیز نے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی کو مامور نہیں فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ تجارت کرو اللہ کی یہ بھی بڑی عافیت ہے دین حق کو غالب کرنے کیلئے تو جب پیسہ پیدا کرو جب دولت جمع کرو اپنی امت کو یہ حق کھلا دیا کہیں نہیں فرمایا فرمایا تو یہ فرمایا "اقرأ" پڑھو (یعنی) سیکھو تعلیم کا یہ ہے تم ہے!

اسی لئے وہ حکم جو جناب اللہ سے نازل ہوتا ہے ایسا حکم لدنی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی کسی کو بغیر تحصیل و اکتساب کے علوم کا لفیض عطا فرماتا ہے ان کی زبان سے نکلتے ہیں سنتے والے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑی محنت سے یہ علوم حاصل کئے ہیں ہم نے بڑے بڑے علماء سے پڑھا ہے ان کا سایہ پڑ جائے تو ہم سمجھیں کہ ہم بڑے عالم بن جائیں گے لیکن "اقرأ" اپنی جگہ پر رہے گا ان حضرات کو بھی ضرورت ہے کہ وہ سند پائیں علماء سے بڑے بڑے صاحب ادراک صاحب کشف بھی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔

یہ "اقرأ" کا حکم ہے جو نبی سے کر نبی امی نے شروع ہوا اور آخری امتی تک (یعنی جو غلطی سے پڑھا رہے) جاری رہے گا۔ کتنے ہی دنیا میں انقلابات آئیں، مطلقیں بدلیں، تہذیبیں بدلیں، مرد انقلاب ہے ظلم پر پردے کے انداز بدل جائے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حفاظت قرآن کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کسی زبان اور کسی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے تو حفاظت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ کتاب ہے کوئی اسے سمجھے نہ سمجھائے اس کے سمجھنے سمجھانے والے بھی ہوتے چاہئے اور وہ کتاب الفاظ میں ہے تو

[illegible]

فضلاء کے مدارس کا فرض

[illegible]

وارشاد کا کام کریں اور ان کو خرافات سے، بدعات سے، شرک کے مظاہر سے، کفر کے بدعات سے، ان عقائد سے، ان رسوم سے ان اعمال سے جن سے آدمی باطل و ملاحم سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے بھی اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے اور بعض چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے، بالکل آدمی نے کوئی ارتداد اختیار کر لیا "ویبدرو ا قومهم اذا رجعوا اليهم" عالم ہی بتاتا ہے، مسلمانوں کا کوئی بڑا شہر ہو، تجارتی مرکز بھی ہو، کھاتے پیتے مسلمان رہتے ہوں ایک مدرسہ بھی ایمان نہ ہو، دین کے موٹے موٹے احکام سمجھنے کے لیے قرآن مجید پڑھنا کیلئے تو پورا شہر ذمہ دار ہوگا، اس میں فرض کفایہ کے معنی ہوتے ہیں پورا شہر خطرے میں ہے، اللہ نے یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ تمہیں توفیق نہیں ہوئی کہ اتنے بڑے شہر میں مدرسہ قائم کرتے، یہ بات ابھی نہیں سمجھ میں آتی، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تجھ فرض تو ہے نہیں اللہ توفیق دے، کوئی پڑھے تو بڑی اچھی بات ہے، اپنے ہی ان لوگوں نے مدرسہ قائم کر دیا، کوئی تجھ پڑھ لی، کوئی خیرات کر دی، یہ بنیادی کام ہے، یہ آپ کیلئے شرک کی حیثیت رکھتا ہے کہ اپنے یہاں بقدر ضرورت کم سے کم دینی تعلیم کا انتظام کریں، آپ کے شہر میں ایسے لوگ ہوں جو وقت پر مسئلہ بتائیں اور مسئلوں کیلئے کوئی الجھن پیش آ جائے، حلال و حرام، کفر و ایمان کا کوئی مسئلہ آ جائے تو اس میں وہ رہنمائی کر سکیں، بتا سکیں کہ یہاں سے یہاں تک تو اسلام ہے اس کے بعد کفر ہے اور اگر تم سمجھنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں "قد تبين الرشد من الغي ، فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى" (البقرة ۲۵۶) اور پختی ہے یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے یہ تمیز اس کے بعد کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

عوام کی ذمہ داری

بنیاد رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بنیاد رکھ دی ہماری ایک ذمہ داری ہوئی آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے یہ بنیاد تو ہم آپ کی طرف سے رکھیں گے، کیا آپ کے ہاتھوں سے آپ سب تو ہاتھ نہیں لگا سکتے تو ہم آپ کی طرف سے آپ کی نیابت کریں گے، خدمت ہم کریں گے کہ وہ پتھر رکھ دیں لیکن آپ کا کام تم نہیں ہوتا بلکہ آج پوچھے تو اس سے شروع ہوتا ہے، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس مدرسہ کو ترقی دیں، باقی مشورہ کا معاملہ ہے استادوں کا معلم

ہے آدمیوں کا معاملہ ہے، نسب کا مسئلہ ہے، کبھی جھوں میں آئے ہونے کا مسئلہ ہے، اس کے لئے ہمیں ضرور میں آپ کو شکر ادا ہونا چاہئے کہ ایک بہت بڑی اجتماعی مصیبت سے ایک قومی اور ملی کوشش سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچالیا، اگر یہ نہ ہوتا تو خدا کے یہاں پرسش ہوتی۔

مدارس دینیہ کے قیام و بقاء کے شرائط

[26 مئی 1983ء کو مدرسہ [illegible] میں خطبہ جمعہ کے بعد ارشاد فرمایا]

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ، واشھد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ ، امابعد

انسانی سعی وکوشش کے آثار و مظاہر

حضرات! میں یہاں آیا تھا اور میری زبان پر ایک مصرعہ تھا جو جاری ہوا یکی صاحب بصیرت شاعر کا ہے۔

عالم رنگ و بو ہے زاں قیس ، شان لیلیٰ ہے کن
عشق نے آباد کر لے ہیں دشت و کو بہا

یہ شاعر کی بات نہیں یہ قرآن کی ترجمانی ہے۔

وان لیس للانسان الا ماسعی ، وان سعیہ سوف یری ، ثم یجزٰہ الجزاء الاوفی ، النجم ۳۹ تا ۴۱

اور یہ کہ انسان وہی پاتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے لئے آتا ہی ہے جس کی وہ کوشش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ خاص طریقہ اور آرائی نے ارشاد فرمایا ہے "ان سعیہ سوف یری" اور اس کی کوشش ایک مرتبہ نظر آ جائے گی یہ بھی قرآن مجید کا ہے یہاں "سوف" کا لفظ مستعمل ہوا ہے جو عام طور پر مستقبل بعید کیلئے مستعمل ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں جلدی نتائج نظر نہ آئیں تو مایوس نہ ہو "سوف یری" وہ ضرور آئے گا جو کچھ دیا ہے

ہے۔ ہے ہیں مقامات کا قیام ہے جہاں کے لوگ ہندو ہیں اور ان کی اکثریت ہندو ہیں اور ان کا پیدا ہونا ہے انسانی کی وجہ سے ہے۔

مرد خیز شہر اور قصبے

اس سرزمین میں چند ایک بڑے شہر ہیں جہاں سے ان کی تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے اور ان کی علم و فن میں امتیاز پیدا کرنے کی اور لوگوں کے لئے ان کی اہمیت کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی تاریخ اور یہاں کے لوگوں کی تاریخ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا ہے تو معلوم ہوگا کہ اولیاء اللہ اور باکمال لوگ یہاں سے گئے تھے یا آباد ہوئے تھے یا معلومات کے لئے یہاں پیدا ہوئے تھے یا مدفون ہوئے تھے جن پر ان وقت نے اس کو آباد کرنے کا حق ہے۔ یہ ہے کہ یہ ہے کہ یہ ہے کہ

کرنا کہتے ہیں یا کشمکش ہے جس کا چاہے نام رکھ لیجئے۔ یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بڑا دھارا ہے جو زور سے آرہا ہے اور بہت سے آدمی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہیں اور اس دھارے کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ یہ کشتی پیدا کریں اور ان کو ساتھ لے کر چلیں تو آپ نے سمجھا کہ ایک دھارا ہے جو ان کشتیوں کو لے جا رہا ہے۔ آپ نے بھی ایک کشتی لی اور اس دھارے میں ڈال دی۔ اب یہ کشتی اس دھارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اس کشتی میں آپ نے کچھ لوگ بٹھا لیے اور ان کو لے کر چلنے لگے۔ اب یہ کشتی اس دھارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اس کشتی میں آپ نے کچھ لوگ بٹھا لیے اور ان کو لے کر چلنے لگے۔ اب یہ کشتی اس دھارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

رضا کار و ایثار پیشہ خادمین، علماء اور نگران حکومت و معاشرہ سے

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ پہلے کوئی بندہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر تو دریا بہہ جاتے ہیں ایسے بھی یہ نکل پڑا ہے جس نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ اس نے دیوانہ بنا کر ان کو اپنے ساتھ لے لیا ہے۔ اس نے دیوانہ بنا کر ان کو اپنے ساتھ لے لیا ہے۔ اس نے دیوانہ بنا کر ان کو اپنے ساتھ لے لیا ہے۔

میں ان آپ کو ان دو اور تین کا ایک شعر آتا ہے۔ ہم سال یا ایک مہینہ سے بات کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایک دن کی فرصت نہیں ہوتی

گیند بڑا دیا جائے۔ علاء الدین خلجی نے ایک سرخ کبوتر منگوایا کہ میں تو مل کر رہوں گا، چاہے جو کچھ ہو، فرمایا کہ میری خانقاہ کے دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازہ سے آئے گا، میں دوسرے دروازہ سے نکل جاؤں گا، چنانچہ جب بادشاہ آیا تو حضرت ابو حسن چلے گئے تھے۔ ملنے ملانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ملنے کا بالکل خیال نہ کریں ہم دعا کر رہے ہیں، ہمارا کام ہے دعا کرنا عام انسانوں کے لئے جو مسلمانوں اور والیٔ سلطنت کے لئے کیوں نہیں، جس کی خوبی پر جس کی بہتری پر بہت کچھ موقوف ہے، اور یہی ان کا طرز عمل ساری عمر رہا۔

بات زبان پر آتی تو کہہ دوں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ مجھ تعلق کا محمد (سندھ) میں انتقال ہوا، وہاں دریائے سندھ کے اس پار مغل پڑے ہوئے تھے، وہ مغل جو وحشی مغل تھے، وہ نہیں جو بعد میں آئے، کئی لاکھ کا لشکر پڑا تھا، مسلمان لاوارث ہو گئے، اور کسی کے کچھ بنائے نہیں بنتی تھی، اور لوگ اس انتظار میں تھے کہ مغل دریا پار کر کے آئیں گے، اور جیسے کہ بھیڑوں کا شکار بھیڑیے کیا کرتے ہیں، ویسے ہی مغل اس لاوارث فوج کی بوٹی بوٹی کر دیں گے، اس وقت کسی کے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، بادشاہ کا کوئی بیٹا اس قابل نہیں تھا، اس وقت حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی موجود تھے، ان کو بادشاہ نے ایک پیغام سے بلایا تھا، لیکن اصل میں انہ نے ان کو پہنچایا تھا، انھوں نے فیروز تغلق سے کہا (جو محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا) کہ دیکھو اگر تم سلطنت سنبھالتے ہو تو سنبھالو، ورنہ ہم کسی اور کے حوالہ کریں گے، اور اگر تم عدل اور حکومت کے خیال سے، رزم اور بزم کے فنون سے حکومت لیتے ہو تو میں اللہ سے تمہارے لئے تین سال مانگ لوں گا، چنانچہ پورے تین سال نہایت کامیابی کے ساتھ اس نے سلطنت کی، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کا بھانجا یا داماد فیروز تغلق بادشاہ تھا، جس کے متعلق بعض تاریخ والوں کا خیال ہے کہ دہلی کے تخت سلطنت پر فیروز تغلق سے بہتر اور عقل و جامع آدمی کوئی نہیں آیا، بعض حیثیتوں سے عالمگیر مرحوم سے بھی وہ فائق تھا، اور بعض حیثیتوں سے وہ فائق تھے لیکن مجموعی طور پر فیروز تغلق جیسا بادشاہ نہیں آیا، پورے ملک میں امن و امان ہو گیا، جرائم ختم ہو گئے، ظلم کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا، بے ایمانی کا رواج کم ہو گیا یا ختم ہو گئی، اور یہ کیا تھا، یہ ایک فقیر درویش کی دعا اور ہمت تھی۔

تو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوتا ہے، اور کسی کے دل سے ملک جاتی ہے تو بعض میں منتظا

ہو جاتا ہے، دل کے لگنے کی بات ہے، اور کچھ بھی نہیں، دل سے لگ گئی اللہ کے ایک بندہ کے تو دارالعلوم دیوبند کھڑا ہو گیا، یہ کیا ہے؟ حضرت حاجی عابد حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال پیدا ہوا، ایک نے اس کی ابتدا کر دی، دوسرے اس کی نگرانی کرتے رہے، اور ایسے ہی (جس کی طرف ان بھائیوں اور عزیزوں کا انتساب ہے) ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے لگ گئی، اور دیکھئے کتنے ساتھی تیار کر لئے، اور آج ندوۃ العلماء کی کیا حیثیت ہے، اور ایسے ہی مدرسہ مظاہر علوم اپنے بانیوں کے عزم و اخلاق کا کرشمہ ہے، اور جو بھی بڑے بڑے جامعات ہیں، ازہر رہا ہو اور کوئی جامعہ، سب کے پیچھے آپ کو کوئی شخصیت نظر آئے گی پھر وہ شخصیت اپنے ساتھی بناتی ہے۔

اجتماعی کام کی شرطیں

اللہ کو جب کوئی کام منظور ہوتا ہے، تو اس کے بانی اور ذمہ دار شخصیت کی طبیعت میں صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ہر ایک سے کام لے لے، سب کو ملا کر رکھے، اپنے کو جھکا کر رکھے، دوسرے کو بڑھا کر رکھے، یہ علامت ہوتی ہے کہ اللہ کو کچھ کام لینا ہے، اور جب اللہ کو کام لینا نہیں ہوتا شخصیت تو ہوتی ہے، لیکن روز جھگڑا، کوئی اس کے ساتھ کام نہیں کر سکتا سمجھ لیجئے کہ کام ہونا منظور نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ شخصیت بھی پیدا کرتا ہے، اور اس کے ساتھی بھی پیدا کرتا ہے، اور اس شخصیت کے دل میں ان کی قدر، اور ان کے دل میں اس کی عزت اور اس کا اعتراف، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کچھ اہل استطاعت و اہل توفیق کو بھی کھڑا کر دیتا ہے، وہ اپنی سعادت سمجھتے ہیں، کہ آپ تو اپنا سے کام لے رہے ہیں، اور لیتے رہیں لیکن ہمیں موقعہ دیجئے کہ ہم خدمت کریں، ہمارا بھی حصہ ہو جائے۔

عمارت کے تین پتھر

اس طرح کم سے کم تین پتھر ہوتے ہیں، ایک اصل کام شروع کرنے والا، ایک اس کے ساتھی، اور ایک کے ساتھ اس کے معاونین یہ تینوں جب پیدا ہو جاتے ہیں، تو چوتھی چیز مدرسہ کی شکل میں، جامعہ کی شکل میں نکل آتی ہے، اور دنیا دیکھتی ہے کہ کتنا بڑا دارالعلوم قائم ہو گیا،

مہمانوں میں تعاون کی کمی

پہلے دل جوڑیں پھر اینٹیں

تعالیٰ ہماری اپنے انعام کے آفات و شرور سے حفاظت فرمائے اور اس جنگل میں اپنے فضل سے، محض اپنی قدرت کاملہ سے صحیح علوم دینیہ کا ایک مرکز قائم کرے، جہاں سے علوم نبوت کے آفتاب کی شعاعیں پھیلیں، اور واقعی اس سرزمین کو مالا مال کردے، اور صحیح معنی میں مالوجہ سے اور پھر یہاں سے دور دور فیض پہونچے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

فتح وغلبہ کے دو الٰہی نظام

یہ آیت ۱۹ شعبان ۱۳۳۸ھ (۹ مئی ۱۹۲۰ء) کو [illegible] کے موقع پر [illegible] کی گئی تھی۔ اس پس منظر میں [illegible] کی [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی

خالف ہوتی ہے یہ وہ میزان عدل ہے جو اشیاء کو صحیح صحیح تول کر پیش کرتی ہے، نہ اس سے رعایت اور فرق و امتیاز سے ہمیشہ باز رہتی ہے۔ یہ وہ قانون ہے جس کا تجربہ انسان نے اپنے وجود سے آج تک ہزاروں سال کی عمر میں مدت میں کیا ہے اس کے تجربات، واقعات اور مشاہدات کے تسلسل سے انسانیت کی تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں اور ان میں آپ کوئی استثناء نہیں پائیں گے۔

ایک حکومت دوسری حکومت پر غالب آتی ہے۔ طاقتور اپنے حریف کو زیر کرتا ہے، ایک توانائی دوسری توانائی کو ختم کرتی ہے۔ ایک تعداد اپنے مقابل تعداد کو مغلوب کرتی ہے۔ اور یہ سب اس قانون طبعی کے مطابق ہوتا ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔

دلائل سے بے نیاز

قانون کبھی اپنے اثبات کے لئے نہ بحث و دلائل کا محتاج ہے نہ فکر و فلسفہ کا حاجت مند، یہ ایک بدیہی حقیقت تسلیم شدہ قانون فطری امر، آزمودہ و معلوم امر ہے ایک کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ چنانچہ آسمانی کتابوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کبھی موضوع بحث نہیں رہا یہ قانون فطرت پر بھی قوت سے نافذ اور ہر طرح آزاد ہے اگر اسے اس کے فطری حال پر چھوڑ دیا جائے اور اسے مطلق فرمانروائی حاصل ہو تو اس کے عمل اور کارفرمائی میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

دوسرا انتظام

یہ وہ انتظام ہے جو انبیاء کرام کا موضوع رہا ہے آسمانی کتابوں نے اپنا موضوع بنایا ہے اس کی تشریح اور توضیح کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چند مقاصد کو افضل اور ممتاز اور (خواص اشیاء) کے حقیر مقاصد و نتائج سے زیادہ کا احترام اور اہتمام کا مستحق قرار دیا ہے۔

حقیر اس مفہوم میں کہ آگ جلاتی ہے، پانی ڈبوتا ہے، زہر ہلاک کرتا ہے، تریاق زہر کے اثر کو زائل کرتا ہے، طبیب علاج کرتا ہے، مرض افلاس اور کمزور کرتا ہے۔ دوا صحت اور توانائی بخشتی ہے۔ یہ تمام نتائج اور مقاصد قابل قدر اور قبول کیے جانے قابل تسلیم ہیں۔ مگر ان کے علاوہ چند اور اعلیٰ مقاصد ہیں، جو ان سے توجہ و اہتمام کے مستحق ہیں اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت، انسان کی ہدایت، مقصد تخلیق، انسانیت کی سعادت، عدل و انصاف، انصاف پر مبنی حقوق آشنا اور سماج

زمین اور ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام میں جس میں خوف خدا ہو، انسانیت کا احترام ہو، حقوق کی ادائیگی اور حفاظت ہو، جس میں لوگوں کو خدا کی معرفت کی سہل تر راہ میسر ہو اور ان کے قویٰ اور صلاحیتوں کا نشوونما ایسے ماحول میں ہو سکے کہ ان کی رسائی اس مطلوب کمال اور اصل مقصد تک آسانی ہو جائے جس کی خاطر اس کائنات کی تخلیق عمل میں آئی۔

طبعی نظام کی شکست

یہی وہ نظام ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، اسی نظام کے آگے طبعی قوانین سرنگوں ہوئے اور انہیں اپنی خاصیتوں کو بدلنا پڑا۔ جب دو متقاصد کا تصادم ہوتا ہے فطری نظام اور اس شرعی نظام کا جو عقل دین اور اخلاق کا تابع ہوتا ہے۔ اور یہی کائنات کا مقصد وجود اور انسان کا مقصد تخلیق بھی ہے۔ تو بلا شرعی نظام کا بھاری ہو جاتا ہے۔ جب سیدنا حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کی سنت آگ میں جاری تھی طبعی عوامل کارفرما تھے، آگ ہزاروں سال سے جلاری تھی انسانی تاریخ نے اپنی دیانت، دقت نظر تحقیق و جستجو کے باوجود ایک واقعہ بھی ایسا محفوظ نہیں کیا کہ آگ نے اپنے فطری عمل سے کسی بادشاہ یا عالم کے احترام میں پس و پیش کیا ہو۔ کیونکہ اس کا کام تو جلانا ہی ہے لیکن طبعی تصادم یعنی آگ کا ٹکراؤ اس شرعی نظام سے ہوا جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس وسیع کائنات کی تخلیق کی ہے جس میں آگ، پانی، اجرام فلکی، ہزاروں زندگی اشیاء اور مختلف غذائیں ہیں اس سے جب آگ کی فطرت ہدایت کی فطرت سے متصادم ہوئی تو آگ کو حکم دیا گیا کہ وہ نہ جلائے۔ آگ سے جلانے کی وہ صلاحیت سلب کر لی گئی جو ابتدائے آفرینش سے اس میں موجود تھی، آگ نے شاید وہ نہیں آواز سنی ہو جسے نمرود سن سکا اور نہ کوئی اور انسان کہ خبردار ابراہیمؑ کو نہ جلانا میں وہ ہستی ہوں جس نے تجھے جلانے کی خاصیت عطا کی ہے لیکن ابراہیمؑ کی جس مقصد کی خاطر تخلیق ہوئی ہے اور انہیں نبوت سے سرفراز کر کے تبلیغ و ہدایت کے لئے مخلوق کے پاس بھیجا گیا ہے۔ یہ وہ اعلیٰ و ارفع مقاصد ہیں کہ جن کے آگے تجھے اپنی خاصیتوں کے ساتھ ہزاروں بار سرنگوں ہو جانا چاہئے۔ ابراہیمؑ کے کپڑوں تک کو نہ چھونا چاہئے کیونکہ ان کا پاک و مقدس جسم اور سوسائٹی قلب سلیم جو ملوکیت نبوت کا مسکن اور امین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا۔

ولقد اتینا ابرھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین

اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے

اس امر الٰہی کے آگے آگ نے سپر ڈال دی۔ یہ دین فطرت ہے مقابل آگ کی فطرت اور خاصیت کو سرنگوں ہونا پڑا۔ یہ کائنات میں دین فطرت ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کے بغیر اس کائنات کا وجود عبث اور بے معنی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم آگ کو تسلیم کرنا پڑا۔ حضرت ابراہیم کو جلانے سے اس نے گریز کیا اور ایک جہان فیض میں تبدیل ہو گئی۔

قلنا یا نار کونی بردا وسلما علی ابرھیم، وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر، وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام بنا دیا۔

انبیاء کی بے سروسامانی اور بے اسبابی

آپ حضرات یہ بخوبی جانتے ہیں کہ انبیائے کرام کی بعثت جن قوموں میں ہوئی وہ قومیں اپنے ساز و سامان کی کثرت اور مادی ترقی کو کامیابی کا معیار سمجھتی تھیں۔ نبی پر ایمان لانے والے غربا، ان کیلئے حجاب بن جاتے۔ اس معاملے میں ہر نبی اور اس کی قوم میں قدیم تاریخ شاہد ہے یہ بدیہی حقیقت دلیل کی محتاج نہیں، قرآن اس قسم کے واقعات، دلائل اور شواہد سے پر ہے، جب نوح اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تو ان کی قوم نے کہا۔

قالوا انومن لک واتبعک الارذلون۔

انہوں نے جواب دیا "کہ ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے قبول کی ہے"

اور یہ بھی کہا کہ۔

وما نراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین۔

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں ارذل تھے

ہے اور اپنے سمجھے تباہی ہی ہوئی اتفاق سے ہوئی ہے۔ ورنہ ہم کوئی چیز بھی نہیں پہچانتے اس میں تم لوگ تم سے بہتر ہو تم نے ہمارے جادو کو نہیں سمجھا تھا یہ سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم میں صحت مند سے تو آنکھیں بھی ہوں گی۔

قالو یشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول وانا لنراک فینا ضعیفا ولولا رهطک لرجمنک وما انت علینا بعزیز۔

انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب ہم تیری بہت سے باتیں تو سمجھتی ہی نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں بے زور ہے اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کے تجھے سنگسار کر چکے ہوتے تیرا کچھ بل بوتا تو ہمیں نہیں ہے۔ ہم پر بھاری ہو۔

حضرت موسیٰ اور ان کے کنبہ والوں کے حق میں فرعون نے کیا کہا تھا۔

قرآن مجید ہے

ونادی فرعون فی قومه قال یاقوم الیس لی ملک مصر وهذه الانهر تجری من تحتی افلا تبصرون۔ ام انا خیر من هذا الذی هو مهین ولا یکاد یبین فلولا القی علیه اسورة من ذهب اوجاء معه الملئکة مقترنین۔ فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانوا قوما فسقین

ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا اے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہیں کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا کہ میں اچھا ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے اور اپنی بات بھی اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا کیف دستہ اس کی مدد کو نہ آیا۔ اس نے اپنی قوم کو بیوقوف سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ وہ فاسق تھے۔ وہ بڑے فاسق لوگ تھے۔

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ مشہور ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قوم میں کس قدر بے پڑھے آپ کے چند رفقاء کتنے کمزور اور کم علوم تھے۔ خدا تعالیٰ ان کی دلداری فرماتے ہیں ارشاد فرماتا ہے:

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم

الناس

یاد رہے وہ وقت جب تم تھوڑے تھے، ملک میں تم کو بے زر سمجھا جاتا تھا ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں۔

حتیٰ کہ ان کی قوم نے ان چند نفوس کو اپنے دین کا حصہ بنا لیا۔ ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم سب آج ہیں۔

تعلیمی تائید اور اسباب

تعلیمی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق تک اپنی اس اعلیٰ و افضل مخلوق کے ذریعہ پہنچایا ہے جس پر انسان کی سعادت کا انحصار ہے اور جس کے ذریعہ سے انسان اپنے مقصد زندگی کو پہچان کر اپنی کارکردگی کی پوری آزادی کے ساتھ اپنی محنت اپنی مقررہ راہ پر چلتے ہوئے حاصل کرتی تو انبیاء کرام کی دعوت کی کامیابی کے لئے تین بنیادی حالات کا قیام ماحول اور بیرونی معاشرہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو اس طرح نکل جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اخلاق و صفات میں کچھ چند خاصیتیں رکھی ہیں، اسی طرح قوی اور اعضاء میں جس طرح دوسری شے میں نہیں رکھی گئیں۔

نبی کی خصوصیت ہے، اس کا ایک قانون ہے، امانت، خوف خدا، غرض ان سب کا ایک نظام ہے، اسی سلسلہ کا نام اسلام ہے، عدل و مساوات، رواداری، محبت، انسان، ایثار و قربانی، یہ اور ترقی پسند اور تعمیری صفات و اخلاق ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی قوموں پر اور طاقت ور قوتوں کو بخشا ہے، عنایت، محبت اور رحم دلی کی ہے، کیونکہ وہ بڑا قادر اور علیم ہے۔

کامیابی کا راز

جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو دعوت فرمایا تھا تمہیں رسالت سے سرفراز فرمایا اور اپنی کتاب کو نازل فرمایا تو ان انبیاء نے حق اور ایمان کی دعوت دی، اچھے اخلاق سے مزین تھے، ان صفات سے آراستہ ہونے کا یہ راز ہے کہ اللہ نے انسانوں سے یہ وعدہ کیا کہ حق اور اعمال اور اخلاق و صفات میں عمل کے ذریعہ دنیا میں کامیابی ہے اور آخرت کی تمام نعمتیں ہیں

تمہاری کامیابی اور قوت کا رمز یہی رمز ہے جو انبیاء لے کر آئے اور یہی تمہاری سپاہ ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انھم لھم المنصورون ، وان جندنا لھم الغلبون

یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔

انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد.

یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی ضرور کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی

خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔

انبیاء کرام عقل سلیم کا اعلیٰ نمونہ

انبیاء کرام ہلکے دماغ، فاتر العقل نہیں تھے، وہ عقل سلیم کا اعلیٰ نمونہ انتہائی ذکی، اشیاء کی فہم خصوصیات اور ان کی تواناتی سے بخوبی آشنا تھے، وہ فریب خوردہ نہ تھے، نہ اعلم، نہیں بخوبی علم تھا کہ جب قوت سے قوت ٹکراتی ہے تو ہوا ہوا ہے تعداد تعداد سے متصادم ہوتی ہے تو ان میں کمزور کی شکست ہوتی ہے اور قوی غالب آ جاتا ہے۔

جب کسی معرکہ میں صرف مادی قوت پر اعتماد کیا جاتا ہے تو اس میں کمزوری کو ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مگر انبیاء کرام اس عرفان کے حامل تھے جو مخفی امور پا لیتا ہے، اس ملکی سی کرن کو ان کی دور بین نگاہ دیکھ لیتی ہے جو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل رہتی ہے، جسے نصرت الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ وہ صاحب بصیرت انسان ہوتے ہیں کہ ان کی کائنات پر گہری نظر ہوتی ہے اور اللہ کی نصرت پر یقینی اعتماد رکھتے ہیں۔

فرعون اور حضرت موسیٰ کی کشمکش

آپ کو فرعون اور حضرت موسیٰ کا وہ واقعہ یاد ہوگا، جب موسیٰ نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ رات کی تاریکی میں جزیرہ نمائے سینا کی طرف روانہ ہوں (وہی جزیرہ نما جسے ہم آج کل یا

[illegible] کا ظاہر ہونا ہے اور کیسی خون کی آلودگی ہے ہم نے اپنے ہاتھ کو [illegible] کھونے کی جرأت کی ہے اس کی تو یا اب حضرت موسیٰ اپنی قوم کے [illegible] پر پہنچے تو آپ کی قوم نے آپ کو [illegible] اور اس کی کوئی اہمیت نہیں دی، کوئی [illegible] سنا اور نہ ان کو [illegible] دیکھا تو اب [illegible] اور اس کا لشکر، وہ بھی [illegible] اسے مانتے ہوئے کیسے [illegible] کہہ سکتے۔

قال اصحب موسیٰ انا لمدرکون

موسیٰ نے [illegible] کہہ سکتے۔

ان واقعات اور آیات کی [illegible] میں کچھ [illegible] قوموں نے [illegible] اور [illegible] میں [illegible] کا اپنا [illegible] اور [illegible] کے [illegible] نہیں [illegible] قرآن کریم [illegible] سے [illegible] امتیاز نہیں برتتا ہے۔

لیکن [illegible] اللہ تعالیٰ کی جانب سے [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] پر [illegible] نہیں تھا، [illegible] نہیں اس کا علم تھا، [illegible] اس کی [illegible] کے لئے [illegible] ہوئے ہیں، جس [illegible] کا نہیں [illegible] کیا، وہ [illegible] نہیں [illegible] اور [illegible] سے [illegible] اور [illegible] کا [illegible] اور [illegible] سے فرمایا۔

کلا ان معی ربی سیھدین

ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ [illegible] راستہ [illegible]

یہ [illegible] اور یقین اس [illegible] اللہ تعالیٰ نے [illegible] یقین [illegible] اور [illegible] سے ان آنی [illegible] پر [illegible] نظر ہو [illegible] میں [illegible] نہیں کرتے آپ اس عام [illegible] سے [illegible] اور [illegible] آج تک [illegible] میں [illegible] اور [illegible] میں [illegible] آج تک [illegible] ہے [illegible] کا [illegible]

فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر، فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم، وازلفنا ثم الاخرین، وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین، ثم اغرقنا الاخرین

ہم نے موسیٰ کی طرف [illegible] کہ [illegible] اپنا عصا سمندر پر [illegible] سمندر پھٹ گیا

اور اس کا ہر فرد ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا، اسی لئے ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے، چنانچہ ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔

مشعل راہ

تمام انبیاء کرام اگرچہ اشرف ترین خاندان اور افضل ترین نسب رکھتے ہیں لیکن یہ جانتے ہیں کہ دشمن کے مقابلے میں اعلیٰ نسبی سود مند نہیں، انبیاء تنہا عقل و تجربہ، حواس خمسہ کی کارفرمائی، روحانی طاقت، تنظیم اور تعداد پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ ان میں ان کا حریف ان سے بدرجہا فائق ہوتا ہے، بلکہ دونوں کی دنیاوی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، ان حالات میں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا، ایمان کو مشعل راہ بنایا، اپنے پیام، اعلیٰ اخلاق و صفات کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں سے نمایاں اور ممتاز تھے، ان ہی صفات نے ان کے ساتھیوں کو ہمت انگیز رہنمائی و تابانی بخشی تھی۔

وہ معرکہ کارزار میں اللہ پر اعتماد کے سہارے قدم رکھتے تھے، ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت، حق کی فتح، باطل کی ناکامی کی دعائیں جاری رہیں۔

تاریخ ساز واقعہ

معرکہ بدر کو ذہن میں تازہ کیجئے، میدان بدر آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں، یوم بدر آپ کی تاریخ میں گمنام اور غیر معروف نہیں، غور کیجئے، جب رسول اللہ ﷺ ۳۱۳ مہاجرین و انصار کی مختصر جماعت کے ساتھ اس دشمن کے مقابلے کے لئے نکلے تھے، جو قعدہ، آلات حرب، اسباب و وسائل، شجاعت و بہادری میں کئی گنا زیادہ اور جوش غضب سے مغلوب تھا۔

آپ نے جب اپنے بے سروسامان ساتھیوں اور دشمنوں کے عظیم لشکر کو دیکھا تو ان دونوں میں کوئی نسبت اور تناسب نہ تھا، اس نازک موقع پر آپ کی سلامت فکر فراست نبوت اور تجربہ نے یہ محسوس کر لیا کہ ان لمحات میں مسلمانوں کو طبعی قوانین کے حوالے کرنے کے نتیجہ میں ان کی کامیابی تو درکنار مدینہ صحیح سلامت لوٹنے کی توقع تک نہیں کی جا سکتی۔

آپ اپنے رب کی طرف انابت اور دعا کے لئے متوجہ ہوئے آپ کو بخوبی علم تھا کہ فتح عطیہ الٰہی ہے، طبعی نظام بھی نے بندے، وہ اسے موقوف بھی کر سکتا ہے، آپ یہ جانتے تھے کہ

فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے زمین سے پیدا نہیں ہوتا مگر قوت اور فتح کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آپ نے اپنی جبین مبارک خاک پر رکھی، الحاح و زاری، عاجزی و درماندگی سے اس طرح دعائیں مانگیں کہ حضرت ابوبکر صدیق سے آپ کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور بے چین ہو کر انھوں نے عرض کیا۔

حسبک یا رسول اللہ
بس بس یا اللہ کے رسول

دعا کا پاسنگ

معرکہ بدر تاریخ کا مشہور فیصلہ کن معرکہ ہے۔ جس نے سامنے میں صف آرا دیکھیں، تعداد کی کثرتیں، ہم میں مختلف رنگ و نسل کی مسلح قومیں، ایسے بدن پر ورد دیں، اور عدد اس دعوت و پیامکار میں منت ہے۔ فتح آنحضرت صلعم کی تھی۔ بدر میں دو مقابل لشکر تھے۔ ایک، ان عدد اسباب و وسائل میں ہر اعتبار سے بے یار و مددگار تھے۔ ایک پلڑا اپنے بوجھ سے زمین کو چھو رہا تھا یہ آنحضرت کا پلڑا تھا، دوسرا بے وزنی کی وجہ سے فضا میں معلق تھا، یہ اہل ایمان کا پلڑا تھا۔ آنحضرت سلم نے اپنی دعاؤں میں نصرت الٰہی کا پاسنگ مسلمانوں کے پلڑے میں ڈال دیا۔

آپ نے زمین پر اپنی پیشانی رکھی اور وہ بھیگ گئی، جب آپ نے سر اٹھایا تو مسلمانوں کی اس قلیل تعداد کی بقا، حیات و زندگی کا تیقن سب تھا۔ آپ نے فرمایا:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد۔

اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

مالک قدوس نے اس جماعت کی نصرت فرما کر اس کی تصدیق کی۔

تاریخ میں آج بھی یہ واقعہ زندہ و تابناک ہے آثار اس دنیا میں تابندہ ہیں، انسانوں کی فلاح و بہبودی اسی جماعت سے منسلک ہے۔ جس کی بقا کی دعا میدان بدر میں ایک آزمائش کے موقع پر اتنے بلیغ انداز میں پیغمبر اسلام نے کی تھی، دین اخلاق، فضل، انصاف، احترام انسانیت کا وجود بدر کی اسی مختصر جماعت کا مرہون منت ہے۔

"فیصلہ تیرے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم"

اگر آپ چاہیں تو ان تمام حقائق کو ضائع کر دیں اس تمام دولت و ثروت کو تلف کر دیں تمام اشیاء کو [illegible] اور تعلیمات کی کوششوں کو مٹا دیں تو انسان باقی رہے گا مگر انسانیت فنا ہو جائے گی انسان منتشر ہو گا مگر [illegible] اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ تم بہت کمزور تھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تم شکر گزار بنو۔

ولقد نصر کم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون

آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی شکر گزاری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

بحر و بر پر حکمرانی

[illegible] ایک دوسرا واقعہ بیان کرتا ہوں جو [illegible] کا شائق [illegible] واقعہ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں، اس میں ایک پیغام ہے اور نئے معانی پنہاں [illegible] سعد بن ابی وقاص [illegible] کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو دریائے دجلہ میں طغیانی تھی، موجیں اٹھ رہی تھیں، ایرانیوں نے تمام پل اور آبی گذرگاہوں کو توڑ دیا تھا اور کشتیوں اور جہازوں کو دور کر دیا تھا۔ سعد بن ابی وقاص اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کے ساحل پر چند لمحے رکے غور کیا اور فرمایا ساتھیو! کیا خیال ہے لوٹ جائیں یا جلد میں کود پڑیں اور پار ہو جائیں؟

مسلمان اس دور میں اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، انسانیت کی نجات انھیں کے ذریعہ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انسانیت پر مہربان ہے، اور اس نے انسان کو بیکار نہیں پیدا کیا۔

افحسبتم انما خلقنا کم عبثا وانکم الینا لا ترجعون

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا اور تمہیں [illegible] کبھی پلٹ کر نہیں آنا ہے۔

مسلمان یہ جانتے تھے کہ وہ اسلام کے نمائندے ہیں اس کی روشنی کے پیغمبر اور اسلامی حکومت کے متحمل بردار ہیں، وہ دنیا کی تمام قوموں میں واحد جماعت تھی، جو اس مقصد کی خاطر تیار کی گئی تھی، یہ باوجود اس طرح کے بڑے بڑے دریاؤں میں بلا تردد جہاز کو بے کھٹکے اجازت دی جاتی تھی کہ وہ اس لشکر کو غرق کرے جس کو کوئی بیرونی غرض نہیں، جو جزیرۂ عرب سے اس لئے نکلا کہ ایک تخت کے بجائے دوسرا تخت بچھائے، ایک حکومت کے بجائے دوسری حکومت کرے، ایک بادشاہت کو دوسری بادشاہت میں تبدیل کرے، امیرانیوں سے خیانت و سیادت چھین کر عربوں کو پیش کرے اور کسریٰ کا تاج لے کر اسے عمر (رضی اللہ عنہ) کے سر پر رکھے، یہ باتیں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

(اقبال)

ان کی مہم کی غرض یہ رہتی تھی جیسا کہ ان میں سے ایک نے کہا ہے "اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم انسانوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر عبادت کی طرف رجوع کریں، دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف لائیں، مذاہب کے ظلم و جبر سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف بلائیں"۔

یہ جان کر کہ اب سوائے اللہ پر اعتماد کے کوئی چارہ نہیں اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا کہ یہ لشکر باقی رہے اپنے پیام کو پہنچائے اور اپنے دین کو پھیلائے اور لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائے اور ان پر پڑی ہوئی ظلم و ستم کی زنجیروں کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً دریائے دجلہ کو اس پر عبور کرنے کا وہ اسلامی لشکر کے لئے راستہ دے دے۔

مومنانہ فراست

حضرت سعدؓ نے اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے جواب دیا "بیشک اسلام ایک تازہ پیام ہے" یہ جملہ میرے قلب و ذہن کو بہت متاثر کرتا ہے، کیونکہ اس میں بڑے تہہ در تہہ معانی مضمر ہیں، اس جواب میں مومن کی فراست نور جھلکتا ہے، میری مراد عقل عام نہیں بلکہ فراست مومن ہے، جس کا یہ جملہ بہترین نمونہ ہے۔

حضرت سلیمان نے فرمایا "خدا تعالیٰ ان کے لئے ایسے ہی زمین کو نرم کر دیتا ہے جیسے کسی خاص لوہے کی تلوار کو نرم کر دیا گیا تھا۔ اس نے فولاد کو حکم دیا کہ وہ زرہ بنے اور اس کی کڑیاں ٹھیک اندازہ کے مطابق ہوں۔ سلیمان کے قول کا یہی یہ ہے کہ خدا اس پر قادر ہے کہ اس دنیا کو تمام و کمال انسان کے غالب کرے۔ یونکہ سلیمان نے ابھی تک اپنی مہم پوری نہیں کی، اس کے سامنے وسیع میدان ہے۔ بہت سی قومیں اور قبائل ہیں، تمدن کے مالک ہیں اور یہ پوری دنیا ان کی دعوت کی منتظر ہے جس کے وہ حامل ہیں۔ ان اخلاق و صفات کی منتظر ہے جن سے یہ آراستہ ہیں۔ دنیا اس نجات دہندہ پیغام کی منتظر ہے۔ حضرت سلیمان نے سچ کہا کہ میری مہم یہ مثل سے قبول نہیں ہوئی کہ اخلاق ہوں گے اور دنیا ہمیں بھگل دے گا، اللہ تعالیٰ اسے ضرور نصرت کا اور مدد کرے گا کہ وہ اس سے راہ دے اور تاریخ اس کے گواہ ہے کہ ہوا بھی یہی۔

ایمان و عقیدہ کا نظام

یہ دو خدائی نظام ہیں، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، ایک طبعی نظام اقلیت پر کثرت کا غلبہ، ضعف پر قوت کا غلبہ، منتشار پر اتحاد کا غلبہ، بد نظمی پر انتظام کا غلبہ، کمزور ارادے پر قوی ارادے کا غلبہ اور کامل وجاہت پر علم و مستعدی کا غلبہ، یہ ایک قدرتی نظام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، اور اس کا حکم اور قانون اس وسیع دھریض دنیا اور انسانیت کے بڑے حصے میں جاری و ساری ہے۔

لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ایک دوسرا نظام بھی ہے، وہ ایمان و عقیدے کا نظام، اخلاق و صفات اور ہوت و بیاس کا نظام ہے، اور یہی وہ نظام ہے جس کے ذریعہ مومن جنم لیتا ہے، اور کافر پیدا ہوتا ہے، یہی وہ نظام ہے جس کو لے کر عرب جزیرہ عرب سے نکلے تھے، پھٹے پرانے ہوتے ہوتے، خالی پیٹ اور ننگے بدن کے ساتھ، لوگ انہیں حقارت سے دیکھتے اور مذاق اڑاتے رہ گئے، لیکن ان کے جزیرہ سے بھوک اور ننگی نے نکالا ہے انہیں خوب کھلایا اور پلایا ہے اپنے وطن لوٹ رہے ہیں۔

موجودہ عربوں کی دونوں نظاموں سے بغاوت

یہ دو خدائی نظام ہیں لیکن وہ دنیا آج بغاوت ان دونوں نظاموں کو چھوڑ رہی ہے اور

ان دونوں نے بغاوت کی ہے تاکہ ان کی طاقت کو توڑ دیا جائے اور ان کی ہوا اکھڑ جائے۔ ان کے خلاف جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں سے انہیں سزا دے گا۔"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی قوت پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (البقرہ: ۱۹۰)

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ (البقرہ: ۱۹۰)

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۵۔ اللہ کی جنگ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

وہ دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور فرمایا ہے:

وان جند نالهم الغلبون

بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ ان جند نا لھم الغلبون کو پورا کرنے کے لیے ان جند نا لھم الغلبون سے پہلے کس قوم کو کھڑا کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فرمایا:

انهم لهم المنصورون، وان جندنا لهم الغلبون

یہ ان کی مدد کریں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

ان النصر سلاح والنصر اسم فی الحرب الدنیا ویوم یقوم الاشهاد

یقین جانو کہ مدد ہتھیاروں کو اور ہتھیار لڑنے والوں کو ملتا ہے اور مدد کا نام دنیا کی جنگ میں ہے اور قیامت کے دن گواہوں کے کھڑے ہونے کا دن ہے۔

جنگ کے زمانہ میں عسکری اخلاقی دینی حالت

اب آپ دیکھیں کہ جنگ کے زمانہ میں آدمی کے اندر کیا باتیں ہوتی ہیں اور کیا کیا چیزیں اس کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ جنگ کے زمانہ میں فوجی کو اپنی جان کی قربانی کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائی ہیں۔ ان آیات کو پڑھ کر فوجی کے اندر کیا کیا جذبات پیدا ہوتے ہیں؟

جنگ کے زمانہ میں سپاہی کے اندر جو اخلاقی پختگی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے بعد اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کے بعد اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید پیدا ہوتی ہے۔

جنگ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے نازل ہونے کے بعد سپاہی کے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی امید کے بعد اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کی امید پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کی امید کے بعد اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدس اسلامی مقدسات کے دفاع کی سب سے بڑی امداد ہوتی ہے۔

دوزخ سے بچ سکتے ہیں؟

ایک غیر عرب بادشاہ کا عمل

مسلمانوں پر تو یہ لازم تھا کہ وہ ہر حالات میں رہتے اور ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے۔ اپنے آپ پر اندھی میان کی ہوئی نہ تھیں لیکن اور ان پر بے خبری اور غفلت کا غلبہ ہو گیا۔ اور ان کا ستاسی تھا۔ ترک میں ایک غیر عرب بادشاہ نے کیسی کیسی کامیابیاں حاصل کیں۔ (اس سلطنت عظیمہ کا بانی سو سال تک ہندوستان میں رہا) اور تاتاریوں کے شمن اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔

دونوں لشکر تعداد اور اسباب کے اعتبار سے تین تین لاکھ تھے اور ہر ایک کے ساتھ صرف تین ہزار سپاہی تھے اور ان کا لشکر ایک لاکھ پچاس ہزار پر مشتمل تھا۔

بابر شراب کا رسیا تھا۔ تاریخ میں یہ مشہور بات ہے کہ وہ ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا۔ اس نے ترک اور آزمائشی موقع پر اس نے کامیابی کے لئے دعا مانگی اور شراب اور تمام شرعی منکرات اور خرافات سے توبہ کی اور میدان جنگ میں کود پڑا۔ دشمن سے زبردست جنگ کے بعد عظیم الشان فتح حاصل کی۔ اور ان وسیع علم حکومت کی بنیاد رکھی جس کے آثار اور اچھی یادگاریں اب بھی باقی ہیں۔

حقیقت پسند قوموں کا یہ حال ہوتا ہے اور حقیقت سے دور لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ہر شہادت کو وہ دل توان کی داستانوں کی مشہور ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں وہ آپ جانتے ہیں۔

یا یہ کہ ہزار رات ایک رات کے ارمان میں ہر رات ہوتی ہے کہ کوئی حاتم کوئی تمیم ہر رات آکر نیا قبول کرے یہ بادشاہ ہر رات یہ فوجی دستہ

کے ذہن میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت عدل بھی ہے ہم سب کا اس پر ایمان ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہم واقعی اس شقاوت کے مستحق تھے شقاوت کا ہونا کوئی تعجب خیز اور حیرت انگیز امر بعید از قیاس نہیں اس کے برعکس ہوتا تو حیرت اور تعجب کی بات تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلہ مسلمانوں کی مدد کرتا جو اپنے بھائیوں کے دشمن اور اپنے دشمن کے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔

حسین کی داستان غم (۱)

مگر ہم شمعون کے بارے میں رحمدل اور آپس میں انتہائی نرم دل ہیں۔ اس غریب حسین کا ایک قصور تھا؟ اسے اپنی بہادری، جنگ آزمائی اور انتقام کا مرکز میدان کیوں بنایا گیا؟ یہ شہامت اپنے حقیقی دشمن کے خلاف کیوں استعمال نہیں کی گئی؟ مگر مصریوں کا سا دل تو اس شعر کے مصداق ہے۔

ز شوخی ستم بر دشمن کرد شوخ بلاک تحقیقت ہر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ظلم تم کرتے رہے اور یہی مسلمانوں کے خون ناحق کی پرسش رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو ان کے پاس کیا جواب ہوگا؟ وہ منصف حقیقی تو قرآن مجید میں فرماتا ہے:

واذا الموءدۃ سئلت، بای ذنب قتلت

---

(۱) حسین رضی اللہ عنہ کے اس بے مقصد اور ظالمانہ قتل نے تشیع میں بہت سے لوگوں کے خلاف ایسی نفرت پیدا کر دی ہے جو ان کے ساتھ ہمدردی سے کہیں زیادہ ہے۔ اس قتل کے بعد سے تشیع کا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ اس نے ایک ایسے مظلوم کی حمایت کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ اس استعمال میں اموی حکمرانوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس طرح تشیع نے اصول حقوق انسانی کے مطابق ہے۔ تشیع کی یہ روش بنی امیہ کے ظلم سے بچ کر نکلنے والے ہر شخص کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ اس لئے شیعہ مذہب میں ایسے لوگوں کی بھرمار ہو گئی جو اپنے ظلم پوشیدہ رکھنے کے لئے تشیع کا لبادہ اوڑھ لیتے تھے۔

(۲) یہ ہے کہ اس کی زبان سے پوچھ جائے وہ کون سی علامت ہے جس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کے قتل کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کی جان کی دشمن ہے۔ یہاں اس نے قتل سے پہلے دی گئی قوم کی دی ہوئی تھی اور اس کے قاتل تک پہنچنے میں اس کی مدد کی تھی۔

آپ نے یہ بات اس لئے کہی کہ اس کے پیچھے کا شتکار ہاتھ نہ لگ جائے

جو اپنے سے بڑی زبان کو لے کر آیا ہو۔ اور اس کا قتل

وہ اس شخص کے متعلق فرمایا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

اتاکم اهل اليمن، اوهى افئدة و الين قلوبا، الايمان يمان، والحكمة يمانية (صحیح بخاری)

تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں جن کے دل سب سے زیادہ نرم اور رقیق ہیں۔ ایمان یمن کا ہے اور حکمت یمن کی ہے۔

اس قوم کی کیا تعریف ہو گی جس کی زبان کی مٹھاس کو قرآن نے بیان کیا ہے

"لغت ہندی ہے تو کیا، ہے تو جی زبان ہے میری"

یہ ہے اس آیت میں بیان کی گئی وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے اس مقدس مقام پر ہمیں عطا فرمائی ہے اور جس کے شکر میں ہمیں اپنی مادری زبان کو اپنے ملک میں ہونے والی جہاں عربی زبان کو فوقیت نہیں دیتی، وہاں ہمارے اسلاف نے اس کو "لغات فی القرآن" کا نام دیا ہے۔ اس سے ہمارے ملک کے متعلق یہ دعوت کیجئے کہ یہ ہمارے ملک کی تعظیم ہے۔ ایک ایسے ملک کو جو اسلام کے طویل فاصلے پر ہے، وہاں کے لوگ عربی زبان سے بہت کم واقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے اندر کی تقید سے پاک ان میں ایسا پاکیزہ تقید دیا ہے کہ ہماری لغات کو عربی اور یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اندر کی تقید سے پاک کر دیا ہے۔

(۱) [illegible] (۲) [illegible]

محمد عربی کا بیڑا پار ہے
کملی والے تیری شوکت کا کیا کہنا

اسلام کے علمبردار قیادت و تنظیم کے اعتبار سے کسی قوم سے فروتر نہیں پائے گئے اور آپ نے اس سے انکار کیا ہوگا کہ عرب قومیت کے علمبرداروں نے اپنے قوم سے کیا کچھ نہیں پایا؟

دعوت اور اسلام کے دور بلندی سے آشنا ہو چکیں نے اللہ تعالیٰ سے ہمارا رشتہ بندگی اور بندگی اور آنحضرت محمد صلعم سے ہمارا رشتہ اتباع کا ہے اور اسی سے ہمارا تعلق ہے اور ہمیں قومیت کے رشتے نہیں۔

ان محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ ہے عربوں کی اصل ترقی، عزت اور بلندی اور فتح و کامرانی کا راز، محمد رسول اللہ کی غلامی اور پیروی میں ہے۔ لہٰذا آپ کی بعثت سے لے کے قیامت تک قوم و دنیا نے اگر فلاح و کامیابی اور سعادت و نجات پائی ہے تو اسی قدم نے اتباع اور اسی سے وابستگی میں ہے۔

عرب قومیت کے علمبرداروں نے کیا دیا؟

ان واقعات کی روشنی میں ہم واقعی اس قومیت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس سے عقل حاصل کرتی ہے، ہم کیوں نہیں اٹھا سکتے؟ ہم اس امر کا جائزہ کیوں نہیں لیا کرتے کہ جس ان عرب قومیت کے علمبردار اور انتہا پسند طبقہ نے ہمیں کیا دیا؟ کس بوسیدہ اصول کے رخ کو انھوں نے موڑا؟ کون سی آفت ٹوٹنے میں یہ پیش پیش رہے؟ کون سا دن منایا؟ اور انھوں نے دوبارہ حاصل کیا؟ اقتصادی اور معاشی خوشحالی انھوں نے کیا پیدا کی؟ یہ صناعت و حرفت ایجاد و اختراع میں عرب مسائل کی پیدا کردہ اور خوشحالی کہاں تک ہوئی؟ انھوں نے تو ہماری تاریخ کے تاریخ پر سیاہی پھیر دی، ہمارے عرب دانش کا بڑا حصہ کتابوں کے دیمک سے نہ نکل سکا، یہ ہیں اپنی اسلامی عربی تاریخ پر فخر کیا کرتے تھے..... مگر آج..... عام محفلوں میں اس کا ذکر بھی شاذ و نادر ہوتا ہے، جو محفلیں اس کے ذکر سے گرم و مشتعل ہوتی تھیں وہ اب قومی دردمند دلوں کی بے اثری کی مثال ہیں۔

عرب قومیت میں غیر عربوں کے لئے کوئی کشش نہیں

[illegible] اس کی وجہ یہ ہے کہ [illegible] عرب قومیت میں [illegible] اور [illegible] ہے [illegible] اسلام [illegible] عرب قومیت [illegible] اسلام [illegible] اسلام [illegible] عرب قومیت [illegible] اسلام [illegible] عرب قومیت [illegible] اسلام [illegible] عرب قومیت

دنیا تمہاری منتظر ہے

اے عزیز! اسلامی دنیا تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ اس کی قدر و منزلت کی میراث اور اس کی عظمت کی بازیابی کے لئے وہ تمہاری منتظر ہے۔ وہ تمہاری منتظر ہے کہ تم اسے ان تاریک صدیوں کی جہالت سے نکالو جس نے اسے پامال اور مشرق و مغرب کا محتاج کر دیا ہے۔ قیادت اور ہدایت کے اپنے اس عظیم مقام کو وہ صرف دوسروں کی مدد اور تعاون کی وجہ سے ہی دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تمہارا فریضہ ہے کہ تم ۔۔۔ یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس معرکہ میں تمہارے ساتھ رہو۔

اپنے من میں ڈوب کر پا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

"ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم"

اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء

لحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

اسلام کی دائمی ضرورت:

[illegible] ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ [illegible] اس میں کوئی شک نہیں کہ [illegible] ایسے حالات سے دوچار ہوتی رہتی ہے جن میں [illegible] ہوتی رہتی ہے [illegible] ایسے [illegible] ہیں جن کا [illegible] ہوتا رہتا ہے [illegible] ہوتا رہتا ہے [illegible] ہوتا رہتا ہے

اور زندگی کے قوانین کی مانند ابدی اور دائمی ہے کیونکہ اسے وحی کرنے والا طاقت والا، کامیاب اور بے نیاز ہے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شیء (سورۃ النمل آیت ۸۸)

(ترجمہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(ترجمہ) آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اس) دین اسلام کو پسند کیا۔

اس دین کو وہ صلاحیت حاصل ہے، اس کے بعد کسی اور دین کا انتظار نہیں، نہ کسی دین کی موجودگی میں کسی نئے پیغام کی ضرورت نہیں، اس میں زندگی کے جو بھی مسائل موجود ہیں جو بھی نئے نئے مسائل پیش ہوتے رہیں گے اس میں سب کی وقتی اور عارضی حل موجود ہے، اسی وجہ سے وہ ایک طرف زندگی کے ہر شعبہ اور اس کے ہر قدم سے قدم ملا کے رواں دواں ہے تو دوسری جانب اس کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے اس کی تحریفی اور رد و بدل کی ہر کوشش اور کارروائی کو رد کرتا رہتا ہے۔ دوسری مذاہب کے تحریف شدہ ادیان کی طرح ترقی کی راہ میں حائل نہیں، نہ ہی وہ بعض نظری فلسفوں کی طرح جامد و گراں ہے بلکہ زندہ انسانوں کے لئے زندہ اور مکمل دین ہے جو انسانی شعور کا ادراک رکھتا اور اس کی ضروریات کا انتظام رکھتا ہے، حکومت میں اس کی رہنمائی اور نگرانی کی جانب بڑھنے سے اسے روکتا ہے۔

امت مسلمہ، شریعت اسلامیہ اور انسانی زندگی:

امت مسلمہ اس امر کی صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ اجتہاد، تخریجات، نئے محدود اور قیاس کی مدد سے نئے نئے مسائل کا حل پیش کرے۔ چنانچہ وہ ان دونوں کے خلاف اور بالکل حاصل کی ہوئی تعلیموں کا دو قوتوں سے مقابلہ کرتی ہے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اجتہاد اور مجتہدین:

اسلام جزیرۃ العرب میں طلوع ہوا، یہاں زندگی سادہ اور تہذیب اپنے ابتدائی دور میں

تھی۔ اہل علم نے اسلامی ممالک کے مختلف علاقوں میں جا کر وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا اور مختلف علاقوں کی مختلف علمی روایات کو اپنے اندر سمو لیا۔ اس طرح ان کی علمی صلاحیت بہت بڑھ گئی۔ ان کی تصانیف میں ان کی وسیع النظری اور علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرت، لغت، نحو، صرف، بلاغت، منطق، فلسفہ، ریاضی، طبیعیات، کیمیا، نباتات، حیوانات، معدنیات، طب، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاق، تصوف، سلوک، اور دیگر بہت سے علوم شامل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں جو بھی رائے ہو، یہ بات یقینی ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے بعد سے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لئے مختلف انداز سے امت اسلامیہ ان کی پیروی کرتی رہی ہے۔ انہوں نے زندگی میں ہر قدم پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ قرآن کریم اور اس کی تشریح و بیان کرنے والی سنت رسول کی طرف رجوع کیا۔ ان کے سامنے جو مسائل آتے تھے ان کا حل وہ قرآن و سنت میں تلاش کرتے تھے۔ اور اپنی ذہانت اور اپنی روشن آنکھوں سے وہ ان میں حل تلاش کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو صلاحیت عطا فرمائی تھی اس کے ذریعہ وہ ان مسائل سے عہدہ برآ ہوتے رہے بلکہ کبھی کبھی ان میں اضافے بھی کرتے رہے۔ وہ ان کی چھان پھٹک کرنے اور ان کی تہ تک پہنچنے میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ فقہا میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی۔ ان کے بعد کے زمانوں اور ان کے علاقوں سے بہت سے فقہا نکل کر دوسرے علاقوں میں روانہ ہوئے۔

امت اسلامیہ کی زندگی میں اجتہاد کی فضیلت:

ان آئمہ مجتہدین اور فقہاء نے اسلام کا وہ اسلامی ابتدائی صدیوں میں روشنی کا مینار تھا۔ ان کی کوششوں اور روشنی نے سبب امت نے بڑی اہم دینی معاملات اور دنیاوی پالیسیوں میں مدت عمل پیدا ہوئی۔ اور یہی مدت عہدات خلافت اسلامی نظام اور شخصی قانون میں بھی نظر آنے لگی۔ ان آئمہ نے دلیل اور فکری جرأت کے لئے راستہ ہموار کیا۔ یہی سبب ہے کہ یہ امت اس دینی اور قانونی انتشار سے محفوظ رہی جس انتشار کا دوسری قومیں اور ادیان شکار ہوئے اور اس میں شکار ہوئے اور ان کی اکثریت غیر دینی زندگی کی طرف لے گیا اور اس طرح ایسا دینی نظام وجود میں آیا کہ اقوام اپنے دین کی ہدایت کے خلاف اپنی قومی زندگی کو چلانے کے لئے یا تو بعینہٖ یا تبدیلی کی طرح دین سے جدا ہونے کے طریقے کے مطابق عمل کرنے لگیں۔

اس بنیادی ضرورت کے سبب امام اجتہاد و مسائل کے استنباط میں کتاب و سنت کے علاوہ کسی دوسرے ماخذ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کے بعد کے مجتہدین نے بھی اس طریقہ کو اختیار کیا۔ ان سے اپنے پیش رو ائمہ کی بھی مخالفت اور تنقید کی ہے۔ اور ان کے اجتہادات کو بھی رد کیا ہے۔ اور ان کی جگہ دوسرے اجتہادات پیش کئے ہیں۔ اسلامی دنیا میں ایسے مجتہدین کی کمی نہیں رہی اور ایسے فقہاء کی بھی جو ان کے اجتہادات کی تشریح کرتے رہے۔ اسلامی دنیا میں ایسے قانون ساز بھی رہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے لئے قانون بنائے۔ اسلامی تاریخ

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی ذات کے لیے کام کرنے کی پوری آزادی ہو۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہر شخص کو اپنی ذات کے لیے کام کرنے کی پوری آزادی ہو۔ اس کا مقصد یہ

ہوتی ہے اور اس کا تعلق اس کے مصنف کے دور سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس میں بیان کی گئی باتیں کس دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس میں بیان کی گئی باتیں کس حد تک درست ہیں اور کس حد تک غلط۔ اس کے لیے ہمیں اس کتاب کے مصنف کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہی ہم اس کتاب کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔

اس کتاب کے مصنف کا نام [illegible] ہے۔ وہ [illegible] کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق [illegible] سے تھا۔ وہ [illegible] کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ ان کے بارے میں جو کچھ بھی معلومات ہمیں حاصل ہیں وہ اس کتاب کے مقدمے میں موجود ہیں۔ اس کتاب کے مقدمے میں مصنف نے اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق

چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت

پانچویں صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت

جان لیجئے کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگ ایک ہی مذہب کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے، ابو طالب مکی نے اپنی کتاب "قوت القلوب" میں لکھا ہے کہ بے شک تابعین اور مسائل کے تمام سے وجود میں آتے رہتے تھے۔ سلف کے اقوال، ایک مذہب کے فتاوی ہر چیز کے بارے میں ایک شخص کا قول یا حکایت یا اس کے فقہی مذہب کو پڑھنا، پہلی اور دوسری صدی ہجری میں کسی کے لئے اس کے پابند نہیں تھے۔

میں کہتا ہوں کہ دو صدیوں کے بعد ان میں تخریج مسائل کا منصب پیدا ہوا حالانکہ چوتھی صدی ہجری کے بالشافعی ایک مذہب ایک فقہ اور کسی ایک شخص کے قول یا حکایت کی تقلید محض نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں ہوا۔ اس عمل میں عامۃ الناس اور علماء بھی شامل تھے۔

عوام الناس کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے اجتماعی مسائل میں مسلمانوں یا مشہور مجتہدین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ ان میں صرف صاحب شریعت کی تقلید کرتے، وضو، غسل، نماز، روزہ وغیرہ کی تعلیم اپنے والدین یا اپنے شہر کے علماء سے حاصل کرتے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ جب انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو کسی مذہب کا فرق کئے بغیر، انہیں جو بھی مفتی میسر آتا اس سے مسئلہ کا حل دریافت کرتے۔

خواص کا یہ حال تھا کہ وہ اہل حدیث تھے۔ اس لئے حدیث پر عمل کرتے تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار تک اپنے کو محدود رکھتے کسی مسئلہ کے بارے میں جب انہیں صحیح یا مستفیض حدیث مل جاتی تو اس کی موجودگی میں انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض فقہا بھی اسی پر عمل پیرا تھے۔ حدیث نبوی، جمہور صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال پر عمل نہ کرنے والے کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی مخالفت کو پسند کرتے تھے۔ جب کسی حدیث میں تعارض ہوتا اور اس میں ترجیح کا پہلو معلوم نہ ہوتا یا زیر بحث مسئلہ کا کوئی حل میسر نہ آتا تو وہ لوگ ماضی کے بعض فقہاء کرام کی طرف رجوع کرتے۔ اگر انہیں ہم پلہ اقوال ملتے تو وہ کسی ایک یا ان میں سے ثقہ قول کو اپنا لیتے۔ وہ اہل مدینہ یا اہل کوفہ کے قول میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں واضح احکام نہ پاتے تو وہ خود مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اور فقہی مذاہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ مروجہ فقہی مذاہب

ہے یہ اس طرف منسوب ہوتے تھے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے فلاں حنفی ہے۔ اول صدی ہجری ان مذاہب میں سے کسی مذہب سے زیادہ متفق نہ ہوتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ اجتہاد کے ماسوا کوئی دوسرا شخص قاضی یا مفتی نہیں ہوتا تھا اور فقیہ کو مجتہد کے علم سے ہی علم حاصل ہوتا تھا۔ ان صدیوں کے بعد لوگ اپنی اپنی پسند کا مذہب اپنانے لگے۔

متبع رسول ﷺ کی اجتہادی فکر

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے مسئلہ کے بارے میں کیا انصاف کی بات کہتے ہیں۔ جو مذہب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ رکھتا ہو یعنی ان دو کتاب و سنت سے ثابت شدہ شرعی علم تک ہر وہ رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ ایک عالم شخص ہے یا وہ ہر اس علم میں مشغول ہے یاد آوری (تصوف) خلد رسائی کرنے والے مسائل سے میسر نہیں یا وہ ان تصوف سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ان تمام وجوہ کو فصل فرماتے ہیں تقلید حرام ہے۔ کسی کے لئے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا قول اختیار کرے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کہ جب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہو تو وہ قول دین نہیں ہوتا۔ لہذا ابو حنیفہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل مروی ہیں اور ان حالات اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ امور کو ہی حرام جانو لیکن جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ناواقف ہو اور ان کے ثبوت کی حالت میں سطح تک پہنچ جائے اور پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مسائل کا استنباط کرنے تو وہ بدرجہ بالا عالم کی پیروی کرے۔ کیونکہ وہ عالم ہو کچھ کہتا اور فتویٰ دیتا ہے اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے اگر اس کے خیال سے اختلاف ہو تو اس سے تحقیق کئے بغیر اور اپنی رائے پر اصرار کئے بغیر بات ختم کر دے کیونکہ اس حقیقت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے کہ فتویٰ پوچھنا اور فتویٰ دینا مسلمانوں کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے رائج رہا ہے۔ اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ بعض ایک ہی فتویٰ مع پوچھا جائے یا کبھی کبھی فتویٰ دریافت کیا جائے۔ جبکہ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس

پر اجماع امت ہے، ایسا کیوں نہ ہو؟ کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ پر ایمان نہیں رکھتے؟ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا اور ان کی اتباع ہم پر فرض کی کیا کل وہ معصوم ہیں اگر ہم مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ وہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا عالم ہے، اس کا قول یا تو کتاب وسنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقے سے استنباط کیا گیا ہوگا، یا قرائن سے جانا گیا کہ ہماری معلوم مشکل کا حل اس طریق سے ہے اس علم سے ایسے مجتہد کا دل مطمئن ہوا اور اس نے ان امور کو جن کے بارے میں کوئی نص نہیں ایسے امور پر قیاس کیا جن کے بارے میں کوئی نص موجود ہے گویا وہ کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی یہ علت موجود ہو تو اس کا حکم یوں ہوگا۔ قیاس کرنے والا اس علم میں اضافہ کرسکتا ہے اور یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا، یہ مجتہد کا طریق کار تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے؟ کیونکہ ہمیں معصوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہم پر فرض کی گئی کی صحیح حدیث مل جائے جو کسی مذہب کے خلاف ہو اور پھر ہم نے حدیث کو چھوڑ دیا اور اس نفلی بات کی پیروی کی تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہوگا اور قیامت کے دن بے تعلقین کے حضور ہمارے پاس کوئی حجت نہیں ہوگا۔

مذاہب اربعہ کی خصوصیات:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلند پایہ رسالہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں چاروں مذاہب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

جان لیجئے۔ ان چاروں مذاہب کو اپنانے میں بہت بڑی مصلحت ہے ان سب کو چھوڑنے میں بڑا فساد ہے۔ ہم اس کے اسباب بیان کرتے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو پانے کے لئے اپنے اسلاف پر اعتماد کرتی ہے۔ تابعین نے ان امور میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور یہ عمل برابر جاری رہا۔ بعد کے مسلمان اپنے پہلوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ عقل بھی اس کی اچھائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے کیونکہ شریعت، روایت اور استنباط سے جانی جاتی ہے اور روایت اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک

پہلے کردہ سے مل کر روایت بنتی ہے۔ اسی طرح تابعین کے بعد تبع تابعین کے مذاہب کا علم بھی ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال سے اقوال صحابہ میں اور ان اقوال سے قرآن و سنت کو سمجھنے میں مدد ملے اور پہلے افراد کی روایت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تمام تفصیلات جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تجزیہ اور پرکھنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں تاکہ ان کے مابین سے تحقیق اور تنقید کیا جاسکے۔ ماضی سے تعلق قائم کرکے ہمیں حال کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے اگر پوری طرح یہ ایسا ہوتا ممکن ہے۔ جب اسلاف کے اقوال پر اقوام جمع ہوں صحیح اور غلط کے تمام دعوی ہوں یہ شہادتیں ہوں میں جمع ہوں اور ان کا تجزیہ کیا جائے مختلف علماء اقوال میں سے قابل ترجیح قول کی وضاحت کی جائے۔ بعض مقامات پر ہم علماء کی تخصیص کریں بعض دوسرے مقامات پر مطلق و تقیید بتائیں مختلف قوانین کو جمع کریں اور ان کی تحسین بیان کریں۔ بصورت دیگر ان پر اعتماد درست نہیں ہوگا۔ ان آخری ادوار میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی اور اہل مذہب موجود نہیں ہے۔

اجتہاد کی ضرورت، جدید نسل کی کوتاہی:

اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں آج کل بہت سی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ آزادی اور ہدایت کے لئے خود علامت بن گیا ہے۔ بلاشبہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس دین کی ضروریات میں سے ہے اور زندگی کو آگے بڑھانے اور اس کی قیادت کرنے کے لئے تہذیب، صنعت اور تجارت اس متعلق آتی رہتی ہیں اور ہمارے سامنے ہیں۔ نئے نئے مطالب پیدا ہو چکے ہیں معاہدات اور تجارتی امور ایسے قسم کے ہیں۔ ہمارے نوجوان کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اداروں اور اصولوں پر قائم ہو۔

لیکن بدقسمتی سے نوجوان نئے مسائل اور آج کی ایجادات کے بارے میں صدائے اجتہاد بلند کر رہے ہیں۔ جبکہ علم و علوم کے نظری قائدین بڑی اور اعلیٰ ڈگریاں عرب ممالک میں بیرونی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان۔ ان کی عربی تہذیب کے بارے ایسی صلاحیت، ذہانت اور قوت ارادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس میں بہادری، روانی شامل ہوتا کہ وہ عربی تہذیب کے طریقوں اس کی خامیوں اور

خلیوں اور معاملات میں خاموشی کی صورت اپنے رستے الگ کر لیں ان سے ایسی خلافت وجود میں آئے جو دینی تعلیمات عصری تقاضوں اور مشرقی مسلم اقوام کی طبیعت کے مطابق ہو جس سے موجودہ نسل کا تعلق بھی برقرار رہے اور ان اقوام کو دوسرا کھانے کی ذلت سے نکال کر دنیا میں امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کرے اور ان اقوام کو راہ دکھائے جو ہدایت سے نکل کر پستی میں گر چکی ہیں۔ جب مغرب نے کوئی چیز لی تو پہلے اس کو دنیا و مافیہا سے خارج کر دیا جو تاریخ یورپ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں اس پر کتنی ہولناک صورت بیت چکی ہے کہ آج ہم یورپ سے جو کچھ لے رہے ہیں وہ ایک عصبانی تخلیق اور نفسیاتی الجھن کی کیفیت میں لے رہے ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ یورپ کے ان علوم کی آج ہمیں سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اختصاصی میدانوں میں جیسا کردار ادا کیا ہے یہ جو دونوں انتہاؤں کے مربوط اور تحریفی نظام میں آزاد اسلامی ذہن بھٹک رہا ہے کسی اجتہاد کے مشابہ ہے جو ان کے فطری اور قدرتی ذمہ داری قبول کرتا۔ لیکن یہ تو کسی انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے قول سے جلد ہی بیزار ہو جاتی ہے اور دوسروں سے مطالبہ شروع کر دیتی ہے کہ وہ اس کا فریضہ ادا کریں۔

اس رائے کے ہی مرتکب ہو جاتے ہیں کہ اجتہاد کو بھی جائے۔ درحقیقت شرعی مسائل اور عصری ایجادات کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ شرعی علوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان میں بے باکانہ اور اپنی کردار ادا کریں وہ اس قیمتی سرمایہ سے استفادہ کریں جو اصول فقہ کے نام سے معلوم ہے جس کی فقہ اجتہاد مسائل کے استنباط کے میدان میں دوسری کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ زمانہ کی دوڑ کو نہ روکا جا سکتا ہے نہ وہ معطل کیا جا سکتا اور نہ ہی ماضی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسلام آج اقوام اور معاشروں کا دین ہے جنہیں یہ مسائل درپیش ہیں اور جنہیں ان کا ہر روز سامنا ہوتا ہے۔

بعض علاقوں اور ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کے اسباب:

مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں امت اجتہاد پر قائم رہی اور علمائے کرام بھی اس پر عمل پیرا رہے جس کی مثالوں اور نمونوں سے چاروں مذاہب کی فقہی کتب پر ہیں۔ تاتاری حملوں

اجتہادی حدود

اہل مغرب کی بات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جدید تہذیب اپنا رنگ چڑھانے پر جس طرح اور جس حد تک اصرار کرتی ہے اس کے لئے اس کو کچھ اجتہادی تصرفات کی ضرورت ہے۔ مسلمان مختلف اجتہادی درجات اور رعایتوں کے باوجود مغربی اقدار و معاشرتی طریقے پر اپنا کوئی ایسا نمونہ پیش نہیں کر رہے تھے جس کو اسلامی معاشرہ دیکھ کر اس کی طرف اپنی چال چلنے کا فیصلہ کر لیتا۔ مغرب نے ماضی میں اپنا جو نمونہ پیش کیا تھا وہ اب بھی ضائع نہیں ہوا ہے اس کی آبادی کا بڑا حصہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں دیکھتا اس کی اندرونی طبیعت اس کی حقیقی زندگی سے اس کو مطمئن نہیں رکھتی۔ یہ بیماری اس کے اپنے اندر ہے اس کے اپنے ہی ماحول نے اس کے سامنے کھڑی کر دی ہے۔ وقت کے ساتھ وہ اس پر بیماری سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش میں وہ اپنی تصویر بدلتا ہے اور اس میں اس کی اپنی ہی تہذیب کے وہ پہلو سامنے آتے ہیں

وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں اور ان کے لئے کوئی بھی چیز ایسی موجود نہیں ہوتی جو کل کی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہو۔ یہ حقیقت سے زیادہ قریبی تصویر ہے اور صورت حال کو منطقی اور حقیقی انداز سے بیان کرنے کی بجائے جذباتی انداز میں مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

دین ہی زندگی کا محافظ ہے:

دین کا مطیع اور پیروکار ہونے کے لئے یہ بھی مکمل نہیں کہ میں ان کی ایسی تبدیل شدہ حالت کو تسلیم کروں جس کا دین حل پیش کرتا ہو۔ آپ بھی ایسی کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دین آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ آپ خدا کے حدود کی پکار کرنے سے قاصر رہیں اور ہی وہ آپ سے تقاضا کرتا ہے کہ ہاتھوں کو روکے مطمئن کر لے۔ ان الفاظ سے دین کی تعریف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ مغربی تہذیبوں کی طرح ہو۔ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہونا چاہتا ہو کہ دین وقتی تبدیلیوں سے ہر چند سال کے بعد پامال ہو جائے۔ کسی خود ساختہ دین نے کبھی ممکن نہیں کہ وہ ایسی صورت حال برداشت کرلے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دین ایسا ہو؟

بے شک دین واقعی حقیقت کی طرح تبدیلی کا اعتراف کرتا ہے اور درست تبدیلی کے تحت معاملات کو پھیلنے پھولنے کا موقع مہیا کرتا ہے۔

دین زندگی کے دوش بدوش ترقی کرتا ہے اور ایک نامیاتی حیثیت سے اس کا ساتھ نہیں دیتا اور یہ امر دین کے فرائض میں سے ہے کہ وہ مفید اور غیر مفید، تعمیری اور تخریبی تبدیلی کے مابین امتیاز کرے۔ دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ نشان دہی کرے کہ ان تبدیلیوں انسانیت یا کم از کم اس کے بڑے حصوں کیلئے مفید یا مضر ہے۔

ایک طرف تو دین فعال زندگی کے دوش بدوش چلتا ہے تو دوسری طرف وہ محافظ و نگران کا کام سرانجام دیتا ہے کیونکہ نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اسے ہی سونپی گئی ہے۔

دین کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے زیر حمایت کمزور اور ناتواں لوگوں کے ہر کام میں مدد کرے اور انکی ہر نئی اچھی یا بری خواہش کی تائید کرے۔ بلکہ ان چیزوں پر مبنی تصدیق ثبت کرے جو ان کے سامنے پیش کردہی ہے۔ دین دراصل جس چیز کا اس کی حیثیت ایک رہنمائی کی ہے، وہ ایک خبردار کرنے والے کی ہے۔ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر مقابلے اور ہر معاملے سے اتفاق کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں میں تمیز کرے اور ان میں سے مفید چیز کو اختیار کرے۔

پہلے وہ (وثیقہ) اہل ایمان چھنک اٹھے۔ پھر اس نے بارے میں کوئی عہد ہاری نہ ہے۔ اور اس میں کوئی چیز خط یا نقصان دہ اور دین کی پیشکش ہو کوئی کمزوری نہ آنے دی اور ممکن ہو حالات کے مطابق طاقت سے مقابلہ کرے جب اس کے راستے کوئی ایسا وثیقہ پیش کیا جائے جو اس کی اصل میں آمادگی نہ لے لئے ضرر رساں ہو تو وہ صاف خود اس پر ہر قسم کی ثبت رکھنے سے باز رہے کار بند اس کا پوری قوت سے مقابلہ کرے گا اور اس مقام پر دین اور اخلاق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ دین ناقابل اور دنیا داری کہتا ہے کہ اخلاق کی پابندی نہ کرے اور اس کا ذکر کرنے والے اخلاق کی طرف اشارہ کرتے اور اس کے اظہار کو بری نظر سے دیکھتا ہے۔

اس وقت کفر اور ایمانی طاقت دراصل دو ایمانی کے درمیان ہے اور دین کی حیثیت اور پیغام سنت کی بھی اپنے زمانے کے تقاضے اور ان کا پیدا کردہ بالکل مختلف اور تبدیلی نہ ترقی اور ترقی پذیری کے تین مطابقت حکمت اور ثروت پر نہیں قدیم دور کی حفاظت کے پیش نظر ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم موجودہ زمانہ میں فقہ اسلامی کی ثروت تک نہ پہنچ سکیں۔ ترقی اور دعوت میں جو بلند مقام حاصل ہے وہ اختیار کیا جائے یا نکلے نکلنے کے لئے نہیں۔ نیا اسلامی معاشرے کی یا اصل ضرورت ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات دراصل کو پوری دور میں عمل پیرا ہو جو موجودہ دور کی طرح اخلاق پر نئے تہذیب یافتہ ہے جس میں انسان کی قدرتی طور پر تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور آگے بڑھ رہی ہے۔

وعلی اللہ قصد السبیل و منھا جائر

اور دین کے دو راستے ہیں ایک سیدھا راستہ ہو خدا تک پہنچتا ہے۔ اور بعض ٹیڑھے راستے پر ہیں۔

مغربی تعلیم اور اس کے تباہ کن اثرات

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله اما بعد

ایک اہم مسئلہ:

حضرات! آپ کی عنایات سے میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل اور وضاحت و صراحت کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ موضوع کی نزاکت اور اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ کچھ بہت دور سے شروع کی جائے۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ آج کا پیدا کیا ہوا مسئلہ نہیں اور نہ ہمارا کا نہیں ہے۔ یہ ایک بہت قدیم مسئلہ اور پرانی مشکل ہے جس کی جڑیں امت کی زندگی اور تاریخ میں اتنی تک پیوست اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس مسئلے میں پہلی تمہیدی حقیقت جس سے صرف نظر کرنا ممکن ہے، وہ ہندی معاشرے میں ایک ایسے طبقہ کا وجود ہے جو اس عقیدے پر جس پر ہمارے معاشرے کی اساس ہے، قلبی طور پر ایمان نہیں رکھتا اور وہ ان حقائق و مبادی اور مقاصد و اقدار پر یقین نہیں رکھتے جن کے لئے یہ معاشرہ زندہ اور تابندہ ہے۔

انسانی معاشرے کا مزاج:

یہ ایک اصل ہے کہ انسانی معاشرے کا مزاج اور خاصہ ہے کہ وہ کسی مخصوص عقیدہ اور معین حد و دو ضوابط پر مبنی ہے اور جب اس معاشرہ اور جماعت کا کوئی فرد ان حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے اور ان حقوق و امتیازات سے بالکل محروم ہو جاتا ہے جو ان کو اب تک حاصل تھے۔ ہر طرف تو ہتوں نے جس کا دارومدار عقیدہ و مسلک اور رسم و قسم کے صحیح اور غلط طرز زندگی اور کردار کے لئے خطا رہتا ہے اور ان کی صاف ایک شرط ہوتی

ہے اور وہ یہ کہ یہ فرد اپنی قومیت تبدیل نہ کرے، حکومت یا ملک کے خلاف کوئی سازش نہ کرے اور کسی قومی غداری کے جرم کا مرتکب نہ ہو۔

یہ مشکل اس وقت اور بڑھ جاتی ہے اور ان لوگوں پر اس معاشرے نے اٹھنے بسنے کی ذمہ داری ہے، ان کے لئے سب سے سنگین مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ عنصر (جس نے اس عقیدہ کو کبھی اخلاص کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا یا کسی وجہ سے اس کو ہضم نہیں کر سکا تھا یا کسی خاص سبب سے ہضم کرنے کے بعد اسے پھر خارج کر دیا تھا) اس مسلم معاشرہ کے اندر اور قریم کے اندر اس نے ایک جزوی حیثیت سے زندہ رہنا اور پھلنا پھولنا چاہا ہے اور اپنے مستقبل کو کسی مصلحت یا مجبوری سے اس نے مستقبل سے وابستہ کرتا ہے لیکن یہ ہیں اپنے کو اس کے مطابق ڈھالنا ہی اس کے بقاء میں رکھتا اس کو کسی حالت میں گوارا نہیں ہوتا۔ وہ اس معاشرے کے مسلمہ بنیادی حقائق و تصورات اور صفات و خصوصیات پر یقین نہیں رکھتا اور نہ اس کے اندر اس کے لئے کوئی گرم جوشی اور اخلاص پایا جاتا ہے، غور سے دیکھا جائے تو یہ بات فتنہ ارتداد سے زیادہ خطرناک، فتنہ انگیز اور دور رس ہے جس کی سنگینی سے ہمارا مسلم معاشرہ واقف ہے۔

یہ مسئلہ اس وقت اور پیچیدہ بن جاتا ہے جب یہ عنصر اپنی ذہانت و ہنرمندی سے عوامی اعتماد حاصل کرنے اور دوسروں پر چھا جانے کی وجہ سے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور پھر اس کے بعد پورے معاشرہ کو اس راستے پر لے جاتا ہے جو اس کے نزدیک الحاد و بے دینی اور اس کے طے شدہ اصولوں اور اخلاقی قدروں سے بغاوت کے راستے ہیں۔ بعض اوقات اس کو ان مقاصد کی طرف بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا جاتا ہے جو اس کے دین و عقیدہ کے سراسر منافی ہوتا اس کے متوازی ہوتے ہیں، وہ ایک ایسی مہلک نفسیاتی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے جس سے زیادہ سخت کشمکش تاریخ انسانی، تاریخ اخلاق و نفسیات اور تاریخ مذاہب میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو۔ وہ موت و زیست کی درمیانی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے جس سے اس کو کسی وقت چھٹکارا نہیں ملتا۔

اس قیامت کے اثر سے، جو اپنے معاشرہ اور قوم کے دین و عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ اکثر اوقات اس سے برسرپیکار اور آمادہ فساد رہتی ہے فکری و ذہنی ارتداد کو مکمل ہوتے دیر نہیں لگتی

ہے اور ان کا کس کی ایک بڑی تعداد جن کے پاس اخلاقی یا مذہبی مخالفت کا کوئی سامان یا جذبہ اور مزاحمتی قوت کا کوئی ذخیرہ موجود نہیں ہوتا اس صورت میں غلبہ اور تسلط کے یہ حالات کے پیمانہ بن جاتے ہیں اور پھر دوسری شکل میں تدریج پورے معاشرے میں عام ہو جاتا ہے۔ معاشرے کی داخلی قوت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا پورا ڈھانچہ اندر ہی اندر اپنے لئے ملک ہو کر غریب عام ہوتا ہے اور زندگی کی نشوونما کی صلاحیت اور قوی حیات کے واقعات بلکہ ہیں آتے ہیں جس طرح بیرونی سے بڑی قابل اعتماد اور مقدس میراث کا اور ذرائع آسان ہوتا ہے ملک سے ملک تک ہے اس طرح سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جاتے ہیں جاہلوں اور ناکاموں کے ہاتھوں میں بیچوں کی ان کی ہے وہاں اس ضرورت کے لئے کوئی بھی طریقہ اور سلیقہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں ہوتا یہ وہ صورت ہے جس کی تصویر ہی اسلامی معاشرہ میں اس وقت پیش آتی ہے جس کے عروج و ترقیات کے درمیان آنی ہیچ گہری اور بلندی و نظم پائی جاتی ہے) نہیں ملتی۔

معاشرہ میں کمزوری:

اس کے نتیجے میں یہ معاشرہ اسی بیرونی شکل یا ضروری خطرہ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا اور اس کی اصل وجہ یہی داخلی انتشار اور تفریقی کشمکش اور قیادت اور اس کے ذمہ داری اعلانات اور نعروں سے عوام کی بے اطمینانی اور بے یقینی ہے یہ سب حالات وہ تقویت کا مستحق تھے اور تفریت انسانی کا طبعی خاصہ ہے اور ان تمام نعروں کی قدیم و جدید تاریخ اس پر گواہ ہے جو اپنے قائدین رہنما یا اپنے حکام و امراء کی ہیبت سے پیدا ہوئی ہے اور جہاں کہیں بھی قیادت میں بنیادی تم آ گئی اور کمزوری یا ہیبت کمی پیدا نہیں ہوئی۔

الغرض اس اسلامی سوسائٹی سے جو خود وہ ہوئی اسلامی نظام پر قائم تھی اور جس نے نبوت محمد ﷺ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، اس طبعی اور تاریخی حقیقت اور مرحلہ کا مقابلہ ہے مقابلہ اس حد تک ضرور کیا جاتا ہے اس کی تعلیم انسان

چوری چھپے گھسنے اور خلل اندازی کرنے کا موقع ہی نہیں رہا تھا، وہ سامنے آئے اور وہ عمل کرنے اور منصب و اقتدار تک پہنچنے کی بات تو بہت دور کی بات تھی، وہ تو یہ یقین اسلامی سوسائٹی پر بہت مہنگا پڑا اور ان آلائشوں سے محفوظ رہی، اخلاق اس کو ورثہ میں ملا اور وہ نہ صرف بھی اس نقصان پہنچانے کا موقع نہیں ملا، بلکہ ان کی تربیت کی بہت سے خاندانوں اور معاشرہ کو یہ بہت سے صحیح اور پختہ اخلاق کے حامل اور بہت سے ایسے اقدار بھی ملے تھے، یہ خیال بعد میں کہ شاید ان کی عمر ختم ہو چکی ہے اور مدت ہوئی کے بعد اب اخلاق کا کوئی وجود نہیں رہا لیکن اخلاق پہلے بھی اس کی زندگی کا ایک خاصہ اور بہت سے لوگوں کی فطرت تھی اور آج بھی ہے اس نے کسی وقت قافلہ انسانی کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے اور موقع اور گنجائش سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی جگہ بنائی ہے۔ بہت سے اسباب و عوامل نے ان کی تشکیل کا یہاں موقع نہیں، اس کی وجہ اندرونی کی اور اس کو تخت سلطنت تک پہنچایا، اخلاقی مضبوطی نے ان کو ہر عصر اور ہر ملک میں کامیابی کا موقع دیا اور یہ سب اس وجہ سے ہوا جب اسلام تلوار کے زور سے پھیل رہا تھا، فاتح و حاکم رہتا اور اسلام قبول کرنے اور اسلامیت کا مظاہرہ کرنے میں بہت سے سیاسی احتمال اور اقتصادی فوائد بھی تھے، یہ وہ موقع تھا جب اخلاق نے آگے بڑھ کر وسیع اسلامی سلطنت کے کلیدی اور اہم عہدوں پر قبضہ کر لیا اور جس میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کسی خاص فن یا صنعت میں اپنی مہارت کی وجہ سے یا غیر معمولی ذہانت یا کسی برتری کی وجہ سے فوراً نہیں اسی حکومت پر چھا جانا حاصل کر لیا اور ان میں بڑے اعلیٰ درجے کی اخلاقی صلاحیتوں کے لوگ اور افواج کے سپہ سالار اور بااصول قسم اور حکومت کے ذمہ کار پیدا ہوئے۔

ان حالات میں ایک مرتبہ سید نا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نفاق اور منافقین کی موجودگی کے بارے میں سوال کیا گیا اور آج کل اقتدار اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور صرف ان کے وجود کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ اس کا اظہار کیا کہ وہ حالت کی پوزیشن میں ہیں۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت! آج بھی نفاق کا کیسے وجود ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر منافقین بصرہ کی گلیوں کو چھوڑ دیں تو تم کو ویرانی کی وجہ سے وحشت ہونے لگے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر وہ نکل جائیں تو تم اپنے دشمنوں سے محفوظ و برآمد ہو سکو۔ ایک موقع پر کہا کہ خدا کی شان! اس امت کو منافقین نے کتنا نقصان

پہنچے یا اس طرح اس پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد جو علمی اقتدار اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار کا دور شروع ہوتا ہے اور مشرق اپنے ادوار سے یا براہ مغربی طرز زندگی، نظام تعلیم، دولت، فکر و مغربی تصور علوم و فنون کے مغربی زاویہ نگاہ کے سائے میں یا زیادہ بہتر الفاظ میں اس کی گود میں اس طرح آ جاتا ہے جیسے کوئی شیر خوار بچہ کسی دیرینہ سال مربی و اتالیق کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اور اس کے پورے نظام تعلیم یا مختصر الفاظ میں اس کے تصور تعلیم و اس کی ساری خرابیوں اور خامیوں نے بلا چون و چرا ان قوموں کا قوں قبول کر لیا ہے جو ایک ایسی سرزمین میں پیدا ہوا اور نشو و نما پائی جس کے عقائد، بنیادی اصول، اخلاقی قدریں، اعلیٰ معاشرتی قدریں اور بنیادی وسماجی اصولوں سے ہر جگہ اور ہر صحیح پر مختلف ہیں، جن پر وہ پورا ایمان رکھتا ہے، جن پر ایمان لانا ان کے لئے جزو ایمان کر لیا ہے، ان کے لئے جو قربانی دینا اپنے لئے شرف و فخر سمجھتا ہے بلکہ مغرب کی اخلاقی قدروں کی بنیاد ان کی ضد پر رکھی گئی اور تصور ہی پر اس کی بنیاد ہے ایک ایسے ماحول میں اس کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہوتی ہے جو آب حیات کے شوق میں سمندر کا پانی پینا چاہے یا کھاری اور نمکین پانی سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرے۔

انہوں نے اپنے تعلیمی منصوبوں اور علمی اداروں کی تشکیل میں یہ دقیق نکتہ تعلیمی مشیروں پر پورا اختیار دے رکھا ہے اور ان ملکوں سے صرف وہی کتابیں منگوائی جاتی ہیں جو ان ملکوں میں اپنے تعلیمی دور سے گزر چکی ہیں تاکہ وہ مغربی ماہرین تعلیم اور اساتذہ کی تربیت میں نشوونما حاصل کریں۔ پھر ان کو ممالک اسلامیہ کی تعلیمی منصوبوں اور پالیسیوں کی تشکیل و تربیت کی پوری آزادی بھی دے دیتے ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کو نقشہ بنا لیں اور ان کا کورس چاہیں متعین کریں۔ اس کے نتیجے میں ایسا جدید پیدا ہوا جو اپنے عقائد و افکار اور اپنے اخلاق و سیرت میں دینی انتشار کا شکار ہے، فکر مغربی اور فکر اسلامی کے درمیان تذبذب کی حالت بھی بسا اوقات بھی لیکن اس نے اکثر اوقات اپنے ملک، ملت اور اپنے معاشرے کے سارے معتقدات و مسلمات اور اصول و اقدار سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

یہ ایک بالکل قدرتی بات تھی اس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہئے بلکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مقام تعجب تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ماہرین اور مشیران تعلیم اور ان کے شاگرد اپنے کام میں مخلص

ہوں اور اس تعلیمی پالیسی اور منصوبہ بندی میں ان کے پیش نظر ... ان کی خلش دینی نسلوں کی نشوونما ہوتی ہو لیکن یہ فرض کر لینے سے بھی ان ملکوں میں پیدا ہونے والے فکری انتشار اب اور تباہی کی قضاء اور ہواری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتا اور تصویر کی صحیح تر یک رہتی ہے ان میں سے اکثر لوگوں کی اس خاصیت کو ان پر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین سے اور اس کی بنیادوں اور اصولوں سے مسلم اقوام کے مزاج اور کردار اور ان کی خصوصیت موجود کے مطابق اور مناسبی وانوں چیزوں سے واقف نہیں ہوتے ۔ وہ کتنے ہی مدارس اور نیک نیتی سے ساتھ دین سکھانے اور قوموں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہوں لیکن ان کو پہچانا ... ان کی بھی کوشش ان کی بلاغت کا ذریعہ نہیں ہوتی ہے۔

عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے بڑا اتفاق اس کا کیا ہے کہ تعلیم کوئی ایسا تجارتی سامان نہیں ہے جو درآمد کیا جا سکے ۔ اس کے مقاصد، نظام، اس کی وہ بنیادیات جو اس کی روح ہوتی ہیں وہ اقوام کے حالات کے مطابق ترتیب پاتے ہیں اور ان قوموں سے قدیم تاریخ اور روایات کے قریب تر اور مناسب ہوتے ہیں اور یہ بڑا دیرہ کار اور صبر آزما کام ہے علم دین اور دین مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا جاتا ہے جن کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہیں اور وہ ہے کہ تعلیم صرف اس عقیدہ کو مضبوط کرنے کا ایک مذہب ارشادات طریقہ ہے کہ وہ اس سے ملک یا قوم ہے ۔ اس کا مقصد فکری طور پر اس وفاداری کو پیدا کرنا اور ایسی صورت اور ایسی صلاحیت آدمی سے وہی کام لینا ہے وہ اس عقیدہ کے ... کا ایک ذریعہ اور ہے ... آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہے ۔ نظام تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ والدین اور مربیوں اور گھروں کی اس عملی تجسیم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے دین و مسلک پر قائم رکھنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور ان کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ورثے کے (جو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کیا تھا) کل وارث اور امین ثابت ہوں اور ان کے اندر اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو۔

برطانیہ کے ماہرین تعلیم کی ایک رپورٹ میں یہی بات کہی گئی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ریاست کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کے ذریعے قومی زندگی کے مکمل

[illegible] بعد میں مختلف ہوتے ہیں۔ [illegible] اپنے [illegible] طبقاتی [illegible] اور [illegible] ان کی [illegible] ریاست کی [illegible] کی [illegible] کے [illegible] پشت [illegible] مراحل [illegible] معاشروں [illegible] سے [illegible] ضرورت [illegible] ہے [illegible] اپنے [illegible] قومی [illegible] خصوصیات [illegible] سے [illegible] بالکل [illegible] بنتے [illegible] ہیں۔"

[illegible] نے [illegible] اپنی [illegible] کتاب [illegible] میں [illegible] اس [illegible] حقیقت [illegible] پر [illegible] روشنی [illegible] ڈالتے [illegible] ہوئے [illegible] لکھا [illegible] ہے [illegible]

"[illegible] طور [illegible] پر [illegible] تعلیم [illegible] سے [illegible] مقصد [illegible] صرف [illegible] کی [illegible] روایت [illegible] اور [illegible] اس [illegible] کے [illegible] مروجہ [illegible] اقدار [illegible] کو [illegible] اپنی [illegible] نئی [illegible] نسل [illegible] تک [illegible] پہنچانا [illegible] ہے [illegible] کیونکہ [illegible] یہی [illegible] وہ [illegible] چیزیں [illegible] ہیں [illegible] جن [illegible] پر [illegible] اس [illegible] کی [illegible] خصوصیات [illegible] اور [illegible] تشخص [illegible] کا [illegible] دارومدار [illegible] ہوتا [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] ان [illegible] کے [illegible] ذریعہ [illegible] ہی [illegible] ایک [illegible] قوم [illegible] دوسری [illegible] قوم [illegible] سے [illegible] مختلف [illegible] ہوتی [illegible] ہے [illegible] [illegible] [illegible]

تربیت اس طرح ہونی چاہیے کہ ان میں تعصب، تحین اور اجنبیت پرستی کے خلاف تعصب کی روح سرایت کر جائے۔"

یہی وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے مغرب اس نقصان سے محفوظ رہا جس کا شکار مشرق کے اسلامی وغیرہ اسلامی ممالک ہیں۔ چنانچہ آج مغرب میں عوام اور قیادت یا جمہور اور حکومت میں کسی گہری اور وسیع نظریاتی، ذہنی و فکری خلیج کا سراغ نہیں ملتا۔ وہاں صرف ایک طرز، ایک آئیڈیل اور ایک قسم کے اصول و نظریات اور مقاصد و تعصب پائے جاتے ہیں۔ وہاں مختلف جماعتوں اور سوسائٹی کے افراد کے درمیان کسی قسم کی ذہنی اور نفسیاتی رسہ کشی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے یہ ممالک اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے محفوظ ہیں۔

مغرب کے بعد ان مشرقی ممالک کا نمبر آتا ہے جو مدت دراز سے اپنا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے اور ان کو ان حقائق پر یقین نہیں جن کی ایمان بالغیب اور انبیاء کی تعلیمات و ہدایت پر بنیاد ہے۔ ان کے پاس متعین آسمانی تعلیمات یا محفوظ آسمانی صحیفے بھی نہیں ہیں۔ وہ صرف ان قومی روایات اور جماعتی و شخصی مفادات کی حامل ہیں جن کو یہ تعلیمی نظام اور پروپیگنڈا چیلنج نہیں کرتی اور کسی بنیاد اور دونوں کے مفادات کا ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ممالک بھی اسی طرح ہر قسم کے تضاد سے محفوظ ہیں جو مغربی نظام تعلیم پیدا کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انہوں نے اس نظام تعلیم سے صلح صفائی کر لی ہے اور دونوں میں پوری مفاہمت پائی جاتی ہے یا انہوں نے اپنے آپ کو ان تعلیمی و تربیتی نظریات کے مطابق ڈھال لیا ہے اور اس لئے انقلابات اور سازشوں کا تناسب یہاں بہت کم اور تضاد بھی بہت کم یا اتفاقی ہوتا ہے کہ قومی زندگی پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ ملک سے غداری اور قومی خیانت کے واقعات شاذ و نادر ہی رونما ہوتے ہیں اور یہاں بھی عوام اور متوسط طبقہ میں وہ وسیع خلیج حائل نہیں ہے جو ہمیں اسلامی ملکوں میں نظر آتی ہے۔ ان ممالک کے امراض اور ان کے اسباب دوسری نوع کے ہیں اور ان کے اسباب و عوامل بھی بالکل دوسرے ہیں جن کا تعلق ان کی تاریخ، ان کے قومی مزاج، مخصوص عقائد، دینی سانحہ کی کمزوری، شعور کی کمی، اور نظام تعلیم و تربیت کی فساد سے ہے۔

جہاں تک اسلامی ممالک کا تعلق ہے، وہاں یہ خلش اور عجیب تضاد بڑے وسیع پیمانہ پر اور مختلف سطح پر پایا جاتا ہے۔ وہاں ایک طرف حکومت اور جمہور میں خلش ہے تو دوسری طرف

ہی تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے یا ناخواندہ دونوں میں ایک ہی طرح کی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اور خیال اور عمل کی پسند اور عادت کی یہاں میں اور یہ سب نتیجہ ہے اس غلط تعلیم کا جو مغربی علوم سے آراستہ کیا جا رہا ہے یہ مغربی ذہن اور نظام تعلیم نے علم کو جو ان علوم میں تیار کیا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک ایسی نسل پیدا ہوئی ہے جو ان علوم اور حقائق کو پوری طرح نہ سمجھ سکی اور نہ ان کی روح کو اپنا سکی اور اس نے ان کو ایسا بگاڑ دیا ہے کہ یہ نظام تعلیم اس نسل سے خیالات کی آبیاری اس کے ذہن میں نہیں کرتا ہے اور ان حقائق اور علوم سے اس طرح پیش آنے کی صلاحیت کو ختم کر دیتا ہے جس طریقہ پر یہ علوم اور معاشرے کے لئے کارآمد ہیں بھی فارق ہے۔ اس طریقہ پر یہ کسی چیز کی اثر سے دور کی بھی نہیں کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں یہ نظام تعلیم ضرور پیدا کرتا ہے جس کو ہم ذہنی سادہ لوحی کہہ سکتے ہیں۔

جب یہ طبقہ اس نظام تعلیم کی آغوش میں تربیت پا کر نکلتا ہے تو قوم کے تقلید سے خیالات اور عادات سے اس کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہ قومی اداروں اور روایات سے ٹکرانے لگتا ہے جیسا کہ اس جگہ کے اور یہ اعلان اور اعتماد کرتے ہیں اور اس سے ہندوستانی قوم و ملک کو بھی کئی بار اس سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس موقع پر ایک ایسی دو طرفہ کشمکش ہوتی ہے جس کی مثال کسی اور سوسائٹی میں نہیں ملتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک ہی خاندان کے افراد میں ایک ایسی خلیج حائل ہو جاتی ہے جو بعض اوقات خونی رشتوں سے بھی زیادہ گہری ہوتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک ایسی خلیج حائل ہو جاتی ہے جو بعض اوقات خونی رشتوں سے بھی زیادہ گہری ہوتی ہے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں ایک ایسی خلیج حائل ہو جاتی ہے جو بعض اوقات خونی رشتوں سے بھی زیادہ گہری ہوتی ہے۔

اس طبقہ کی قوت ارادی ختم ہو جاتی ہے اور وہ طاقتور شخصیت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی تخلیقی قابلیت بیکار ہو جاتی ہے اور اس کے اندر عقائد اور قومی مصنوعی طرف سے ذہنی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ آئے دن اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا ہے۔ غیر ملکی علوم اور یورپی طاقتوں سے سازباز کر بیٹھتا ہے اور عوام نے قومی جذبہ کو دبا کر اور ملک و حکومت کو ان کے حوالہ کر دیا ہے اور یورپ سے بھیک مانگ کر لیتا ہے۔ اپنا پیٹ بھرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہماری نئی نسلیں بار بار دوچار ہوتی ہیں اور یہ ملک مستقل طور پر ہے تیزی کے ساتھ داخلی انتشار اور شکست و ریخت کی نذر ہو رہا ہے۔

اس نئی فضا کی اور نئی ضرورتوں کی صورت حال سے چھٹکارا پانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ اس پورے تعلیمی نظام کو یکسر تبدیل کر دیا جائے اور اس کو تحریر کے سانچے سے ایک نیا نظام تعلیم تیار کیا جائے جو اس ملت اور امت کے قد و قامت پر راست آتا ہو اور اس کی دینی و دنیوی ضروریات پوری کر سکتا ہو۔

یہ خود اسلام کا سب سے بڑا مطالبہ اس کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت وقت کی آواز اور اسلامیان عالم کا سب سے بڑا مطالبہ ہے

اس کے لئے کامل خلوص و للہیت کی ضرورت تھی اور ہے اور صبر آزما اور طویل جدوجہد اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور ان کو امت کے مقاصد، اس کے تقاضوں، اس کی ضروریات، مقاصد و مہمات کے حقائق بتایا جائے اور اس کے تمام اجزاء سے ہدایت، خدا سے وابستگی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور مغربی خواہشات کی پرستش اور تجمل اور چوری اور بے پردگی کی رائج الوقت میں جو بڑی وسیع کمی ہے، اس مقصد کے لئے زبان، ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عربیہ سے لے کر اقتصادیات اور معاشیات تک ہر شعبہ کے روح پیدا کرنا ہوگی، مغرب کے ذہنی غلبہ اور تسلط کو ختم کرنا ہوگا، اس کی قیادت و امامت کا انکار کرنا پڑے گا، اس کے علوم و نظریات کی تحلیل و تجزیہ اور اس پر ایک تنقیدی مطالعہ اور جرأت مندانہ رد و نقد کرنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مغرب کی کامیابیوں اور پیش قدمیوں نے انسانیت اور تہذیب کو بند گلی کے انتہا پر پہنچا دیا ہے۔

اس کے بعد کے مرحلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے وہ چیز میں تیار کرنا ہوں گی جو ان قوموں اور ملکوں کی اپنی ضروریات، رجحانات اور ان کے عقیدہ و تہذیب سے ہم آہنگ ہوں۔

اس راہ میں اگرچہ بہت سے سنگ گراں ہیں اور نتائج بھی بہت تاخیر سے ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن تجربہ پسندی، آزاد خیالی اور مغرب کی ذہنی غلامی کی جن طوفانی موج کو روکنے کا واحد طریقہ ہے جس نے عالم اسلام کو یکسر سرے سے دوسرے سرے تک ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسلام کے تعلق واجتماعی، اخلاقی اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ کے لئے ایک چیلنج بن گئی ہے اور اس کے نتیجے میں معدودے چند کے پرجوش اسلامی جذبات، ان کی سادہ دلی اور گرم جوشی، ان کی قربانیاں

اور سرفروشیاں اور اخلاص و وفا کی قیمتی سوغات (جس کا ان حکومتوں کے قیام اور غیر ملکی اقتدار سے آزادی میں سب سے بڑا اور براہ راست دخل ہے) افرنگی اور مغربیت کے تور کی حقیر ایندھن بن رہی ہے۔ سب لوح، بے زبان، سچے اور مخلص مسلم عوام خاموشی سکون کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کی طرح، معلوم منزل کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور یہ طبقہ ان کی قسمت کا مالک بن گیا ہے۔

کیا آج کوئی اسلامی ملک، کوئی اسلامی حکومت اور کوئی بڑی اسلامی یونیورسٹی اس آواز پر لبیک کہہ سکتی ہے؟ اور اپنی ساری کوششیں، توجیہات اور ذرائع و وسائل اس اہم تعمیری اور انقلابی آغاز پر صرف کر سکتی ہے؟ جو بالآخر عالم اسلام کو سب سے بڑے خطرہ اور چیلنج سے ہمیشہ کے لئے مکمل تخریب کے اس عمل سے (جو جاری ہے اور جس سے عموماً دنیا بے خبر ہے اور دوسری قومیں تباہی کے بادی النظر میں ہو خواہ مذاہب اور تہذیب و تمدن کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی) بچا سکتی ہے؟

وما علینا الا البلاغ المبین

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام
فیصل ایوارڈ کمیٹی کے نام

فیصل ایوارڈ کمیٹی سعودی عرب نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ایوارڈ حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ایوارڈ کی تقسیم کے موقع پر منعقدہ تقریب میں شرکت کی دعوت دی تھی، مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی خراب صحت کی وجہ سے پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے، انہوں نے اپنی طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی کو مکلف فرمایا کہ وہ ان کی طرف سے تقریب میں شرکت کریں اور مندرجہ ذیل پیغام اس اجلاس تقریب کے موقع پر حاضرین تک پہنچا دیں۔ ذیل میں اس پیغام کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

معزز اعضاء رجال ادارہ خیریہ فیصل ایوارڈ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو آپ نے اور فیصل ایوارڈ کی سلیکشن کمیٹی نے شکر گزار ہیں اس کے منتخب اعضاء نے خدمات میں بھارت کا نام شامل ہے۔

آپ حضرات کا یہ انتخاب اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ عمل جو خلوص اور اعتماد سے ہو اور جو اس خادم نے اپنے لئے اختیار کیا ہے جو سب تعریفیں اپنی مقدرت کی خدمت میں مشغول ہے مختلف میدانوں میں اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی اور حوصلہ پرستی کے لئے اس طرح یہ خدمت اور فیصل ایوارڈ کمیٹی کا کام انجام دے رہی ہے اس سے ہم سب خوب واقف ہیں، اس ایوارڈ کی معنوی قدر و قیمت اور اس بلند و بالا درجہ سے بے خبر نہیں ہوں اس کی حمایت کا فخر رکھتا ہوں۔

دین کی خدمت کا تقاضا جیسا کہ میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیت سے یکسو ہو کر کسی شہرت و مادی منفعت کے حصول کے بغیر انجام دیا جائے، سلف صالحین اور اللہ کے مخلص بندوں کا ہمیشہ عمل یہی اس معاملہ میں رہا ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنی کسی خدمت کا ادنیٰ

معاوضہ حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے تھے بلکہ اس بات سے ڈرتے رہتے کہ خدا نخواستہ ان کے دینی کاموں میں دنیاوی نفع کا شائبہ بھی آ جائے لیکن آج کے دور میں اسلام خود عالم اسلام میں اجنبی بن کر رہ گیا ہے اور جس اسلام نے پوری انسانیت پر احسانات کی بارش کی تھی اب اس کے ساتھ احسان فراموشی اور بے مہری سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ یہی پر بس نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ہر گروہ مخالف طاقتوں کی سرپرستی کی جا رہی ہے اور الحاد و بے دینی کو بڑھایا جا رہا ہے۔ ان اسباب و محرکات کی بنا پر اسلام کا درد رکھنے والوں کی سرپرستی و ہمت افزائی کے لئے جو چند وقیع اقدامات کئے ہیں ان میں عالمی فیصل ایوارڈ کمیٹی کا قیام سرفہرست ہے جس نے اس دین حنیف کی خدمت کرنے والوں کے لئے بطور ہمت افزائی ایک خصوصی سالانہ انعام دینے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہی وہ سعادت مجھے اس وقت غالب تھی جب میں نے اس انعام کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا جو میری ذاتی خواہش و طلب کے بغیر بالکل خلاف توقع تھا۔ اس ایوارڈ کا انتخاب جس شعبہ تک فیصل کے نام ہوا ہے اور اس کی تہہ میں جو پاکیزہ جذبات کارفرما ہیں ان سب کا تقاضا تھا کہ میں شکر و سپاس کے جذبات کے ساتھ اس کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

چنانچہ اگر یہ اسباب اور پہلے سے طے شدہ ضروری پروگرام کی وجہ سے تو اس انعام کو قبول کرنے اور ذاتی طور پر شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ میری طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ریڈر، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی اس مبارک موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں

اس انعام کی جو غیر معمولی معنوی قدر و قیمت ہے وہ اس کی مالی حیثیت کے مقابلہ میں بہت بلند ہے۔

(۱) اس نظام کو بنانے کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے لکھا:

"میں عہد کرتا ہوں کہ اب میں آپ سے جو رقم چاہوں گا وہ صدقہ خیرات کی طرف سے نہیں بلکہ اس رقم کے مستحق اہل قریبہ سے شیخ کا امداد ہوں گے۔

ہندی جماعت کی وجہ سے ہمارے بہت سے اہل خانوں کو گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ ہندوستانی حکومت نے ان بے گھر ہونے والوں کی امداد و اعانت کے لئے بڑی فیاض امداد دی ہے اس لئے مولانا ندوی نے انعامی رقم کا نصف حصہ ان مہاجرین کے لئے دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

بقیہ نصف رقم میں سے ایک لاکھ روپے مکہ میں مدرسۃ الفلاح کے مدارس کے لئے اور باقی چوتھائی رقم مکہ مکرمہ ہی کے مدرسہ صولتیہ کے لئے ہے جو کہ یہ دونوں ادارے بہت پرانے اسلامی مدارس ہیں اور ان کی مالی امداد کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اس ایوارڈ کی مادی قدر و قیمت کا تعلق ہے میں آپ کی اجازت سے اس رقم کو ان کاموں پر صرف کرنا پسند کروں گا جن کا اعلان ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی سے ایوارڈ لیتے وقت کریں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم . امابعد .فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم. انھم فتیۃ آمنوا بربھم وزدنھم ھدی وربطنا علیٰ قلوبھم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموت والارض لن ندعوا من دونہ الھا لقد قلنا اذاً شططاً.

حضرات! یہ سورۂ کہف کی ایک آیت ہے اس کا عنوان اگر اس زمانہ کے اسلوب اور اشائل میں مقرر کروں تو کہوں گا "قصہ سات جواں مردوں کا"(۱) اس قصہ میں نسل انسانی کے نوجوان عنصر کے لئے خصوصی پیغام اور ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکتا ہے اور جو صرف دماغ و دل پر نہیں، بلکہ صلاحیتوں، حوصلوں اور عزائم پر بھی ایک تازیانے کا کام دے سکتا ہے، وہ کبھی شبنم ٹپکاتا ہے، کبھی پھول کی چھڑیاں لگاتا ہے، مجھے بھی آج نوجوانوں کے سامنے نوجوانوں کا قصہ سنانا ہے، اور میں کیا سناؤں گا، قرآن مجید سناتا ہے، یہ وہ نوجوان ہیں جن کو قرآن نے ان کا تذکرہ کر کے لافانی بنا دیا، اور ہر دور کے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ اور آئیڈیل۔ بات بڑی مختصر، بڑی سادہ، لیکن بڑی عمیق اور سبق آموز۔

قصہ یہ ہے کہ رومن امپائر کے ایک حصہ میں جو شام و فلسطین کہلاتا ہے، ایک دعوت پیدا ہوئی جس کو لانے والے سیدنا مسیح علی الصلوٰۃ والسلام تھے جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے پیغمبر برحق ہیں، انہوں نے توحید کی دعوت دی، اس وقت ساری دنیا میں شرک پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس اندھیرے میں ایک روشنی چمکی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شرک، نسل پرستی، رسم پرستی، توہم پرستی، ظاہر پرستی اور انسانیت کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی، جس کی اصل اساس توحید اور سچی خدا پرستی تھی، اس دعوت کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا اور وہ اس کے حامی و داعی بن گئے، انہوں نے اپنے تکثر سے باہر قدم نکالا اور روی

---

(۱) قرآن مجید میں آتا ہے کہ کسی نے کہا چار تھے پانچواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا چھ تھے، ساتواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا، اس کے بعد قرآن مجید نے آگے کوئی ہندسہ نہیں بتایا، اس سے مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ فی الواقع سات ہی تھے۔

شجرۂ نبوت کے مرکز کے قریب جا کر دعوت پیش کی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ سن رسیدہ اور پختہ کار لوگوں کے مقابلہ میں (جن کے پاؤں میں تجربات، مشاہدات، رسم و رواج اور خوف و امید کی بھاری بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں، اور ان کو کسی نئے تجربے اور انقلابی اقدام سے باز رکھتی ہیں) نوخیز اور جواں سال (جن کے پاؤں میں یہ بیڑیاں نہیں ہوتیں) اور ان کی وابستگیاں، اور ان کا انچکت ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا جن کے ساتھ عموماً بڑی عمر والوں کا ہوا کرتا ہے۔ نئی اور صالح دعوت کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ قرآن مجید ان نوجوانوں کی عمر کا تعین نہیں کرتا اور یہی قرآن مجید کا طریقہ ہے۔

اگر وہ کہتا کہ ۱۸-۲۰ سال کے نوجوان تھے تو اس سے اوپر اور اس سے نیچے عمر والوں کو بہانہ مل جاتا کہ ہمارا تذکرہ نہیں ہے، قرآن کہتا ہے "اُنہم فتیۃ" وہ چند نوجوان تھے، جو حضرات عربی کا ذوق رکھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ "فتیۃ" کے لفظ کے اندر میں عمر کی جوانی کے ساتھ ساتھ روح اور حوصلوں اور عزم و ارادہ کی جوانی کی طرف بھی اشارہ آیا ہے۔ اس لئے اس کے ترجمہ میں میں نے "جواں مرد" کا لفظ اختیار کیا۔ "فتیۃ" "فتی" کی جمع ہے "فتی" کی جمع "فتیان" بھی آتی ہے لیکن "فتیۃ" جمع قلت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس طرح قرآن اشارہ دیتا ہے کہ وہ فتی کے چند نوجوان تھے اور یہی ثابت ہوا ہے کہ جب خدا پرستی اور اصلاح حال کی صحیح دعوت آئی ہے تو اس کے ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوتے ہیں، جن کو خدا نے اس کی توفیق دی اور ان کو یہ ہمت ہوئی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ اور صفات میں بھی "رب" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ "اُنہم فتیۃ اٰمنوا بربھم" یہ بات بہت معنی خیز ہے، اس لئے کہ حکومتوں کو اپنے یہاں کے باشندوں سے رازق ہونے کا بھی (کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے) دعویٰ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کے خیالات اور عقیدے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ہم اپنی پرورش کا سامان کرتے ہیں اور عزت و راحت کی زندگی گذارتی ہے، تو ان حکومتوں سے اپنے کو متعلق کر لیں گے، ان کا حاشیہ بردار بن کر رہنا اور ان کے رکاب میں چلنا پڑے گا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگا، اس کے بغیر رزق اور خوشحال و فارغ البال زندگی کے دروازے بند ہیں، قرآن جو لفظ بتاتا ہے، وہ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کا کام دیتا ہے۔ پوری پوری آیتوں کا مضمون ایسے

نکلا تھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اس نے اپنے ملک میں جا کر اپنی قوم کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ وہ اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ متمدن اور دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور ملک مصر تھا اور دنیا کی سب سے بڑی حکومت اس کی حکومت تھی۔

اگرچہ بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ اس حکومت کی ماتحت رہ چکے تھے، اور اس کے بعد بھی بہت سے بنی اسرائیل اس حکومت کے ماتحت رہتے تھے، اور اس وقت بھی بہت سے بنی اسرائیل مصر میں موجود تھے، لیکن اس وقت تک بنی اسرائیل کی حیثیت ایک قوم کی نہیں تھی۔ اس کے بعد جب وہ وہاں پہنچے تھے تو حضرت یوسف کی وجہ سے وہ ایک قوم کی حیثیت سے وہاں آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی زمینداری اور مویشی پروری کا کام وہاں جاری کر لیا تھا۔ وہ مصر کی زراعت اور مویشی پروری کا کام نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنی زراعت اور مویشی پروری کا کام کرتے تھے۔ اس لیے

ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے۔ (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔ ہماری قوم کے ان سب لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ (ان کے خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افترا کرے۔

یہاں قرآن مجید نے ایک اور حقیقت بیان کر دی وہ یہ کہ پہلا قدم آدمی کی طرف سے اٹھتا ہے، پہلے ہمت اس کی طرف سے ہوتی چاہئے۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے۔ "امنوا بربھم وزدنھم ھدی" (وہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا) اگر آدمی اس کا منتظر رہے کہ کوئی چیز خود بخود دل میں نقش ہو جائے، اس کے گلے منڈھ دی جائے تو یہ صحیح نہیں۔ پہلے خود فیصلہ اور ہمت کرنی ہوگی اس کے بعد خدا کی مدد آتی ہے۔ فرماتا ہے "وربطنا علی قلوبھم" (ہم نے ان کے دلوں کو سہارا دیا) اس لئے کہ ان کا واسطہ اس زمانہ کی سب سے عظیم اور قہرمان سلطنت سے تھا۔ وہ سرکاری مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کر رہے تھے۔

یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے، مجھے شرق اردن کے سفر ۱۹۷۳ء میں اس غار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، جہاں وہ محو خواب ہیں، اردن کے آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر محقق فاضل رفیق وفا الدجانی صاحب نے ان کی زیارت کرائی اور علمی و فنی دلائل سے ثابت کیا کہ یہی اصحاب کہف کی جگہ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کو صدیوں تک علم کیا جاتا رہا ہے، اور وہاں کی ادبیات کا ایک جزء بنا رہا ہے۔ میں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "معرکہ ایمان و مادیت" میں تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس پر نظر ڈالی ہے۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے اکثر اہل دربار کی اولاد تھے، یعنی سلطنت کے خاندانی نمک خوار تھے، کسی کے باپ، کسی کے چچا، کسی کے بڑے بھائی اس وقت رومن امپائر کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک بن گیا کہ بات صرف اتنی نہ تھی کہ چند بے تعلق اور سر پھرے نوجوان لڑکے ہو گئے۔ انہوں نے بغاوت کا نعرہ لگایا اور کہہ دیا کہ ہم سرکاری مذہب کو نہیں مانتے، ہم نے ایک نیا دین قبول کیا ہے۔

یہ وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ پورے پورے خاندان اور خاندانوں کی قسمت اور عزت

وابستہ تھی۔ ان کے ان اقدام سے ان والدین، ان کے خاندان کے بزرگ اور امیدوار تاریک پوزیشن میں مبتلا ہوگئے، ان سے بڑا جرأت سوال کیا جا سکتا تھا کہ تم نے اپنے فرزندوں اور خوردوں کو اس بے غیرتانہ اقدام سے کیوں نہیں روکا؟ دوسری طرف خود ان کے بزرگان خاندان کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی کہ وہ ان نوجوانوں کے متکفل تھے، وہ ان سے بڑی امیدیں رکھتے تھے اور ان کا مستقبل شاندار نظر آتا تھا، آپ خود قرآن مجید کے اس نفسیاتی کیفیت کو جو خاندان کے بزرگوں اور ذمہ داروں کو نوجوانوں کے اس طرح کے اقدام سے پیش آتی ہے بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں توحید اور دین حق کی دعوت پیش کی تو قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑے درد اور دل کی چوٹ کے ساتھ کہا کہ اے صالح! تم سے تو آئندہ کے لئے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں، خیال تھا کہ تم سید ھے سید ھے اس راہ پر چل کر (جس پر قوم چل رہی ہے) اس میں کچھ امتیاز پیدا کرکے اپنے خاندان کا سر روشن کرو گے اور اپنی قوم کے لئے عزت و افتخار کا باعث ہوگے۔

"قالوا یٰصٰلح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا" (اے صالح تم ہماری امیدوں کا مرکز تھے، تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیرا، یا تم نے نئی دعوت لے کر کھڑے ہو گئے اور پوری قوم کو مخالف بنا لیا) "مرجوا" کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو انگریزی میں لفظ (Promising) کا ہے جو کسی نوجوان طالب علم یا نوجوان کے لئے بولا جاتا ہے، جس کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

یہ نوجوان تعداد میں بہت تھوڑے تھے، اور اصل قرائن و قیاسات کی بناء پر سات سے زیادہ ان کی تعداد نہیں تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سات نئی سوچ والوں کی قسمت والا تھی، بصرف ایک کے ساتھ پورا پورا خاندان اور برادری کا حصہ تھا اور وہ سب ان کے اس اقدام کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے اور شک کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے تھے، وہ کتنے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز تھے اور کتنے گھروں کی ترقیاں و خوش حالیاں ان سے وابستہ تھیں؟ اس کی طرف ذہنوں کی جھک جاتی ہے۔ ہوت سے لوگ کہتے ہیں کہ سات آدمیوں کا معاملہ کیا؟ پکڑے گئے تو پکڑے گئے اور مارے گئے تو مارے گئے!

اگر زندگی کے آسمانوں سے فرد فرد ہونے تو سات ہی آدمی تو محروم ہوئے، یہ نہیں

سوچنے کا معاملہ کبھی ایک اکیلے آدمی کا نہیں ہوتا، متمدن زندگی میں فرد واحد (کوئی) کا تصور مشکل ہے۔ شعراء تو اس کا تصور کر سکتے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں اکثر فرد واحد کا وجود نہیں ہوتا۔ اس کے تعلقات درجنوں سینکڑوں لوگوں سے ہوتے ہیں، اس لئے فرد واحد فرد واحد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات بغاوت کرتے ہیں تو سمجھئے کہ سترخاندان زد میں آجاتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ بہت اہم تھا اور اسی لئے قرآن مجید نے اس کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل نہیں مل سکتی کہ کس طرح سے ان کو ورغلایا گیا اور کس کس طرح ان کو اکسایا گیا اور ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا گیا۔

ایسے اقدامات سے روکنے کے لئے (خاص طور پر جبکہ مقابلہ میں نوخیز اور نوجوان ہوں) ترہیبات (ڈرانے والی چیزوں) کے ساتھ ترغیبات (راغب کرنے والی چیزیں) بھی ہوتی ہیں اور اکثر ترہیبات کے مقابلہ میں ترغیبات زیادہ موثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بزرگ نے جن کا دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا فرمایا کہ توڑے کوڑوں سے زیادہ مارک ہوتے ہیں، طاقتیں اور حکومتیں بھی کوڑے سامنے ڈالتی ہیں، اور کبھی توڑے (اشرفیوں کی تھیلیاں) ان نوجوانوں کے سامنے کوڑے بھی آئے ہوں گے اور توڑے بھی، انہوں نے کوڑوں کو بھی سہہ لیا اور توڑوں کا بھی توڑ کر دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قوت وسکون اور صبر وتحمل اور قربانی وایثار کی دولت عطا فرمائی۔ وربطن علی قلوبھم۔

ہمیشہ ملک ومعاشرہ اس وقت بچا ہے: سب پڑھے لوگوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، وہ ناسمجھدار اور غیر متوازن بھی نہیں تھے، ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ وہ صحیح الحواس، صحیح الدماغ دانا اور فرزانہ نوجوان تھے۔ لیکن بات یہ تھی کہ ان کی روح صرف اس بات سے تسکین نہیں پا سکتی تھی کہ ان کو روٹی کپڑا ملتا رہے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ تو کسی اسیر گھر کے کتے کا مراتب ہے۔ اس کو بعض اوقات ایسا اچھا دودھ ملتا ہے جو بہت سے غریب گھرانوں کے بچوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا اور وہ ایسے ناز ونعم سے پلے ہوتے ہیں جس کا بہت سے انسان (جو اشرف المخلوقات ہیں) خواب بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن ہزار ناز پروردہ کتے ایک ایسے فاقہ کش انسان پر قربان جس کو معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت حاصل ہے، اور اللہ نے اس کو اپنے ہم جنس انسانوں کی فکر اور درد نصیب کیا ہے وہ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی جگہ بنانی نہیں ہے

اور جانوروں کی طرح خانہ بدوشی سے زندگی نہیں بسر کرتے۔ ہمیں اپنے کو بھی اس گڑھے اور ہلاکت سے بچانا ہے جو کاہلی، عدم صنعت و کاروبار اور خراب اخلاق کی صورت میں ہمیں پیش آنے والا ہے اور اپنی قوم، ملک اور معاشرہ کو بھی ان مصیبتوں اور گڑھوں سے بچانا ہے جو ان کے سر منڈلا رہے ہیں۔ انسانی تاریخ اس کی شہادت میں پیش کرتی ہے کہ ایسے بااثر اور کامیاب ہو جاتے ہیں اور پوری پوری قوم اور ملک کو اپنی آسائش اور ملک کی قربانی دے کر بچا لے جاتے ہیں۔ انسانیت کی آبرو انہیں کے دم سے ہے اور امن و امان، صلاح و فلاح، صداقت اور حکومت حق کا تحفظ انہیں سے قائم ہے۔

ہمارا ملک اخلاقی طور پر اس وقت انتظار کی کیفیت "سکرات" سے دوچار ہے، وہ کورہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ پورے ملک میں کرپشن (بدعنوانی) کا زہر پھیلا ہوا ہے، کارکردگی، فرض شناسی، محنت، لگن، جفاکشی، اپنے ملک سے سچی محبت اور اپنے ہم وطنوں سے ہمدردی ختم ہے۔ انگلستان میں کہتے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس لئے پیدا ہوا ہے کہ دوسرے کو فریب دے۔ موقابل رشک انسان ہے جو فریب کے بجائے کام کا ڈھنڈورا پیٹے بھرتے (زیادہ وقت پورا کرتے) کی فکر میں ہے، اگر کوئی مل جائے تو آخر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کتنی بڑی رشوت لی جا سکتی ہے۔ کورٹ میں لئے نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے چہرے پر کیا اثار چڑھاؤ ہے، وہ کس حیثیت میں مقدمات؟ بلکہ اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کیا بتا رہا ہے کہ وہ کس (Standard of Living) سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ عدالت کے بعد اپنے جن آنے والے مقدمہ کی بجائے وہ پیچھے کی کوٹھی نمبر چھ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں اس کوٹھی والے کس حیثیت سے ہیں اور کس کو کیا رشوت دینی پڑے۔

یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہندوستانی اپنے ملک کی سرحد پر اگر وہ واقعی بارڈر گارڈ (سرحد کے محافظ) ہیں تو کہیں کہ ہم اپنے گھر آئے ہیں آپ کو دیکھ کر نہیں دیتا کہ آپ کالج چھوڑ کر قوم و ملک کی خدمت میں لگ جائیں، آپ محکمہ خدمت بھی کر سکتے ہیں جب آپ ایسی طرح پڑھیں گے تعلیم میں امتیاز حاصل کریں گے اور یہاں سے نیک نام ہو کر نکلیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اچھے کارکنان، فرض شناس، محبت ملک اور کرسچن مسلمان ہیں تو اچھے مسلمان بنیں، آپ کے اندر مدد کا جذبہ ہونا چاہئے۔ آپ کے اندر کام سے وہ خوشی ہونی

چاہئے جو حرام کرنے سے نہیں ہوتی۔ اس وقت پورے ملک کا نظام اخلاق کا ہو یا ہر ادارہ کی زندگی مختل ہوتی ہے، کس کس محکمہ کس کس شعبۂ زندگی کا رونا رویا جائے۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ کسی کا یہ اخلاقی یا شرعی فرض اور تعہد اور تو یہ ذہنی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ویل للمطففین ○ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ○ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون ○" ناپ اور تول میں کمی کرنے والے کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کر لیتے تو پورا لیتے اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے تو کم دیتے، اتنی بڑی حقیقت خدا نے بیان کی ہے، یہ صرف دودھ کی دوکان یا پرچون کی دوکان کا معاملہ نہیں "تطفیف" (کم تولنا اور ڈنڈی مارنا) کا شکار پوری زندگی میں ہو سکتا ہے۔ آج بیمار پڑا آدمی کی جان نچوڑ اور عاشرہ "مطففین" بن گیا ہے۔ سب کا مرض "تطفیف" ہے، پورا حق پورا وصول کرنا یا وصول کرنے کے لئے تو اور دوسروں کا فرض ادا کرنا یا ادھورا ادا کرنا، آپ کو زندگی کے ہر شعبہ میں بہت سی زندگی مداراتی مرض پیدا کرنا یا اپنا مقام محفوظ رکھنا ہے تو اس کا ذریعہ صحیح، پائدار باندھ، پائدار تجارت کا راستہ تلاش کرنا ہے۔ اگر آپ اس ملک کی قیادت بھی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ یہی ہے کہ آپ اپنے دین کی تعلیمات قرآن کی ہدایت، اپنے خیر خیر اللہ اور صحابہ کرام کے اسوہ و سیرت پر چلیں اور ان جواں مردوں کی تقلید کریں (جن کو قصہ قرآن کی طرح کیف میں بیان کیا ہے) اپنے مستقبل اور ترقی کے امکانات کو خطرہ میں ڈال کر ملک و اور اللہ کلمہ بلند اور دین کو نظر کرے) تو انسانیت کو تباہی سے بچانے کی کوشش کریں۔ اکبر نے صحیح کہا ہے

نہ کیا اس پہ تو بدا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہے جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

وما علیک الا البلاغ المبین

فقہ وقضا کی صلاحیت میں علماء گجرات کا امتیاز و اختصاص

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین و من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الی یوم الدین

حضرات علمائے کرام! برادران اسلام و حاضرین جلسہ اہل عرب جب کسی عمل یا کسی کارروائی کے متعلق یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ برمحل اور برموقع ہوئی تو کہتے ہیں "جاء فی مکانہ وفی اوانہ" یہ بات اپنے صحیح محل و مقام اور مناسب موقع اور وقت پر پیش آئی (یا پیش کی گئی)

اس حقیقت پسندانہ جملہ کی روشنی میں پہلے اس حقیقت اور واقعہ کا اعتراف واعلان کیا جاتا ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ بارہواں اجلاس اپنے صحیح محل و مقام پر ہو رہا ہے اور پھر عرض کیا جائے گا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ کی بنا پر منعقد کیا جا رہا ہے اور وہ ایک فریضہ کی ادائیگی اور حقیقت پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت ہے۔

یہاں تک اجلاس کے محل و مقام کی مناسبت اور اس اہم اجلاس کے یہاں منعقد کرنے کے جواز بلکہ معقولیت اور صحیح انتخاب کا سوال ہوا تو گجرات (جو اس صوبہ کا قدیم تاریخی اور علمی دنیا میں معروف نام ہے) کے بارے میں ہندوستان کے اسلامی عہد کے سب سے بڑے مؤرخ وسوانح نگار پدر بزرگوار مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب کے چند اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جائے گی جو گجرات کے بارہ میں پائے جاتے ہیں۔

علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مرشد رکھتا تھا اہم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی۔

اس بحث اور موضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے یہاں متقی رکن الدین ناگوری نے جو ظہیر والہ کے مفتی تھے فقہ حنفی کی ۱۲ سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فتاویٰ سماریہ تصنیف کی جس کے حوالے فتاوے عالمگیری میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م ۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہ نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ قوشی سوکانی صاحب نیل الوطار نے اپنی کتاب البدر الطالع میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین دور دراز عرب میں جن کے فضل کمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر و شرف سمجھا کہ وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے وہ لگ بہ فخر او شرفا

اس سلسلہ میں وزیر آصف خاں کا نام لینا کافی ہوگا جن کو یہ شرف و خصوصیت حاصل ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے ان کے حالات پر مستقل رسالہ لکھا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے جب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علماء و فقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے گھر گھر علم کا چرچا ہو گیا تھا مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی انہوں نے اہل علم پر اپنے احسان و کرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی علامہ عزالدین عبدالعزیز مکی نے آصف خاں کی مدح میں چھیاسی شعر کا قصیدہ لکھا۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ، قضاء و افتاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات امتیاز و اختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز و اختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا قاضی شیخ الاسلام گجراتی دارالملک دہلی کے قاضی تھے ۹۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے لاحق بات کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے ان کے بعد ہی ان کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۲ھ میں ان کی جگہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی و فنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

گجرات کی خاندانی حکومتوں کے دور میں مالیہ، ملکیت اور زمین سے متعلق دیگر امور کے تصفیہ کے لیے شریعت محمدی کے بجائے سلاطین گجرات کے ذاتی قوانین اور ضوابط کی پیروی کی جاتی تھی۔ اس دور میں زمین کی ملکیت کا انحصار زیادہ تر اس بات پر ہوتا تھا کہ زمین کس نوعیت کی ہے اور اس کا مالک کون ہے۔ مثلاً اگر زمین بادشاہ کی ملکیت ہوتی تو اس کی خرید و فروخت کا اختیار صرف بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا۔ اسی طرح اگر زمین کسی امیر یا رئیس کی ملکیت ہوتی تو اس کی خرید و فروخت کا اختیار صرف اسی امیر یا رئیس کو حاصل ہوتا تھا۔ اس دور میں زمین کی خرید و فروخت کے لیے جو طریقہ کار رائج تھا اس کی تفصیل ہمیں مشہور مؤرخ عبدالحلیم جرائی (۹۳۲ھ) کی تصنیف "تاریخ گجرات" سے ملتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب کوئی شخص کسی زمین کو خریدنا چاہتا تو پہلے وہ اس زمین کے مالک سے ملتا اور اس سے زمین کی قیمت طے کرتا۔ پھر وہ شخص اس زمین کے پڑوسیوں اور آس پاس کے دیہات کے لوگوں کو جمع کرتا اور ان کے سامنے زمین کی خرید و فروخت کا معاہدہ لکھا جاتا۔ اس معاہدے پر گواہوں کے دستخط ہوتے اور پھر اس کی ایک نقل قاضی کے دفتر میں بھی جمع کرائی جاتی۔"

اس طریقہ کار سے ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات کے حکمران زمین کی خرید و فروخت کے معاملات میں بہت محتاط تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو دھوکہ نہ دے سکے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک ایسا نظام قائم کیا تھا جس میں زمین کی خرید و فروخت کے ہر معاملے کو تحریری شکل میں لایا جاتا تھا اور اس پر گواہوں کے دستخط ہوتے تھے۔ اس طریقہ کار سے نہ صرف زمین کی ملکیت کے تنازعات کم ہوتے تھے بلکہ اس سے حکومت کو بھی زمین کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے میں مدد ملتی تھی۔

سلطان محمود بیگڑہ (۹۱۷ھ) کے دور میں گجرات کے دارالحکومت احمد آباد میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا گیا جس میں علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی اور مخدوم عبدالعزیز زمزمی جیسے جید علماء نے تدریس کی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسے کے لیے سلطان محمود بیگڑہ نے متعدد دیہات وقف کیے تھے جن کی آمدنی سے مدرسے کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ ان دیہات میں موضع کھیڑا بھی شامل تھا جس کی سالانہ آمدنی تقریباً ۱۲ ہزار تنکہ تھی۔ اس آمدنی میں سے ۴ ہزار تنکہ مدرسے کے مدرس اعلیٰ کو، ۳ ہزار تنکہ نائب مدرس کو، ۲ ہزار تنکہ طلباء کے وظائف کو اور باقی ۳ ہزار تنکہ مدرسے کی عمارت کی مرمت اور دیگر اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مختص تھا۔ اس مدرسے میں تقریباً ۳۰۰ طلباء زیر تعلیم تھے جن کے قیام و طعام کا انتظام بھی اسی آمدنی سے ہوتا تھا۔

حضرات! ان قابل فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی و دینی ورثہ کا تقاضا ہے کہ حفاظت و حمایت شریعت بلکہ غیرت دینی و حمیت اسلامی کا ثبوت ہم ہندوستان بھر دینے کی بھی حصہ میں لگا دیا جائے اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب و سنت کے نصوص آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے اور اپنے معاشرتی معاملات لین دین و عائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی احکام پر کامل طور پر عمل کرنے اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے اندر ایسی فضا کو موافق و معاون بنائیں جس میں اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے آمر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا اٹھائی گئی ہے اور اس کے لئے جد و جہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون و اشتراک کریں۔

حضرات! اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ آ گیا ہے تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عائلی قانون کی بلندی و برتری اس کے انسانیت کے احترام و خدمت انسانی سے ظاہر ہے عورت کے اسلام میں مرتبہ اور اس کے حقوق کا اعتراف اس کے ساتھ انصاف بلکہ رعایت دنیا والوں نے اور میں بھی کچھ عرض کیا جائے اور قوانین عالم و دنیا کے مختلف مذاہب و تہذیبوں اور معاشرتی و ازدواجی زندگی کے رائج الوقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر تقابلی مطالعہ کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین ماہرین قانون تمدن تہذیب علم کے مؤرخین اور فضلاء کے اقوال پیش کئے جائیں جنہوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری انصاف پروری احترام انسانی نہیں بلکہ احترام انسانی کا بہترین اعتراف کیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی جاتی ہے کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع بلاغ پریس اور ایک طرف ناقدین نے اس کے بارہ میں عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون طبقہ نسواں کے ساتھ انصاف پر مبنی نہیں ہے، وہ قدیم تہذیب و معاشرت اور اس عہد کی یادگار ہے جب عورت کو وہ مرتبہ نہیں دیا جاتا تھا جس کی وہ مستحق ہے اور یہ قانون اب اس ترقی یافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے قدیم رسم و رواج داستان پارینہ بن گئے ہیں عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی اس سلسلہ میں قابل تقلید و استفادہ ہے

اس پر پیشہ ور کا پیشوا مسلمان خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ہوا ہے اور ایسے اس سے احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس نے اپنے عائلی قانون پر فخر کی بجائے شرمندگی اور طمینان اور دفاع کا جذبہ بہت جلد سرد پڑ گیا ہے۔ اس موقع پر چند مغرب زدہ قانون مدرسین تمدن، تہذیب اور مغربی دانشوروں کے قول پیش کرتے ہیں جنہوں نے صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کا عائلی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منصفانہ حقیقت پسندانہ اور کہیں زیادہ طبقہ نسواں کے حقوق اور اس کے ساتھ انصاف و رعایت پر مبنی ہے۔ یہ بات ان مغرب زدہ مرعوب تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھوں سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں جس نے آزاد مقابل مطالعہ کی زحمت نہ اٹھائی ہو اور وہ ایک عظیم ذہنی بیماری سے متاثر ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے ایک مغربی فاضلہ کا بیان پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اس سلسلہ میں خواتین زیادہ حساس جذباتی زود اثر اور رقیق القلب ہوتی ہیں اس لئے کہ یہ ان کے طبقہ کا قضیہ ہے اور وہ اپنے طبقہ کی طرف سے دفاع اور اس کی حمایت بلا فرض سمجھتی ہے۔

مسز اینی بسنٹ جو تھیوسوفی تحریک کی ایک ممتاز فرد اور (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہ چکی ہیں انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا وہ اپنی کتاب "ہندوستان کے عظیم مذاہب" میں لکھتی ہیں:

"قرآن مجید کی آیت ہے: ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا۔ (النساء ۱۲۴)

(اور جو نیکیوں پر عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت، وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) پیغمبر محمد ﷺ کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں بلکہ عورتوں کی وراثت کیلئے پورا قانون قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ قانون اپنے عدل و انصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس سے زیادہ اور مغربی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے جس پر اب سے کئی سو سال پہلے تمدن یورپ میں عمل ہوتا رہا ہے اسلام نے عورت کے لیے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مکمل قانون کا درجہ رکھتا ہے اس نے عورت کے حقوق کی حفاظت اور امکانی حد تک ان کی مدد کا انتظام کر دیا ہے، اور ان کے کسی ایسے حصہ پر جو

وہ اپنے اعزا و بھائیوں اور شوہروں سے پائیں گی عمر دراز کا سد باب کر دیا ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں:۔

کیتھولک اور تعدد ازدواج کے اتحاد نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے جسے اس کے اولین محافظ کوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ عظیم و نامور فرنچ مصنف وانشور گستاؤلیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں وہ کتاب ہندوستان کے مظہر اتم عدل و انصاف کا ایک واضح مظہر ہیں ان کے اور ان حقوق و قوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے جو فرانس و انگلستان میں عورت کے بارہ میں ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو جن کے بارہ میں مغرب میں ہنوز کسی نے وہ حقوق دیئے ہیں جن کی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی۔ اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کر دیا ان تمام زیادتی و مزعومات کے خلاف جو بغیر کسی دلیل و مطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں اسلام میں عورتوں کے مرتبہ و اہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو بلند علمی و ادبی مقام رکھتی تھیں۔

عہد عباسی میں ان کی ایک بڑی تعداد مشرق میں اور عہد اموی میں اسپین (اندلس) میں پائی جاتی تھی۔

والیسرا اپنے مضمون میں جو فلسفہ قرآن کے عنوان سے ہے ڈکشنری آف فلاسفی میں لکھتا ہے:۔

ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن عورت کا وہ امتیاز رکھتا اور بیان کرتا ہے جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے لیکن قرآن اس بارہ میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو خدائی سزا نہیں مانتا جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ۱۶ میں ہے۔

یہ خط بیانی اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد ﷺ جیسے عظیم شارع کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناانصافی منسوب کی جائے حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ۔

فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز

ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون (الروم: ۲۱)

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا فرمادی بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ ایک دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے "کہ وہ شرقی نقطہ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچ گئی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی و قانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ و مقام میں اس سے کم ہے جو مسلمان کو علم اسلامی میں حاصل ہے۔

مسٹر لکھتے ہیں۔

"اشیہ عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین و فضیلت کا مقام رکھتے ہیں کہ نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں جن کا فوری مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں۔ اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے۔

حضرات! ان اقتباسات سے جو اسلام کے عائلی قانون کی نہ صرف مقبولیت، انصاف پسندی بلکہ امتیاز و برتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے پیش کرنے کے بعد اس دین و اہل دانش کے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں

کہ فلاں فرقہ غیر مسلم ہے اور فلاں فرقہ مذہب کا مطالعہ کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا یہ فطری تعلق ہے بلکہ یہ کہ معاشرت مذہب سے بغیر کچھ نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ایسی شکل میں مسلمان ہیں (وہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے حقوق عبادات کے باوجود) اور وہ شکل میں مسلمان نہیں اپنے معاملات میں مسلمان نہیں اپنے عائلی و خاندانی روابط و تعلقات میں مسلمان نہیں حقوق کی ادائیگی اور ان کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔

اس لئے ہم ان کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے ہمارا مطالبہ ہے اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے اور یہ ہمارا شہری آئینی جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور اس کی جمہوری ملک کا آئین اور مقننہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے کہ جمہوریت ہی جو اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی پر فرقہ اور اقلیت کے حقوق کا ضامن ہے۔

مگر ابھی آپ نے جو خطبہ سنا ہے اس کا قدم قدم پر ہندوستان میں آپ کو ملے گا جس کا کھلے طور پر نوٹس لیا جائے اور اس کا مقدمہ دائر کیا جائے یا اس سے تحفظ رہنے کی التجا اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے کہ اچانک سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں سول قانون نافذ کرنے کا حکم دیا گیا اور حکومت کو تاکید کی گئی کہ وہ دستور بنانے والوں کے اس منشاء و اصول کو نظر رکھے کہ اس سے ملک میں قومی و معاشرت میں یکسانی و وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس سے بعض تفاوت کا ازالہ ہوتا ہے جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آرہے ہیں۔

یہ سپریم کورٹ کے اس شعبہ کو پہونچ گئے ہیں جو دستور بنانے والوں کے بنیادی اصول اور مقصد کے میں سراسر مخالفت کے بالکل منافی اور اقلیت کے لئے پیغام موت ہے اس کو اس طور پر اس نظام اور ملی قیمت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر علم پر تمل اور ذمہ داروں کو چونکا دینا چاہئے جنہوں نے مطلقہ مسلم نفقہ دینے کے خلاف عرضداشت دی ہے سپریم کورٹ نے اس فیصلہ کو منسوخ کرتے ہوئے جو اس نے شاہ بانو کیس میں کیا تھا غیر مسلموں اور سیکولرزم کی میزان

حاصل کی تھی۔

سپریم کورٹ کی حکومت کو اس توجیہ بیانی اور پریس میں اس کے آجانے کے بعد سے مسلمانوں میں (بلا اختلاف فرقہ واریت، طبقہ خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک تعطیل سی پیدا ہوگئی اور شاہ بانو کیس سے بھی زیادہ اس سے مذہب میں صریح مداخلت کے خطرات پیدا ہوگئے اس لئے کہ شاہ بانو کیس ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا اور وہ مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کا مسئلہ تھا جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید و شرط نہ تھی، یکمشت یا نظام معمول کو ڈیوڑھی شریعت اسلامی، بکمال، طلاق تعدد ازدواج کی اجازت نفقہ و میراث سب کے لئے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ و رسد باب کے لئے دروازہ کھولتا تھا اور مسلمانوں کے لئے (جو ایک مکمل آسمانی شریعت منزل من اللہ کتاب اور عہد نامہ محمدی کو طریق معاشرتی قانون رکھتے ہیں) خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کے لئے خطرہ کا اور رہ کنے کا ایک تمثل تھا۔

پھر سپریم کورٹ کی یہ توجیہ بیانی بالفعل ایک بے وقت بے ضرورت اور بے فائدہ کا متقاضا کہ اس سے ملک کے حالات میں کوئی بہتری، باہمی اعتماد کی فضا اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کوئی جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صف آرائی کا خطرہ تھا اس لئے کم سے کم مسلمان اپنے عائلی قانون کو بجا طور پر عقائد و فرائض کی طرح دین کا ایک جزء اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اس عائلی قانون کی بنیادیں جس کے اہم اجزاء قرآن مجید میں نصوص کی صورت میں) صراحۃ موجود ہیں، پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذاہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہو سکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک ہی عائلی قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے برسر پیکار اور دست و گریباں ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ فیصلے اور اقدامات ضروری ہیں جو اس ملک میں جو آئینی حیثیت سے اور واقعۃً ان کی حد تک سیکولر ہے لیکن عملی اور واقعاتی طور پر وہ اکثریت کے مذہب تہذیب و معاشرت اور تجلیات کے تابع ہوتا جا رہا ہے اور یہاں تدریجی طور پر ملک کا رخ اکثریت کے ترجمان و پسندیدہ نظام تعلیم طرز عمل اور عائلی قوانین و رسوم کی طرف پھیرا جا رہا ہے۔

۱۔ پہلا ضروری اقدام و فیصلہ یہ ہے کہ اس ملک میں جا بجا شرعی دار القضاء قائم ہوں

جہاں سے عائلی اختلافات و تنازعات اور واقعات و حوادث کا شرعی فیصلہ معلوم کیا جائے اور اس پر عزم و خلوص اور دیانت داری کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے مسلمان خاندان بہت سی طوالت، مصارف کثیر اور سب سے بڑھ کر شریعت کی مخالفت کے امکان و خطرہ سے بچ جائیں گے جس کا عدالتی فیصلوں سے خطرہ ہے اور جس کے بارہا تجربے ہو چکے ہیں پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شرعی فیصلہ پر فریقین آخر راضی ہو جاتے ہیں اور ایسے دو سے بھی تجربے ہوئے ہیں کہ دعوتی آزمائی ختم ہو گئی ہے جو اس سے پہلے موجود تھی جس سے ان کو وہ اجر و ثواب ملتا ہے جو حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم جھکانے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ خدا کے حکم سے اس سرتابی اور بغاوت سے بچ جاتے ہیں جس کے بارہ میں قرآن نے یہ سخت الفاظ کہے ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون (المائدہ ۴۴)

اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلام کے عائلی قانون پر کتاب کی تدوین عمل میں آئی ہے اور ضرورت ہے کہ وہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو اور اس کا نفاذ ہر ہندوستانی مسلمان کی زندگی میں ہو جائے اور اس کی روشنی میں ایک عدالتوں "اسلامی دارالقضاء" قائم کیے جائیں۔

۲۔ دوسرا کام اصلاح معاشرہ کا کام ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند عقائد فرائض اور عبادات نام نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک چیز ایک جامع حیات و معاشرہ ہے جس کا تعلق دونوں انسانی جہتوں (ظاہر و باطن) اور ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں سے ہے ہر ملک میں کی زندگی و معاشرت (اپنے تمام اقسام و مراحل کے ساتھ) شریعت کے اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی چاہئے جو اللہ کے آخری رسول ﷺ قیامت تک کے لئے لے کر آئے اور جس کے بارہ میں واضح الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے

اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔ اور اس حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر نبی کو انسانی لباس میں (بشر کی حیثیت سے) بھیجا تا کہ وہ اپنی امت متبعین اور اپنے ملک و معاشرہ اور اپنے حد کے زندہ انسانوں اور مختلف الانواع طبقات کے لیے نمونہ اور مثال و قابل تقلید ہستی بنے خود سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کو بھی نوع بشر کے لئے اسوۂ کامل بنا کر بھیجا اور آپ کو ان تمام مراحل اور زندگی کے شعبوں سے گذارا جو انسانی زندگی کے فطری و ضروری شعبے ہیں یعنی طفولیت و عنفوان شباب و کہولت فراغت و مجاہدہ صلح و جنگ ازدواجی زندگی و اولاد کی پیدائش و پرورش اور ان میں بعض کی وفات بھی پھر بعض دختران خاندان نبوت کے فریضہ ازدواج کی ادائیگی۔ غرضیکہ ان سب مراحل و شعبوں سے بار دیگر (حدیث و سیرت کے ذریعہ) مستند ترین معلومات مہیا کرنے اور محفوظ رکھنے کا تسلی بخش انتظام فرمایا جس کی مثال سالکین و متقین مصلحین و معلمین کا ذکر گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں بھی نہیں ملتی اور پھر اس سب کے بعد فرمایا

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (الاحزاب ۲۱)

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے۔ یعنی اسکے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور یاد کرتا ہو اللہ کو کثرت سے۔

پھر اس کے بعد آپ ہی کی حیات طیبہ مبارکہ میں دارالہجرۃ مدینہ میں وہ اسلامی معاشرہ قائم ہوا جو زندگی قدرت استطاعت فراغت و عسرت شباب و کہولت خاندانی و قبائلی اختلافات ذوق و صلاحیت کے تنوع کے ساتھ ایک زندہ و متحرک سماج عمل و اختیار کی صلاحیتوں کے تنوع کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ میں اس سال تک اور آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں ایک مثالی معاشرہ تھا اس میں قدرتاً فطرتاً شادیاں بھی ہوتی تھیں نکاح بھی ہوتے تھے طلاق بھی ہوتی تھی نکاح کے بعد رخصت بھی کیا جاتا تھا اور بہو کو بیاہ کر گھر بھی لایا جاتا تھا مہر بھی متعین ہوتا تھا اور کسی نہ کسی مثل و مقدار میں جہیز بھی دیا جاتا تھا والدین کے انتقال کے بعد میراث بھی تقسیم ہوتی تھی اور ملاک و جائداد میں حصہ بھی دیا جاتا تھا تجارت زراعت اور انواع معیشت میں مشارکت اور حصہ داری بھی ہوتی تھی غرض زندگی اپنے تنوع کے ساتھ موجود تھی اور مستند ترین تاریخی ذرائع تزیع و مستند و متواتر روایات کے ذریعہ) اس کی ایسی تصویر محفوظ ہے

جس میں ان سب کے نمونے نوٹ کیے جا سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا پورا خاندان بنو زہرہ کے خاندان کے اور نبی ہاشم (خاندان رسالت) کے رشتے بھی ہوتے ہوں لیکن ایک دن معمول کے مطابق آپ نبی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ان کے بدن میں عطر کی ایسی خوشبو پاتے ہیں جو عام طور پر ان سے پہلے نہیں ہوتی تھی آپ پوچھتے ہیں کہ عبدالرحمن کیا بات ہے آج تم سے یہ خوشبو کیسی آ رہی ہے وہ جواب دیتے ہیں یا رسول اللہ میں نے نکاح کیا ہے اس پر حدیث و روایات کی کتب میں پوری تفصیل ملتی ہے آپ نے فرمایا کہ ولیمہ کرو عبدالرحمن نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس اتنی جائیداد نہیں ہے کہ ولیمہ کر سکوں آپ نے فرمایا کہ ایک بکری کا ہی ولیمہ کر دو۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت سعد بن ربیع انصاری کا مثالی جواب نقل کیا ہے جو دنیا کے مسلم اور غیر مسلم طالب علم پڑھتے ہیں (جواب مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کو جہاں خلوص دیتے تھے وہاں بعض انصار کے دل میں یہ خیال بھی ایک آزمائش بن جاتا تھا کہ ہجرت کر کے آنے والے ایک شریف خاندان کے فرد ہیں اور ان کی مدد کرنے سے ہمیں بھی ثواب ملے گا اس لیے بعض انصار تو عام طور پر قریب ہی رہتے ہیں اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور عادات سے واقف ہوتے ہیں اور خاتین کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں آسانی ہوتی ہے آپ سے ملنے کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے کاروبار کیا جس پر فرماتے ہیں کہ اتنا سونا ملا کہ اٹھانا مشکل ہو گیا۔ (دیکھو یہ ضرور کرنا چاہیے ایک بکری کا ہی)

یہ واقعہ اور روایت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ مقدمہ نکاح میں کی جانے والی گفتگو اور رجحانات آخر تک یا واقعہ کیوں ہوتے ہیں کہ سسرال شوہر کی پوری برادری اور اہل تعلق کو اس کی خوبی جانے اور ان سے معاملہ کرنا ضروری سمجھا جائے اور یہ بات قابل توجہ ہوتی اور پھر اس میں ایسے انتظام اور وعدہ جو سسرال کے ذمہ پڑے جس سے نکاح کرنے والے یا اس کے سرپرست یا خاندان کی حیثیت عرفی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

میرے حبیب نے اس مثالی اور معیاری معاشرہ اور معاشرت کے بعد عرصہ دراز تک (جب تک مسلمان بیرونی تہذیبوں اور طرز معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے اور ان میں اختیار شان و

شہادت کی بنیاد نہیں آتی) ہیں طرح [illegible] اور [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کا [illegible] عام طور پر مساجد میں ادا کیا جاتا تھا جس میں [illegible] نماز سے [illegible] اچانک [illegible] طلاق دے دیا جاتا تھا۔ [illegible] کے بعد [illegible] تعریف رکھی [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible]

دعوت خداوندی کے علمبردار کی حیثیت سے متعارف کرائی تھی۔ ان تعارف سے متعلق نظر جنہیں نے اسلام کی عالمگیر ہدایت مطابق نظرت ہونے اور دعوت خداوندی ہونے پر یقین رکھا ہے اور مسلمان معاشرہ کو صدہا مشکلات میں اور قریب میں بتلا کر دیا ہے لیکن ہندوستان کا مسلم چالیس کروڑ ضرورت ہے یہ کام اصلاح معاشرہ کے عنوان سے مسلم پرسنل لا بورڈ نے شروع کیا ہے اپنے پروگرام میں داخل ہونے پر قرآن میں شامل کیا تھا اس سلسلہ میں پٹنہ میں تنظیموں کی بیٹھک میں بعض دوسرے مقامات پر اصلاح معاشرہ کے عنوان سے کامیاب اور کثیر تعداد کانفرنسیں ہوئیں جن میں پوری طاقت و تاثیر کے ساتھ عقائد و فضل اسلامی پابندی کے ساتھ اس کے معاشرتی احکام اور عملی زندگی کے ادکام قرآن کی دعوت دی گئی اور سنت کے ساتھ اس آیت کی روشنی میں فضل اور سمجھانوں دیئے گئے۔ علامہ قول کرنے کی دعوت دی گئی۔

یاایھا الذین آمنو ادخلوا فی السلم کافۃ و لا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین (سورۃ ۲۰۸)

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کام بڑے پیمانہ پر ہو جیسا اصلاح معاشرہ کے وسیع اور کثیر جلسے ہوں اس میں صحیح نصرت کے ساتھ ملکی و دینی تاریخ اور اس کے اس اتحاد و توفیق کا ذکر خطبہ کی ابتداء میں آچکا ہے جو اس وصف اس برصغیر میں نہیں بلکہ (ایک طویل عرصہ تک) عالم عربی و اسلام میں حاصل رہا ہے جو عرب و ہندیان شان قرین قیاس اور حسب توفیق ہے واللہ عز الموفق والمعین۔

آخر میں میں اس اعزاز کے لئے جو صدارت کی شکل میں مجھ کو حاصل ہوا اور اس جلسہ والتفات اور حسن استماع کے لئے جس کا ہر مرحلہ میں جلسہ نے اظہار کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر اور آپ کا طریہ ادا کرتا ہوں۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق

وما علینا الا البلاغ المبین

عالم اسلام میں احساس کہتری کا مرض
اور اس کے اثرات ونتائج

[illegible]

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله ارسله الله بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا اما بعد

عزیز طلبہ! برادرم مولانا سید واضح رشید ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ

میں نے تعلق کے ساتھ ان پر اپنی محبت کا اظہار کیا ہوں کہ مجھے اپنے عزیز بھائی سے مخاطب ہونے اور اس وقت جن حقائق کا سامنا کر رہا ہے اور آئندہ جن حقائق کا سامنا کرنا ہے ان کے لئے ان کے ذہن کو تیار کرنے کا موقع مل رہا ہے یہ مختصر ندوۃ العلماء کے مقاصد میں داخل ہے بلکہ اس وقت پوری ملت اسلامی کے سب سے بڑے دینی علم اور صاحب صالحیت طبقہ نے فراغت کے بعد یہ صورت حال کا تجزیہ کرنا ہی ہے اور اس کا پورا مقابلہ اور اس کا حل بھی ہے۔

اس سے پہلے تقریر اس موضوع پر تھی کہ امریکہ و اسرائیل نے (اس میں خاص طور پر امریکہ جو قوت و سیادت کی حیثیت رکھتا ہے) تمام اسلامی ملکوں کے ساتھ جو کارروائی کی ہے اس کے لئے ایک جامع اور جامع اصطلاح مغرب نے بنایا ہے عالم اسلام امریکہ و اسرائیل کے مقابلہ میں ایک حریف طاقت ہے اسرائیل امریکہ کا کفیل اور ایجنٹ ہے اور اس کا ایک کارندہ ہے ان دونوں کی

طرف سے یہ منصوبہ بنایا جارہا ہے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی مجازی حکومت کوئی آنکھ دکھانے والی جمعیت باقی نہ رہے خاص طور پر جب سے کمیونزم کا زوال ہوا ہے (جو سرمایہ دار طاقتوں اور امریکا کا حریف تھا) اب اس کو جو کچھ خطرہ ہے وہ عالم اسلام سے ہے ٹرننگ پوائنٹ میں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک حریف ہے اس نے ایک نقشہ بنایا ہے وہ اس وقت ایک علمی حصہ تھا شان دہی کا جائزہ کا مگر اب تم ایک عملی حصہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اس کے لیے تیاری کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اندر اسلام کی خدمت کے لئے صلاحیت پیدا کرے پھر توفیق دے۔

صورت یہ ہے کہ اس حریف نے اسلامی ممالک بلکہ مرکز قیادت و مرکز قبلہ میں سب سے زیادہ جو موثر دعوت اور موثر انقلاب انگیز چیز ہو سکتی ہے وہ عالم اسلام کے لیے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں احساس کمتری پیدا کیا جائے اس کو انگریزی میں کہتے ہیں (INFERIORITY COMPLEX) خاص طور پر اس طبقہ میں جو کہ ملک کی رہنمائی کر سکتا ہے (قیادت کی جگہ لینے والا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہی ہوتا ہے یونیورسٹیوں کے فضلاء کا یعنی انٹلیکچوئل کا اس مثقف طبقہ) ان کی حقیقت شناسی کی داد دینی چاہئے کہ جو طبقہ کسی ملک کی زمام اختیار و اقتدار لے سکتا ہے سیاسی طور پر بھی خطرناک طور پر بھی ذہنی و فکری طور پر بھی صحافی طور پر بھی وہ طبقہ ہے پڑھا لکھا طبقہ تعلیم یافتہ طبقہ یونیورسٹیوں کے فضلاء کا طبقہ یہی طبقہ زمام قیادت سنبھال سکتا ہے یہ طبقہ فکری قیادت بھی ہاتھ میں لے سکتا ہے اس میں جو چیز زیادہ موثر ہو سکتی ہے عالم اسلام کو کمزور بنانے کے لئے اور مستقبل کی صنعت کے لئے مستقبل میں مسلمانوں کے غیر مؤثر ہونے کے لئے اور حریف نہیں بلکہ ضعیف بن جانے کے اور ان مغربی تہذیب کے پوری طور پر (اگر بے دینی نہ ہو تو کہا جائے) کلمہ پڑھنے والا بنانے کے لئے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے لئے نہیں بلکہ اس کے داعی بن جانے اور اس کا مبلغ ہو جانے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ موثر ہے وہ احساس کمتری ہے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اس ترقی یافتہ زمانہ میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں باقی عوام کا طبقہ تاجروں کا طبقہ کاشتکاروں کا طبقہ مزدوروں کا طبقہ جو جسمانی محنت سے کام لیتے ہیں ان طبقوں میں ایسی صلاحیت نہیں ہے جو اس کو حریف بنا کر میدان میں لے آئے اس تعلیم یافتہ طبقہ ہی

[illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible]

[illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible]

[illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible]

[illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible]

[illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible] یہ صلاحیت ہے کہ وہ ماضی کے بارے میں [illegible] اور مستقبل کے بارے میں [illegible]

چلا دی ہے تمام مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ کہیں کے امریکہ ہو یا جرمنی ہو یا انگلستان ہو یا جاپان ہو یا کوئی اور ملک ہو ہر جگہ کے مسلمان اپنے اپنے ملک کی آزادی کی خاطر اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں ان کے ملک آزاد ہو رہے ہیں۔ اور ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں ان کے ملک میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔ اور ان کے ملک میں اسلام کی تبلیغ کرنے کی اجازت مل رہی ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن کی چکا چوند سے مرعوب ہو کر ان کے بچے عیسائیت کی طرف جا رہے تھے۔ اب ان کے بچے اسلام کی طرف واپس آ رہے ہیں۔ اور ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں ان کی اولادیں ہمیشہ کے لئے اسلام پر قائم رہیں گی۔ اور ان کی اولادیں اسلام کی خدمت کرنے والی ہوں گی۔ اور ان کی اولادیں اسلام کی تبلیغ کرنے والی ہو

[illegible] جائے گا کہ مسلمان دنیا کی [illegible] میں [illegible] کیوں ہیں [illegible] ہیں [illegible] مسلمانوں کی [illegible] کی [illegible] نے [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible]

اس کا اظہار کیا، وہ کہتے ہیں کہ ابلیس کی ایک مجلس شوریٰ ہوئی جس میں معاصر دنیا کا جائزہ لیا گیا کہ اس وقت ابلیسی نظام کے خلاف دنیا میں کیا خطرات ہیں یعنی ابلیسی نظام کو کیا چیز چیلنج کرتی ہے تاکہ اس مجلس (مجلس ابلیسی) کے ارکان اسکے مقابلہ کی تیاری کریں تو کسی نے خط و کتابت یا سرمایہ داری کا کسی نے اشتراکیت کا مجلس ابلیسی کا جو صدر مجلس تھا وہ سب کا جواب دیتا رہا کہ اس کا جواب سوچ لیا گیا ہے یہ علاج ہے جب یہ کہنے کا موقع آیا کہ اصل خطرہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا۔ یہ اقبال کا کمال ہے کہ انہوں نے ابلیس کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

یہ جو نئی اور وقتی خطرے ہیں ان سے ہم نہیں ڈرتے ہم نے سب کا علاج سوچ لیا ہے سرمایہ داری کے خلاف، اشتراکیت کے خلاف انتظام کر لیا ہے، لیکن ہمیں اصل ڈر یہ ہے کہ وہ قوم پیدا نہ ہو جائے جس کا کام احتساب کائنات ہے جو پوچھتی ہے یہ کیوں اور یہ کیوں یہ حلال ہے، یہ حرام ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے، یہ شیطانی کام ہے یہ ملکوتی کام ہے، یہ خدا کے منشاء کے مطابق ہے یہ خلاف ہے، میں اس سے ڈرتا ہوں، چنانچہ اس نے کہا کہ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
تابساط زندگی پر اسکے سب مہرے ہوں مات

تم اس کو اس میں لگا دو کہ وہ عبادت کرتے رہیں اور ذکر بھی کرتے رہیں تصوف کا اس کے ذہن میں ناقص نقشہ تھا اس کے مطابق اس نے کہا کہ ذکر و فکر صبح گاہی میں رہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکے جتنے مہرے ہیں سب مات ہو جائیں گے اور ہم بالکل آزادی کے ساتھ اپنا کام کر سکیں گے۔

عزیزو! بات یہ ہے کہ وہ چیزیں ہیں جن پر ہم کو توجہ دینی ہے ایک یہ کہ اس احساس کمتری کو دور کیا جائے اس کے لئے فکری طور پر بلند معیار فکر سے اور علمی طرز تحریر اور بلند معیار سے کتابیں لکھی جائیں اور تقریریں کی جائیں دورے کئے جائیں تعلیم یافتہ طبقہ سے ملا جائے کہ اس کے اندر سے دین کے بارہ میں اور امت اسلامیہ کے بارہ میں احساس کمتری نکل جائے اس کے دل میں جو مایوسی بیٹھ گئی ہے اور تحقیر کی نظر بشر مندگی کی نظر جو اس کے اندر آ گئی ہے کہ

بات صحیح ہے لیکن اس وقت اس سے متعلق بات نہ کریں اور یہ مسلمانوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہونے چاہئے مسلمانوں کے پاس حکومت ہونی چاہئے یہ فکر کرنے کی بات ہے یہ جائز ہے یا ناجائز ہے اس بحث کا موقع نہیں ہے یہ بات انہوں نے تعلیم یافتہ مسلمانوں سے کہی ہے صاحب قلم صحیفہ نگار اس طبقہ میں ارکان کی جو پوزیشن ہے اس میں ان کو اس طرح یہ بات کہنی پسند کرنی ہے کہ تمام مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے ترقی یافتہ دنیا میں اس سے ملتے جلتے حالات کے دور میں امریکا کی سرخ انڈین قبائل کے دور میں اب مسلمانوں کو بھی اپنے دین کے علاوہ ہوں اپنے دین کی ترقی اور صلاحیت کار اور صلاحیت بقائے پورے پورے قائل ہیں ان کا کوئی موقع نہیں۔

یہ ہے اصل مرض جو سب سے بڑی بیماری ہے اس عہد کی کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے مستقبل کی طرف سے بالکل مایوسی آ گئی ہے اور وہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ مسلمان رہنا بھی یہ بھی تہمت ہے لیکن بالفرض اگر وہ صحیح اور ہمارے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

خود ان لفظوں میں یہ جان ہے کہ وہ جو قدیم دنیا کے ختم ہونے کا اعلان ہے یہ مایوس کن لگتا ہے اور ہمارے سامنے سب سے بڑا خطرہ آتا ہے اس نے ایسے انجانے متوں نے بنے بنائے نظام اصول اور ضوابط کی بے وقعتی اور سب تقدیر ملیٹ کے درمیان اور ہر ایک سے بدگمانی اور بے یقینی کے ساتھ جن دو انسانوں کا سامنا ہوتا ہے ان انجانے لوگوں نے آزاد دنیا کے شیخ عبدالحمید بن بادیس نے آزاد دنیا کے عہد نظام اجتماعی نے ایسے آزاد انسان جہاں اللہ کے نام پر بیعت کے تحت میں مسلمانوں نے فرانس کو نکالا اور الجزائر آزاد ہوا ہاں علامہ آج سب سے بڑا خطرہ دین اور ایمان کی سلامتی کا یہ لیا ہے جیسے کہ فرانس تمام تاریخ سے واقف ہیں آپ نے مصر میں اخوان المسلمین کی تحریک شروع ہوئی بڑی مقبولیت اور مقصد آفرین تحریک تھی اور عہد حاضر کی بہترین تحریک میں پیدا ہوئی تھی اس کا یہ مقصد تھا کہ ان لیڈر شیخ عبدالحمید یا سید قطب شہید ہوئے تھے انہوں نے بہت بڑی تعداد میں دنیا سے نکلے تھے میں نے ایک شاعر کی شعر پڑھا تھا یہ عربی کا مشہور شعر ہے انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے خود ان کو مٹا دیا ہے اور ان کے ہاتھوں نے یہ کام انجام دیا ہے۔

ہم نے اس وقت دو زبانوں کے قبضہ میں ہے حافظ اسد ہمارے حقیقی کا ہے دوسرا

جہاں یہ ہوتا ہے وہیں ہمارا یہ اعلیٰ اخلاق آتی ہوئی نسلوں میں قبر میں ہیں کہ ہمارے معاشرہ کے علاوہ اتنی کشش ہیں، وہیں ہمارے اخلاق آداب قرونِ وسطیٰ جہاں ہوتے ہیں جہاں ہوتے ہیں جہاں ہوتے ہیں

بلکہ انقلاب انگیز طرز عمل ہوگا جس ہوئی کہ آپ ایک طرف تعلیم یافتہ طبقے سے ... اس متنازعہ مسئلہ پر جو اساسی نقطۂ ان کے اندر پیوست ہو گیا ہے وہ نکلتے ہیں

اور سے ساتھ شکر لیجئے کہ آپ نیا بات میں کرتے ہیں مسجدیں تو موجود ہیں ہوئی تو نہ نمازیں، ماورنی مسجد کا قصہ تو الگ ہے مدرسے بھی اپنا کام کر رہے ہیں ایوانی نماز آزادی کے ساتھ ہوتی ہے، رمضان کو بھی جانتے ہیں، بس اسی پر قناعت کیجئے یہ سوچنے کی آپ کو کوئی موقع ملے تو ان سازی کا اور آپ کے ... کے مقابلہ تمدن کے پیش کرنے کا کوئی اصلاحی منشور وہ ہے تو اس کا بالکل موقع نہیں ہے تو اس چیز کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اقتصاد کا سب سے اہم پہلو ہوا کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے اسلامی فکر کی دوری کیا جائے مغربی تہذیب کا پس منظر اپنا سامنے مغربی تہذیب کی جو حقیقت ہے وہ سمجھائی جائے کہ وہ ایک ٹھوس پرستی اور جاہ پسندی ہے وہ ایک حکمت ہے اور کچھ نہیں، اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہوگی، مطالعہ کی ضرورت ہوگی، اس میں آپ اسلامیات کی کراس روڈ میں محمد اسدی کتاب، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابیں اور بعض جو انہوں نے شروع میں لکھے تھے خود بعض تحقیقات اشتراکیات کی مطبوعہ کتابیں پڑھئے اور خود پہلے اپنے ذہن و دماغ کو آزاد کیجئے مغربی تہذیب نے جتنے تمدن اور تہذیب کے اثر سے اس کے بالمقابل اس سے مرعوب ہونے کو دور کیجئے پھر اس کے بعد اپنے اندر صلاحیت پیدا کیجئے جتنی طور پر، عملی طور پر کہ آپ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی متاثر کر سکیں، مطمئن کر سکیں کہ اب اس کا بھی زمانہ نکلنے والا ہے، اس کی روح پرواز کرنے والی ہے وہ کائی کی طرف بڑھ رہی ہے، اولی روی تہذیب تھی کوئی یونانی تہذیب تھی، کوئی فرعونی تہذیب تھی بیتے ان سب کا خاتمہ ہو گیا اب اس کا بھی خاتمہ ہونے والا ہے بہت جلد ہو گا یہ ہے خاص طور سے اس شعبہ میں جو طلبہ ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں ان کے بنیادی فرائض میں ہے کہ ان دو چیزوں کی تیاری کریں ایک اساسی لٹریچر کو دور کرنے کے لئے علمی و فکری مدلل انداز میں ایک مغربی تہذیب کے تسلط کو جو بھی مرعوبیت ہے اور دلوں میں مغربی تہذیب کی جو تقدیس بیٹھ گئی ہے اس کو دور کیا جائے، اس کے بغیر ہماری نئی نسل کے تعلیم یافتہ طبقہ کا فکری طور پر اسلام کا گرویدہ ہونا اور اسلام کے عروج کے لئے کوشش کرنا ناممکن قیاس ہے۔

آپ اس کے لئے اپنے اساتذہ سے جو الحمد للہ اس پر نظر رکھتے ہیں اور جب بھی اہل علم

[illegible] ملاقات ہوتو ان سے ان [illegible] حاصل [illegible] آپ سے [illegible] سے دور [illegible] ہیں [illegible] ان سے [illegible] ہے [illegible] ہیں [illegible] تجارت [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

علم کا بھی ایک قانون ہے

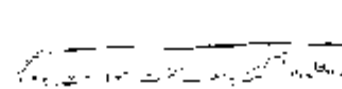

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

صحیح راہ کی ضرورت:

[illegible]

جائیں آپ کو ایک معیشتی صحت دی جاتی ہے آپ کے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں بچا ہے کہ
یہ کتاب ہے اور آپ اس کو آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں تاکہ آپ اس کو پڑھ سکیں
سے سوالات کرتے ہیں آپ پوچھتے ہیں اور وہاں پہلے سے موجود سوالات کی بہت
ہیں آپ کہیں گے کہ آپ اس میں سے کچھ سوالات کو حل کر سکتے ہیں آپ پڑھ سکتے
اس نے کوشش کی ہے اور آپ اس میں مانے اور آپ دیکھیں گے کہ وہ
جیسے وہ اس واقعہ سے کہ وہ الیہود من ابو ایھا اس نے عمل نہیں کیا
سے قبل ہی یا قیامت سے پہلے ہی ہو جائے گا اس کا
اور ہم اس کی آنکھوں سے اپنے آپ کو دیکھ سکیں گے اور ہم اس کو
کے ساتھ ہیں اور ہم اس کو دیکھ سکیں گے اس کے
کے لئے ہی ہے اور ہم اس کو دیکھ سکیں گے اس کے
ہم اس کو دیکھ سکیں گے اور ہم اس کو دیکھ سکیں گے
ہم اس کو دیکھ سکیں گے اور ہم اس کو دیکھ سکیں گے

یورپ میں استادوں کی

یہ ... بھائی ... کہتے ہیں اور یورپ میں ... استادوں کو کوئی احترام
... یورپ میں ... کو ... کرتے ہیں ... کے ... یا ... کرتے ہیں اور
... سے ... اور ... کہتے ہیں ... ہیں ... کہ ... کہ ... کہ
... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ
... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ ... کہ

دکھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ طالب علم کتاب کی کتنی اہمیت سمجھتا ہے اور اس کا جو اصل مغز ہے اس باب سے اس کو لے رہا ہے پھر اس کے بعد مضمون اس کو تیار کرنا پڑتا ہے وہ بالکل اس سے آسان ہو جاتا ہے جیسے پہلے زمانہ میں تھا کہ مدارس میں تھا کہ استاد کے ساتھ چند طلبہ ہوتے تھے وہ بالکل مربوط ہو جاتے تھے استاد سے۔

اور شعر تک کا یہ حال تھا کہ ان کے راوی ہوتے تھے یعنی جو شعر پڑھا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کا راوی یہ تھا یعنی اس کے اشعار وہ حفظ کرتے تھے اور پڑھتے تھے اور ان سے وہ اس کے ساتھ شاں کر لیتے تھے کہ یہ میرا راوی ہے میں انیس قصیدوں کا اس سے کن وہ لیتا ہوں یہ زمانہ تک طالب علم تعلیم دیتے تھے اور اس میں پورا باب علم ہوتا تھا اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں خادم بھی ہیں وہ اس کی خدمت بھی کرتے ہیں جو اس کے ذاتی کام ہیں اس کے آرام کا خیال کرتے ہیں اس کے بارے میں [illegible] بھی کرتے ہیں اس کے [illegible] بھی خیال کرتے ہیں کہ اس کا حساب کتاب بھی رکھتے ہیں دو جو سو روپے ہیں اس کو کتنے دن ہو گئے ہیں اس کے [illegible] ہو گئے ہیں اس کو کتنے دن ہو گئے ہیں اس کو کتنے دن ہو گئے ہیں اس کو کتنے دن

علم کے آداب

مولوی ابوالکلام صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قسمت کی باگ کانگریس کے ہاتھ میں دے دیں۔ اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کا سوال خود بخود حل ہو جائے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کی آزادی کا سوال اس قدر اہم ہے کہ اس کی خاطر ہم اپنے دین کو بھی قربان کر دیں۔ اگر ہندوستان کی آزادی کا سوال اس قدر اہم ہے کہ اس کی خاطر ہم اپنے دین کو بھی قربان کر دیں تو پھر ہمیں اس بات کا بھی فیصلہ کر لینا چاہئے کہ ہندوستان کی آزادی کا سوال ہمارے لئے کس حد تک اہم ہے۔ اگر ہندوستان کی آزادی کا سوال ہمارے لئے اس حد تک

اصل مسئلہ ترجیح کا ہے

(درس افتاء دار العلوم دیوبند پر مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۸۶ء کو دیئے گئے درس سے ماخوذ اور معارف دینی درس گاہ پاکستان کے مدیر مولانا محمد یوسف بنوری کے نام کا ایک خط، جو انہوں نے ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء کو دینی ادارے کے تعلق رکھنے والے علماء کے بارے میں شائع کیا تھا)

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد المرسلين خاتم النبيين و على اله و اصحابه اجمعين اما بعد.

اول سلام:

عزیزو! جب کوئی کہیں سے آتا ہے تو پہلے سلام کرتا ہے، ہم آپ کے پاس دور سے آئے ہیں، ہمیں بھی چاہئے کہ آپ کو سلام کریں، اس وقت تو میں کہہ رہا ہوں اس کی حیثیت محض سلام کی ہے باقی سلام کے بعد کی باتیں ہیں وہ شاید بعد میں ہوں تو اس وقت تحفہ کے طور پر سلام پیش کر رہا ہوں، جیسا کہ حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم تحية من عند الله مباركة طيبة (جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں پر جو وہاں ہیں سلام کرو، یہ سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوا ہے بابرکت اور عمدہ چیز ہے۔

موقعہ سے فائدہ اٹھایئے:

عزیزو! آج کل عام رواج ہے، جب اذانیں ہوتے ہیں تو باہر کے لوگ آتے ہیں بلائے بھی جاتے ہیں، خود بھی آتے ہیں، لیکن بہت سے آنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم کیوں آئے ہیں اور اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح بہت سے رہنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ آمد محض ایک رسمی رواج آمد ہے یا اس سے کوئی دینی علمی فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہماری حیثیت اور ہمارے

رفقائی حیثیت باہر سے آنے والے مہمانوں یا مشہور کی آمد یا ایفاد ان کی آمد میں بلند ہوں
کی آمد ہے اس جامعہ کا تعلق شروع سے ندوۃ العلماء اور ہاں کے کارکنوں سے رہا ہے بلکہ
حقیقت میں اس کی بنیاد ایک ندوی فاضل مولانا عبدالحمید صاحب ندوی سرحوم نے ڈالی ہے وہ
یہاں آئے انہوں نے کچھ تعلیمی خدمت شروع کی تو یہ خدمت برگ و بار لائی ہوئی ہے آج
جامعہ کے جو والی ہیں وہ زیادہ تر تو ان ہی کے فیض یافتہ ہیں تو گویا اس جامعہ کی اصل
بنیاد ندوہ سے تعلق سے پڑی اس کے بعد جب جامعہ کی بنیاد ڈالی گئی تو ندوہ ہی سے تعلق
رکھنے والوں نے ڈالی اور اس کے بعد برابر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے یہ میں اس لئے نہیں بتا رہا
ہوں کہ ندوہ اور غیر ندوہ میں کچھ فرق ہے بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کم سے کم اس وقت جو لوگ
آئے ہیں یہ سب گھر ہی سے لوگ ہیں ایسے ہی ہیں جیسے ایک خاندان کی شاخیں ہو جاتی ہیں
ہوتی رہتے ہیں کوئی دور رہتا ہے ایک شاخ کے لوگ دوسرے شاخ کے لوگوں سے ملنے
جاتے ہیں وہ ملنا خاندانی قسم کا ہوتا ہے ویسے ہی خاندانی قسم کا معاملہ بھی ہے اور اس میں اپنے
ایک عزیز کی تقریب میں شریک کی نیت بھی شامل ہو گئی ہے تو آپ ہم لوگوں کو باہر کے اجنبی
یا نما شائی حیثیت سے نہ دیکھئے کہ آپ نہیں کہ فلاں بھی آیا فلاں بھی آیا بلکہ ذہن میں یہ ہونا
چاہئے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن سے ان سے ہمیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا
ہے کہ اب جامعہ اس درجہ ترقی کر گیا ہے کہ دور دور سے لوگ آتے ہیں اور ہمیں دیکھ کر خوش ہوتے
ہیں اپنی چیز سمجھتے ہیں ان کے ساتھ نیت بھی درست کرنا بہت ضروری ہے اور ہماری بھی نیت
یہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے عزیزوں سے اور اپنے خاندان کے لوگوں سے ملنے آئے ہیں آپ کی
بھی نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے خاندان میں کچھ جو ہمارے شیر یا من کو خدمت کا
جذبہ ہے شوق ہے وہ آئے ہیں ان کے دل میں جیسے ہوں گے تقریریں ہوں گی عمومی
خطاب ہوں گے شاید ہمارے دوست منیری صاحب نے اس کا انتظام بنایا ہو لیکن اس کے علاوہ
ہمارے ساتھیوں سے آپ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں ان میں بعض دارالعلوم کے استاذ ہیں
اور وہ آپ سے عمر میں اور تعلیم میں قریب ہیں مناسبت رکھتے ہیں ان میں وہ تکلفات نہیں ہے جو
ہمارے آپ کے درمیان ہے آپ ان کے ساتھ زیادہ بے تکلفی سے مل بھی سکتے ہیں بات بھی
کر سکتے ہیں ان کو بتا سکتے ہیں کہ آپ نے اب تک کیا پڑھا کچھ ان سے پوچھئے اور مشورہ لیجئے کہ

[illegible]

اس کے بعد کس طرح پڑھیں کس ترتیب سے پڑھیں وہ تمام باتوں کا انتخاب کر دیا ان سے کہے کہ ہمارا فلاں مضمون پڑھ لیجئے یا آپ نے فلاں مضمون سے زیادہ مناسبت کس کیسے مناسبت پیدا ہو سکے گی اس کے متعلق بھی ہم طرح طرح کی تجاویز کریں اس سے کس طرح مناسبت پیدا کریں سب سے پہلے [illegible] مضامین ہیں اس کے بعد کس طرح [illegible] اس وقت جو لوگ ہمارے ساتھ ہیں [illegible] آپ نے کبھی دیکھتے ہوں گے ان لوگوں سے پوچھا ہوگا کہ آپ نے کتنے دن [illegible] قیام کریں گے ان دنوں میں [illegible] اس وقت کو قیمتی سمجھ کر [illegible] لیجئے کہ آج ہمارے [illegible] آپ کو [illegible] اس لئے کہ یوں ہی آتی دار کسی سے ملنے کے لئے نہیں بلایا [illegible] آپ کوئی [illegible] آتی ہے تو [illegible] سمجھنا چاہئے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ آپ لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہئے جیسے سیاسی لوگ خوش ہوتے ہیں [illegible] آپ خوش ہونا چاہئے اساتذہ اور ماہرین فن کی آمد پر ایسے مواقع کم ملتے ہیں اور ہاں پائیں تو انہیں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

ہاتھی یا علم حدیث:

ایک [illegible] ۱۹۳۵ء [illegible] ہم لوگ [illegible] سے پندرہ سولہ میل دور [illegible] تھے۔ [illegible] وہاں کیا تھا [illegible] ہاتھی [illegible] سالانہ [illegible] کے سلسلہ میں تھی اور اسی روز وہاں سابق وزیر اعظم [illegible] کی آمد ہونی تھی۔ لوگ [illegible] تھے [illegible] آ گئے تھے [illegible] سے تماشا دیکھنے کے لئے چلے گئے [illegible] ہاتھی چھوٹی [illegible] ہے چھوٹا [illegible] ہے اس میں وزیر اعظم [illegible] کیا [illegible] آئیں تو بڑی بات تھی [illegible] کی توقع تھی اتنا مجمع ہمارے جلسہ میں نہیں تھا [illegible] بہت سے لوگ [illegible] تھے [illegible] ان سے [illegible] آپ [illegible] ہاتھی [illegible] اور [illegible] کا [illegible] رہے تھے [illegible] ہاتھی [illegible] ہاتھی [illegible] ہاتھی

ترجیح کی بات

تھیں علم کے تعارف تھے ان پر ان کو ترجیح دی، ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں کسی تعلق سے آپ کے شہر میں ایک بڑی شخصیت آئی ہوئی ہے، آج ہی اللہ نے آپ کو یہ ایک موقع دکھایا، امتحان میں تو نہیں ڈالا کہ وہی وقت ہو جو ہمارے بھی آنے کا تھا لیکن بہرحال آپ کو دکھایا کہ یہاں صدر دستور کی سب سے بڑی شخصیت آئی اور ہم جناب علم بھی آئے، اگر آپ کے دل میں ان جناب علم کی عزت ہے، جو ہمارے آنے سے آپ کے دل میں خوشی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی یہ خوشی رکھ لے گا، یقین مانئے اگر آپ نے کہا الحمد للہ آج ہمارے گھر والوں نے ہمارے کچھ مشفق ہمارے کچھ خیر خواہ ہمارے لیے دعا کرنے والے لوگ آئے ہیں، ہم نہ سہی کوئی نسبت ہیں تو بہرحال اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے معاملہ میں بھی کامیاب فرما دے۔

شعائر اللہ کا احترام:

یہ جو کچھ آپ شریعت کو دیکھتے ہیں، یہ سب احترام کی باتیں ہیں، اگر نہ ہو تو بعد کا مرحلہ ہے، ضروری ہے لیکن پہلا مرحلہ احترام کا معاملہ ہے اللہ، رسول کو اللہ و رسول سے نسبت رکھنے والی چیزوں کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے یہی حقیقت ہے شعائر اللہ کی، اللہ سب عزت کا رشتہ ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب، تعظیم شعائر اللہ دل سے قلب میں تقویٰ کی وجہ سے ہے اللہ کی عزت ہے تو جو چیز اللہ کے لیے لگائی ہے اس کے لیے بھی عزت ہو گی اپنے ہی ہم لوگ کوئی چیز نہیں اور کون سی چیز ہے، اللہ کے اور اللہ کے رسول کے بعد یا کے اور کبار اولیاء اللہ کے سب برابر ہیں ایک ہی درجہ میں لوگ ہیں لیکن ہر ایک کا انداز ہے وہ نظر آ رہے طریقہ نظر آ رہے لفظ نظر آ رہے اور وہی کیفیت پڑھے ہے ومن یعظم شعائر اللہ میں وہی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ایک بزرگ کو بہت بڑے عارف باللہ سمجھے اس وقت ان کا نام بایزید، فضیل بن عیاض یا جنید بغدادی کا نام یاد آتا ہے، کسی نے پوچھا کہ حضرت اتنا بڑا اللہ نے نصیب فرمایا بات ہے کہنے لگے بات تو کچھ نہیں کہ میں چلا جا رہا تھا ایک جگہ میں نے ایک کاغذ پڑا دیکھا اس پر اللہ کا نام لکھا تھا میں نے اٹھایا، اٹھا کر اس کو ایک جگہ عزت کے ساتھ کسی دیوار وغیرہ میں حفاظت سے رکھ دیا، اللہ کو یہ ادا پسند آئی اور اللہ نے مجھے یہ مرتبہ عطا کیا

اصل میں تنظیم جو ہے جمعیت وقعت کا اس پر انحصار ہے۔ اس کی دلیل ہے یہ بھی ہم کا حال ہے۔

بے حرمتی کا انجام:

ایک عجیب واقعہ جو بڑا عبرتناک ہے، شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو، حضرت شاہ عبد العزیز کے شاگردوں میں ایک صاحب تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے وہ ہریانہ کے تھے کلکتہ میں رہتے تھے اور کلکتہ کے رہنے والے تھے، شاہ اسماعیل شہید کے ساتھ پڑھتے ہوئے تھے، بڑا عجیب و غریب واقعہ ہے جب حضرت شاہ اسماعیل صاحب فوج کو جانے لگے تو ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ ٹیپو سلطان تو آپ ہی کے معاصر تھے، ان کے پوتوں کے دو اتالیق تھے، جن کی وجہ سے ٹیپو سلطان کے پوتوں پر کچھ اثر ہو رہا تھا تو ٹیپو سلطان کی پوتی یا صاحبزادی نے حضرت سید احمد شہید سے کہلایا کہ ہمارا خاندان تو آپ ہی کے خاندان کا متوسل ہے۔

ہمارے اجداد مادری میں شاہ ابوالفضیحت صاحب جو سید صاحب کے حقیقی ماموں تھے سفر حج سے واپسی پر ۱۲۰۸ھ میں ٹیپو سلطان (م ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء) کی حیات میں بندرگاہ منگلور میں اترے اور مختصر علالت کے بعد وہیں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ٹیپو کے اس مجاہد خاندان کے حضرت شاہ علم اللہ صاحب کی اس شاخ اور سید صاحب کے اجداد مادری سے عقیدت وارادت کے مستحکم تعلقات تھے، تو صاحبزادی نے کہلایا کہ ہمارے بھائی صاحبان پر بڑا اثر پڑ گیا ہے، خدا ان مولوی صاحب اور والد ہو گئے ہیں، آپ ذرا توجہ فرمائیں اور ان کی اصلاح فرمائیں، الحمد للہ ان کی اصلاح ہوئی وہ سب بیعت ہو گئے تو ان مولوی صاحب کے الحاد کی طرف جانے کی وجہ بھی ایک عجیب و غریب معلوم ہوئی، زیادہ کریدا کریدا تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب بخاری کا درس دے رہے تھے، بڑے زور کی ہوا چلی، بار بار ورق الٹتے تھے، آپ سب جانتے ہیں بخاری کے اوراق جو بڑے ہوتے ہیں تو اس کے ورق کی آواز سے سبق میں انتشار ہو، شاہ صاحب نے کہا بھئی! اس پر ہاتھ رکھو یا کوئی چیز رکھو تو کسی نے ہاتھ رکھا کسی نے کوئی دینی کتاب رکھی، بس اس شخص نعوذ باللہ اس پر پاؤں رکھ دیا یہ کرنا تھا کہ کرنٹ بدل گئی تو سارا علم عزت واحترام کا ہے سب

اپنی سے زیادہ سے زیادہ ملتا ہے اس کو ملتا ہے۔ لیکن جو قیمتی کیفیت ہے وہ روحانی چیز ہے وہ نہیں ملتی۔ یہ کہ جن لوگوں میں استاد کتاب کا احترام تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت نفع پہنچایا عالم کو تابع اس واسطے جانتا ہے بلکہ اس میں بھی کچھ تھوڑا بہت معلوم ہو سکتا ہے۔ معلوں کو بھی زیادہ تر ان سے زیادہ روحانی فیض بہت زیادہ دیتا ہے۔ لیکن جو قدر کا درجہ نہیں ہوا ان کو زیادہ سے زیادہ دین کا مرتبہ نہیں ملتا۔ حاشیہ کا ادب احترام اور ان کی دعا میں شامل کتابوں میں لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ نے ہر مرتبہ ایک مرتبہ پڑھ کر تھے سب شاگردوں نے کہا کہ مصنف ہدایہ آئے ہیں۔ اس لئے یہ شرح کیا۔ جو جہاں تھے سب کام چھوڑ کر طرف سے چل دیئے آپ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لئے یہ شرح کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جواب لکھ دیا تھا مگر تم نہیں آئے تو اس نے کہا کہ ہم تو آئے تھے آپ نے فرمایا کہ ہم نے کہا کہ حضرت علاؤ الدین نہیں چھوڑ سکتے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر فضل ہے تو اپنے فضل سے ہمارا علم بھی زیادہ کر دیتا ہے لیکن دل میں روشنی نہیں آئے گی تم نے اپنے استاد کا دل اس کا اثر خود اپنی ذات میں نظر آ رہا ہے تو اپنے تک جو روحانی تعلق ماں سے ہے اس سے بڑھ کر تعلق ہے تو وہ جو جسمانی تعلق ماں سے ہے تو جسمانی فیض تم کو پہنچے گا کہ تمہاری صورت اور ہوئی لیکن وجود معنوی اس سے تمہارا وہ روحانی جس سے تھا وہ اس پر تم نے ترجیحی دی ہے تو یہ نامہ سے لوگوں میں رواج نہ ہوئی۔ یہ زبان سے نکل گئی تو لکھنے والوں نے کہ ان کے دل میں سب پوچھنے کی نہیں رواج نہیں تھی یعنی لوگ آئیں اور استفادہ کریں۔ تو اللہ کی نعمت ہو اس بھائی پر جس نے علام کے واقعہ پر یہ باتیں لکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عنایت فرمائے آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعوت وتبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

حیاۃ الصحابہ	۳ جلد اردو ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مولانا محمد احسان صاحب
حیاۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
شمائل ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مترجم مولانا محمد سعد کاندھلوی
منتخب احادیث	انگریزی	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مترجم مولانا محمد سعد کاندھلوی

ناشر: دارالاشاعت
اردو و دیگر زبانوں کی کتب ہمارے ادارے سے حاصل کریں

خواتین کے لئے دلچسپ معلوماتی اور مستند اسلامی کتب

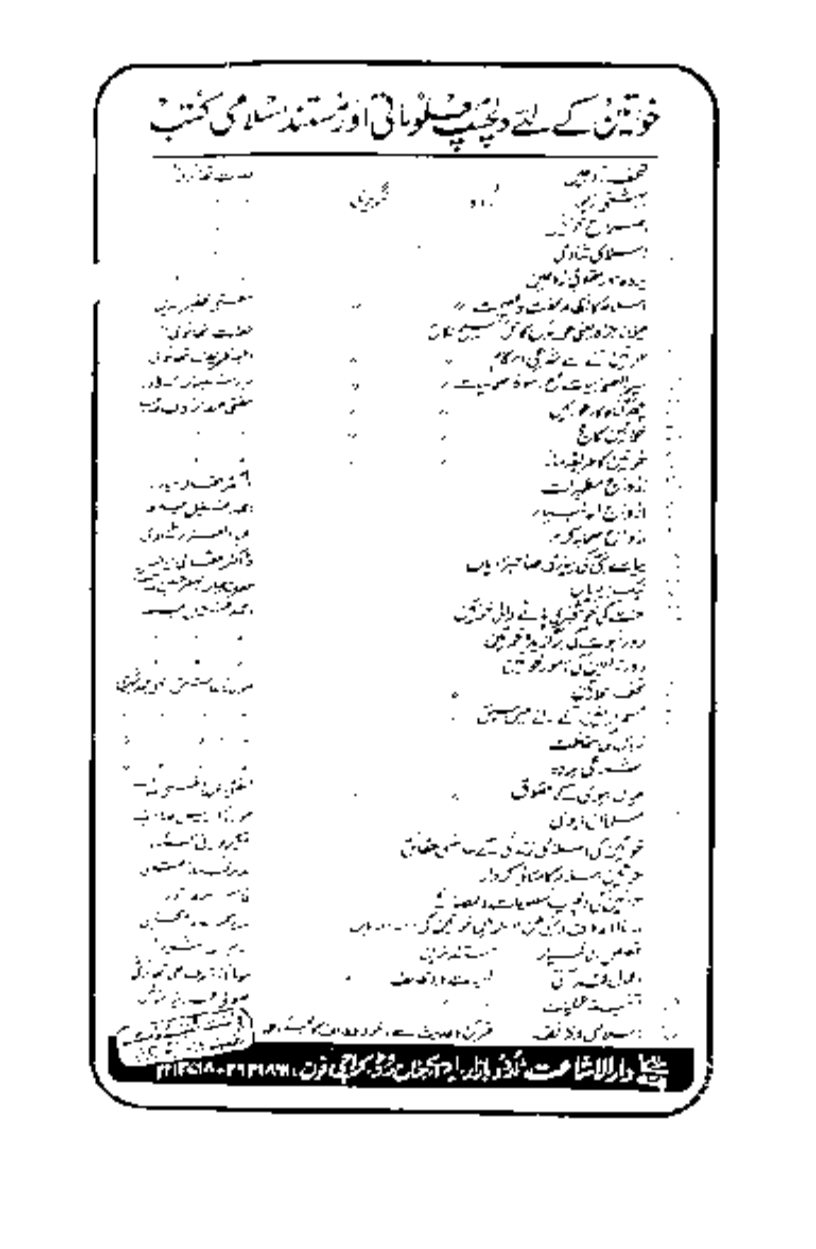

پتہ: دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی فون: ۲۱۲۶۵۱۸-۲۷۳۷۱۸۷۱